جمال فقر

پروفیسر محمد اکرم رضا

Marfat.com

Marfat.com

جمالِ فقر

صاحبزادہ میاں جمیل احمد
3479

اقلیمِ معرفت کے تاجدار داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ
اور ان کے سلسلہ عالیہ قادریہ کے مشائخ کے تذکار پُرانوار

تصنیف

پروفیسر محمد اکرم رضا

ادارہ تعلیماتِ تصوّف
دربار حضرت مبارک شاہ مبارک شاہ روڈ ○ گوجرانوالہ

Marfat.com

86672

حقوق تصنیف بحق مصنف محفوظ

کتاب —— جمالِ فقر

مصنف —— پروفیسر محمد اکرم رضا

ناشر —— ادارہ تعلیمات تصوف۔ گوجرانوالہ

زیرِ اہتمام —— حاجی عاشق جیلانی

سال —— ۱۹۹۰ء / ۱۴۱۰ھ

کتابت —— اقبال اختر، ادارہ کتابت چوک دالگراں لاہور

باہتمام —— صاحبزادہ شبیر کمال عباسی

قیمت —— ۸۰ روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ، لاہور

مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ، لاہور

فروغِ ادب اکادمی ۱۰۸- بی سیٹلائٹ ٹاؤن۔ گوجرانوالہ

عباسی پبلیکیشنز، دربار غوث العصر حضرت خواجہ محمد عمر عباسی قادریؒ بازار خراداں، گوجرانوالہ

مکتبہ چشتیہ قادریہ۔ ۱۵۔ فیصل آباد۔ گوجرانوالہ

مکتبہ رضائے مصطفیٰ۔ چوک دارالسلام۔ گوجرانوالہ

Marfat.com

ذخیرہ
میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی
لاہور پاکستان

3479

انتساب

ممتا کی اس سنہری چھاؤں کے نام جسے ماں کے مقدس لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔

اماں جی محترمہ

کہ جن کی آغوشِ لطف نے مجھے عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیکراں جذبے اور صوفیائے عظام کی محبت سے آشنا کیا اور مَیں اس قابل ہُوا کہ زندگی کے شب و روز کا بہت بڑا سرمایہ محبت مصطفویؐ اور عقیدت بزرگانِ اُمتِ مسلمہ کے لافانی جذبے کی اشاعت کی نذر کرسکوں۔

آج

اماں جی محترمہ اگرچہ ظاہری طور پر میری رہنمائی کو موجود نہیں ہیں، مگر ان کے فیضانِ تربیت سے ضوبار میرا ماضی بدستور میرے لیے شمعِ راہِ عمل کی صورت اپنے انوار بکھیر رہا ہے۔

اماں جی محترمہ مرحومہ مغفورہ کے نام اس دُعا کے ساتھ کہ رحمتِ ایزدی اور شفاعتِ مصطفویؐ قبر سے حشر تک ان پر ہر آن، ہر ساعت سایہ فگن رہے۔ آمین

پلکوں پر لرزتے آنسوؤں اور دل میں مچلتی دعاؤں کے ساتھ

محمد اکرم رضا

گورنمنٹ کالج۔ گوجرانوالہ

Marfat.com

ذرّوں پہ اس کے رحمتِ پروردگار ہے
ہر پھول اس چمن کا دُرِ تاب دار ہے
انوارِ ذوالجلال ہیں "روضوں" کے آس پاس
دیوار و دَر پہ حُسنِ مشیّت نثار ہے
ہر کجکلاہ ان کی حضوری سے فیضیاب
ہر رہ نشیں فقیر یہاں تاجدار ہے
دیکھی ہیں مہر و مہ کی جبینیں جھکی ہوئی
اس خاک پر کہ جس کی فضا لالہ زار ہے

Marfat.com

فہرست

حمد		۷
نعت		۸
تقدیم	میاں عبدالرشید	۹
دیباچہ : تصوّف اور صوفیائے عظام		۱۵
سیّدنا حضرت علیؓ المرتضیٰ شیرِ خدا		۵۷
سیّدنا غوث الاعظم عبدالقادر جیلانیؒ		۷۵
حضرت میاں مُیر بالا پیر قادری لاہوری		۹۷
حضرت ملّا محمد سعید قادریؒ		۱۱۷
حضرت داتا شاہ جمال نُوری قادریؒ		۱۳۱
حضرت شاہ عبدالکریمؒ		۱۴۹
حضرت شاہ عبدالرحیمؒ		۱۵۳
حضرت شاہ شیر محمد غازیؒ		۱۵۷
حضرت مولانا مولوی محمد فیضؒ		۱۶۳
حضرت مولانا مولوی نُور احمدؒ		۱۷۵
حضرت مولانا مولوی محبوب عالمؒ		۲۰۱
حضرت مولانا غلام جیلانیؒ		۲۶۹

Marfat.com

مولانا غلام جیلانیؒ کے چند معاصرین	۳۴۹
مولانا غلام جیلانیؒ کے خلفاء اور خاص ارادتمند	۳۵۶
خانقاہ قادریہ نوریہ کے مزارات کی تعمیر	۳۶۴
شجرہ طیبہ قادریہ	۳۶۸
شجرہ شریف	۳۷۴
منظوم خراجِ عقیدت	۳۸۰
قطعہ ہائے سالِ طباعت (فدا حسین فدا ۔ قمر یزدانی)	۳۹۰
آراء : ظہور عالم شہید ، راجا رشید محمود ، اسلم کاشمیری	۳۹۲
مسافر نواز	۳۹۷
ماخذ و مراجع	۳۹۹

○

Marfat.com

رَبّ العٰلمین

بنائے اپنی حکمت سے زمین و آسماں تو نے
دکھائے اپنی قدرت کے ہمیں کیا کیا نشاں تُو نے
نہیں موقوف خلّاقی تری اس ایک دُنیا پر
کیے ہیں ایسے ایسے سینکڑوں پیدا جہاں تُو نے
دلوں کو معرفت کے نُور سے تُو نے کیا روشن
دکھایا بے نشاں ہو کر ہمیں اپنا نشاں تُو نے
ہم اب سمجھے کہ شاہنشاہِ ملکِ لامکاں تُو ہے
بنایا اِک بشر کو سرورِ کون و مکاں تُو نے
محمّد مُصطفےٰ کی رحمۃ للعالمینی سے
بڑھائی یا رب اپنے لُطف اور رحمت کی شاں تُو نے
دِیا اپنے کرم سے ریزہ مورِ ناتواں کو بھی
لگائے گر سلیماںؑ کے لیے نعمت کے خواں تُو نے
مئے لَا تَقْنَطُوْا کے نشے میں سرشار رہتا ہوں
سیہ بختوں کو بخشی ہے حیاتِ جاوداں تُو نے

ظفر علی خانؒ

Marfat.com

رحمۃ للعالمین

صلی اللہ علیہ وسلم

لوح بھی تُو قلم بھی تُو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمالِ بے نقاب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرّہ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب
شوق اگر ترا نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب
تیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے
طبعِ زمانہ تازہ کر جلوۂ بے حجاب سے

(علامہ اقبالؒ)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

یہ کتاب سلسلہ قادریہ کے ان بزرگوں کے حالات پر مشتمل ہے جنہوں نے گوجرانوالہ اور اس کے گرد و نواح کی سرزمین کو اپنے روحانی فیض سے روشن اور آباد کیا۔ ان میں سرِفہرست حضرت شاہ جمال نوریؒ ہیں جن کی روحانی تربیت حضرت شاہ ابوسعید معصومؒ (حضرت مُلّا محمد سعیدؒ) نے بحکم حضرت میاں میرؒ فرمائی۔ حضرت داتا شاہ جمال نوریؒ کے بعد ان کے سلسلہ کے جن بزرگوں نے یہ کارِ عظیم جاری رکھا تھا ان کے اسمائے گرامی: شاہ عبدالرحیمؒ، شاہ عبدالکریمؒ، شاہ شیر محمدؒ غازی، مولوی فیض محمدؒ، مولانا نور احمدؒ، مولانا محبوب عالمؒ اور مولانا غلام جیلانیؒ ہیں۔ مؤخر الذکر دونوں بزرگوں کے حالات فاضل مصنف پروفیسر محمد اکرم رضا نے زیادہ تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ مولانا غلام جیلانیؒ کی تاریخِ وفات ۱۹۵۷ء ہے۔ گویا آپ زمانۂ حال ہی کی شخصیت ہیں۔

پروفیسر محمد اکرم رضا نے نہایت محققانہ انداز سے سلسلۂ قادریہ کی تاریخ کی مرکزی شخصیات کو موضوعِ تحریر بنایا ہے۔ سلسلۂ قادریہ کی ابتداء حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ سے ہے اور آپ روحانی طور پر سیدنا علی المرتضیٰؓ سے فیض یافتہ تھے۔ اس لیے اس کتاب کا آغاز انہی عظیم شخصیتوں کے حالات سے کیا گیا ہے۔ پھر حضرت میاں میرؒ کا تذکرہ ہے کیونکہ سرزمین گوجرانوالہ میں روحانیت کے شجرِ طیبہ کی

Marfat.com

کاشت انہی کے ہاتھوں ہوئی۔

پروفیسر محمد اکرم رضا دنیائے ادب و تحقیق میں چنداں محتاج تعارف نہیں ۔آپ کے بے شمار تحقیقی مقالات اصحابِ علم و فن سے خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں ۔سیرتِ مصطفویؐ اور صوفیائے کرام کے پاکیزہ موضوعات پر قلم اٹھانا آپ کے لیے بالخصوص بہت بڑی سعادت ہے ۔اس تصنیف میں آپ نے جہاں تحقیق و جستجو کی خشک وادیوں کو سیراب کیا ہے، وہاں ادب و انشاء کے ایسے گل و لالہ بھی مہکائے ہیں جن کی خوشبو سے اہلِ نظر مدّتوں اپنے قلب و نظر کو معنبر کرتے رہیں گے۔

کتاب کا دیباچہ خاص طور پر سے تصوّف اور صوفیائے کرام پر سیر حاصل مواد پیش کرتا ہے ۔اس میں مصنف نے بڑے تحقیقی اور علمی و فکری انداز سے تصوّف کی روحانی قدروں کا دفاع کیا ہے اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ تصوّف آج بھی عالمِ اسلام کی اصلاح کے لیے وہی کردار ادا کر سکتا ہے جو اس نے صدیوں پیشتر ادا کیا تھا۔

اس دیباچہ میں پروفیسر محمد اکرم رضؔا نے جس طور پر حسنِ الفاظ، ادبی بندشوں، تراکیب و استعارات اور زبان کی پاکیزگی کا سہارا لیا ہے اس کی بدولت یہ دیباچہ بجائے خود ایک علیحدہ تصنیف نظر آتا ہے ۔ایسی تصنیف جس میں خوبصورت عبارت آرائی اور لفظی شکوہ کے نمونے قدم قدم پر اپنی بہار دکھا رہے ہیں ۔مصنّف نے جس تفصیل سے تصوّف اور صوفیائے عظّام کے مشن کا جائزہ لیا ہے اس سے ان کی ژرف نگاہی اور صوفیائے کرام کے مقدّس مشن سے محبّت بدرجۂ اتم ظاہر ہوتی ہے ۔مصنّف کی خوبصورت دلآویز اور دلنشیں تحریر سے چند اقتباسات درجِ ذیل ہیں :

"ایک وہ بادشاہ ہیں جو مظلوموں اور بیکسوں کو تیغِ ستم سے ڈرا کر ان پر حکومت کرتے ہیں ۔ جبر و تشدّد کا مظاہرہ کر کے اپنی فرمانروائی کا سکّہ جاری کرتے ہیں ۔۔۔۔ زوال کا خوف انہیں

Marfat.com

جبر و تشدد پر مجبور کرتا ہے۔"

"ان کے مقابلہ میں دوسری بادشاہت اِن درویشانِ خدا مست کی ہے جو وحشت و ظلم کے صحراؤں میں محبّت کے پھول کھلاتے ہیں۔ جبر و تشدّد اور خود غرضی کی مسموم فضاؤں میں روحانی لطافتوں کی خوشبو بکھیرتے ہیں۔ کُفر و ضلالت کے ظلمت کدوں میں ایمان کے چراغ روشن کرتے ہیں۔ اُجڑے ہُوئے شہروں اور ویران ملکوں کو زندگی کا پیغام عطا کرتے ہیں۔ بندوں کو خدا سے ملا کر حرص و ہوس کی آلائشوں سے پاک وصاف کر دیتے ہیں۔"

"دُنیوی سلاطین صرف جسموں، شہروں اور ملکوں پر حکومت کرتے ہیں جبکہ اولیائے کرام لوگوں کے دلوں اور دماغوں پر حکومت کرتے ہیں۔ اِن صوفیائے عظام کا دلوں پر قبضہ عارضی نہیں بلکہ دائمی ہوتا ہے۔ یہ تلواروں سے مُلک فتح نہیں کرتے بلکہ نگاہوں سے قوموں کو تسخیر کرتے ہیں۔ محبتِ خدائے رحیم ان کا اعزاز اور اطاعتِ رسولِ پاک (صلے اللہ علیہ وسلّم) ان کا شعار ہے۔ فقرِ غیور ان کا افتخار اور صدق وصفا ان کا سرمایہ ہے۔"

"آج جبکہ مادیّت کے سائے چاروں طرف منڈلا رہے ہیں اور تشکیک و اوہام کی ظلمتیں، ایمان و یقین کے اُجالوں کو نگلنے کے لیے پَر تول رہی ہیں، ہمارے لیے ان روحانی بزرگوں کی سیرت مشعلِ راہ ثابت ہو سکتی ہے۔"

غرضیکہ فاضل مصنّف نے کتاب کو آغاز سے لے کر انجام تک اپنے حسنِ عبارت سے دلکش انداز عطا کیا ہے۔ موجودہ سائنسی دَور میں رُوحانیت ہمارے لیے ضرور مشعلِ راہ ثابت

Marfat.com

ہوسکتی ہے۔کیونکہ دونوں کا حصولِ علم کا انداز تجرباتی ہے۔سائنس حواسِ ظاہری کی مدد سے کائنات کے بارے میں مشاہداتی علم حاصل کرکے انسان کے لیے بیرونی دُنیا کی قوتوں کو مسخّر کرنے کی راہ ہموار کرتی ہے۔تصوّف باطنی مشاہدات کے ذریعہ انسان کی اندرونی دُنیا کے راز اس پر عیاں کرتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ اور آخرت (جو صحت مند انسانی زندگی کی اہم بنیاد ہیں) کے بارے میں ایمان بالغیب کو عین الیقین اور حق الیقین کا درجہ عطا کرتا ہے۔ پھر ان حقائق پر بندے کا یقین کبھی متزلزل نہیں ہوتا اور پختہ ایمان ہی پختہ زندگی کی بنیاد بن سکتا ہے۔علاوہ ازیں تصوّف سے اللہ تعالیٰ کی ہردم موجودگی اور ان کی جناب میں حضوری کا احساس پیدا ہوتا ہے۔پھر یہ احساس ایک طرف گناہ سے بچاتا ہے اور دوسری طرف انسان میں بڑے سے بڑے جابر کے مقابلہ میں ڈٹ جانے کی ہمّت کرتا ہے۔زیرِ نظر تصنیف میں پروفیسر محمد اکرم رضا نے صوفیائے کرام کی اس صداقت شعاری اور خداشناسی کی عظمت ہویدا کی ہے۔

ہمیں اچھّی طرح سے سمجھ لینا چاہیے کہ تصوّف زندگی سے گریز نہیں بلکہ زندگی سے معرکہ آرائی ہے ——— جہاد بالنّفس اس لیے ہے تاکہ معاشرہ میں بُرائی کے خلاف اور دُنیا میں باطل پر مبنی سیاسی نظاموں کے خلاف جہاد کیا جاسکے۔یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ پاک نگاہ، حلال کمائی اور زبان کی سچّائی کے بغیر اوراد و وظائف قطعاً غیر مؤثر رہتے ہیں ——— علاوہ ازیں اوراد و وظائف کے رُوحانی ثمرات سے پُوری طرح بہرہ وَر ہونے کے لیے لازمی ہے کہ صاحبِ ایمان عبادت کے بعد پُوری یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجّہ ہو کر چند منٹ کے لیے ضرور بیٹھے۔یکسوئی کی مشق سے یکسوئی کا وقت خودبخود بڑھتا جائے گا۔اس راہ کی سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ رُوحانیت ساری کی ساری جنابِ رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آستانۂ عالیہ سے ملتی ہے۔

ع   جہاں از عشق و عشق از سینۂ تُست

Marfat.com

جتنی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت وعقیدت اور ادب واحترام ہوگا مسلمان اسی نسبت سے رُوحانی فیض سے بہرہ ور ہوگا۔ اگر کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا بے ادب ہے تو اس کی رُوحانیت کے سارے دعوے بے بنیاد ہیں۔ آخری بات یہ ہے کہ تصوّف سارے کا سارا محبّت ہے۔ شریعت سے باہر کوئی تصوّف نہیں۔ اگر کسی ایسے شخص سے خوارق ظاہر ہوں جو پابندِ شریعت نہیں تو وہ استدراج ہے یا جنّات سے تعلّقات کا کرشمہ۔

میرے لیے یہ امر وجہِ صد مسرّت ہے کہ پروفیسر محمد اکرم رضا نے جس تصوّف کی ترجمانی اور تشریح وتعبیر کی ہے اس کا اصل منبع قرآن اور قرآنِ ناطق جناب محمد رسول اللہ کی ذاتِ گرامی ہے۔ فاضل مصنّف نے زیرِ نظر کتاب میں مذکور اولیاء وصُوفیا کے حالات قلمبند کرتے ہوئے ان کے انہی پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔ میری دُعا ہے کہ یہ کتاب اصحابِ فکر ونظر اور اہلِ تصوّف کی نگاہوں میں محبوب تر ٹھہرے اور اس کی حیثیت ایک ایسے مینارۂ نور کی ہو جس کی روشنی میں حق پرستوں کے قافلوں کو منزل آشنائی کے آداب میسّر آتے رہیں۔ آمین۔

— از قلم —

ادیبِ ملّت الحاج میاں عبدالرشید

کالم نگار "نورِ بصیرت"

Marfat.com

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ

اللّٰهِ

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

يَحْزَنُوْنَ ○

Marfat.com

تصوّف اور صوفیائے عظام

چشمِ فلک نے ہمیشہ دو طرح کی بادشاہی دیکھی ہے۔ ایک وہ بادشاہ ہیں جو انسانوں سے اپنی ملوکیت کا خراج لیتے ہیں مظلوموں اور بیکسوں کو اپنی تیغِ ستم سے ڈرا کر ان پر حکومت کرتے ہیں۔ طاقت شاہی اور جبر و تشدّد کا مظاہرہ کر کے اپنی فرمانروائی کا سکّہ جاری کرتے ہیں۔ اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے ہر قسم کی خود غرضی، حرص و ہوس، بے انصافی اور وحشت و بربریت کو روا رکھتے ہیں۔ ان شاہانِ کجکلاہ کا ایک ہی مقصود ہوتا ہے کہ ان کی حکومت کسی صورت بھی غیر مستحکم نہیں ہونی چاہیئے۔ زوال کا خوف انہیں ہر لحظہ جابرانہ عزائم بروئے کار لانے پر مجبور رکھتا ہے۔

ان گردن فرازانِ جہاں کے مقابلے میں دوسری بادشاہت ان درویشانِ خُدامست کی ہوتی ہے جو وحشت و بربریت کے صحراؤں میں محبت کے گلاب اگاتے ہیں۔ ظلم و ستم کی چکّی میں پستے ہُوئے مظلوم انسانوں کو صبر و قرار کی دولت عطا کرتے ہیں۔ کفر و ضلالت کے ظلمت کدوں میں ایمان کے چراغ روشن کرتے ہیں۔ اُجڑے ہُوئے شہروں اور ویران ملکوں کو زندگی کا پیغام عطا کرتے ہیں۔ جبر و تشدّد اور خود غرضی کی مسموم فضاؤں میں رُوحانی لطافتوں کی خوشبو تقسیم کرتے ہیں۔ بندوں کو خُدا سے ملا کر انہیں آلائشِ دنیا اور حرص و ہوس سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔

دُنیاوی سلاطین انسانوں پر حکومت کرنے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر ان کی حکومت انتہائی عارضی اور ناپائیدار ہوتی ہے۔ یہ جسموں، شہروں اور ملکوں پر حکومت کرتے ہیں

Marfat.com

مگر عوام کے دل و دماغ ان کے احترام سے بے نیاز ہوتے ہیں جب کہ اولیائے کرام شہروں پر نہیں، بلکہ دلوں اور ذہنوں پر حکومت کرتے ہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ ہمیشہ اسی حکمران کی سلطنت کو پائیداری نصیب ہوتی ہے جس کے اقتدار کا تعلق عوام الناس کے ذہنوں سے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا پر قبضہ و اختیار رکھنے کا دعویٰ کرنے والے شہنشاہوں کا اقتدار حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتا ہے، مگر ان صوفیائے عظام کے قبضہ و اختیار کی کوئی حد نہیں ہے اور ہر آنے والا دن ان کی روحانی شان و شوکت اور فیضِ ایمانی کے عام ہونے کا پیغام لے کر آتا ہے۔

ان صوفیائے کرام کا دلوں پر قبضہ عارضی نہیں بلکہ دائمی ہوتا ہے۔ یہ تلواروں سے نہیں بلکہ نگاہوں کی قوت سے دلوں کو فتح کرتے ہیں۔ ان کی زندگیاں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے وقف ہوتی ہیں۔ اس لیے تبلیغِ اسلام اور اشاعتِ دینِ مصطفوی کی خاطر جس طرف جاتے ہیں، نصرتِ ایزدی ہر گام ان کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ فقرِ غیور ان کا شعارِ زندگی اور صدق و خلوص ان کا سرمایہ ہوتا ہے۔ محبتِ خدا ان کا اعزاز اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ان کا افتخار ہوتی ہے، یہ اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے جیتے ہیں اور خدمتِ خلقِ خدا کو اپنا منصب سمجھ کر عالمِ انسانیت کو فلاحِ دارین کی منزل کی جانب گامزن کرنے کے لیے مصروفِ عمل رہتے ہیں۔

یہ نفوسِ قدسیہ روحانیت کے علمبردار اور تصوّف کی عظمتوں کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اُمتِ اسلام پر تصوّف کے احسانات کا تذکرہ بلاشبہ اعترافِ حقیقت کے مترادف ہے۔ اس دور میں جبکہ بادشاہوں نے اقتدار کو اپنے گھر کی باندی سمجھ کر مخلوقِ خدا پر ظلم و تشدّد کے سائے پھیلا دیئے تھے۔ یہ اصحابِ تصوّف ہی تھے جنھوں نے ان ظالم و قاہر سلاطین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں عذابِ الٰہی سے ڈرایا اور احساس دلایا کہ اقتدار ڈھلتی چھاؤں ہے اور زیردستوں پر ظلم کرنے والا بہت جلد خدا کے غضب

Marfat.com

کی زد میں آجاتا ہے۔

تصوف حقیقت میں عین اسلام ہے کیونکہ اصحابِ تصوف نے جس طور خلقِ خدا کی رہنمائی فرمائی وہ ہر لحاظ سے اسلام کی تعلیمات کا راستہ ہے۔ آج کا مادیت پسند ظاہربین تصوف پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اسے عجمی سازش سے تعبیر کرتا ہے حالانکہ اسلامی تصوف مکمل طور پر شعائرِ اسلام اور شریعتِ محمدی کی بالاتری کا دوسرا نام ہے اور اس کا مقصدِ اولیٰ یہی ہے کہ فرزندانِ اسلام کو محض گفتار کا غازی نہ بنایا جائے بلکہ شریعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی تقاضوں سے آشنا کیا جائے۔ تصوف کی اصطلاح اور اس کے اسلامی عملی پہلوؤں پر غور کرنے کے لیے حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات بطورِ خاص مطالعہ کے قابل ہیں۔ آپ "کشف المحجوب"[۱] میں فرماتے ہیں:

"ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کمبلی اوڑھتا ہے اور ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ روزِ قیامت صفِ اول میں ہوں گے۔ ایک گروہ اس طرف گیا کہ صوفی وہ کہا جاتا ہے جو اصحابِ صُفّہ کے ساتھ محبت وولا کا رابطہ رکھے۔ ایک فرقہ کہنے لگا کہ صوفی ایک اسم ہے جو صفا سے مشتق ہے یعنی جس کے اندر باہر صفائی ہے وہ صوفی کہلانے کا حقدار ہے۔ اگرچہ بلحاظِ طریقت ان توجیہات سے بہت سے لطائف حاصل ہو سکتے ہیں، لیکن آخری طبقہ کی تعریف کے اعتبار سے لغوی معنی اس کے علیحدہ ہی نکلیں گے"[۱]

---

[۱] کشف المحجوب، مصنف ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویری ترجمہ: ابوالحسنات سید محمد احمد قادری ص ۱۱۳- اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور

Marfat.com

گویا سیّد علی ہجویریؒ ظاہری و باطنی سنان کو اہلِ تصوّف کا امتیازِ خاص قرار دے رہے ہیں کیونکہ آپ سمجھتے ہیں کہ ظاہر و باطن کی یکجائی اور قول و فعل کی مطابقت اسلامی تعلیمات کا جزوِ عظیم ہے اور جب ظاہر و باطن کو جلا عطا ہو جائے تو انسان مردِ مومن کی عملی تفسیر بن جاتا ہے۔

انسانیت کے لیے سب سے بڑا نمونۂ ہدایت آقا و مولا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے کہ جن کا اسوۂ عالی قرآن کی اَبدی صداقتوں کا شارح ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب آپ کے اسوۂ عظیم میں یوں ڈھل گئے کہ ان کا وجود سیرتِ مصطفٰے کا ترجمان نظر آتا ہے۔ یہ اصحابِ رسول چار دانگ عالم میں اسلام کی روشنی پھیلانے کا ذریعہ بن گئے۔ ان کے لیے سب سے بڑا معیارِ حق حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی تھی کہ جن کے کردار کو خدائے کریم نے ہمیشہ کے لیے باعثِ تقلید قرار دے دیا تھا۔

اِن اصحابِ رسولؐ میں سے ایک گروہ بطورِ خاص خود کو تبلیغ دین اور ترویج تعلیماتِ مصطفٰےؐ کے لیے وقف کر چکا تھا۔ اس مقدس گروہ سے تعلّق رکھنے والے اصحاب زیادہ سے زیادہ حضور کی صحبت میں بیٹھتے اور حکمِ مصطفٰےؐ کی تعمیل میں مسجدِ نبویؐ کے قریب ایک چبوترے پر بیٹھ کر ارشاداتِ خدا و مصطفٰے لوگوں تک پہنچایا کرتے تھے۔ ان کا لباس انتہائی سادہ ہوتا۔ ان کے کپڑوں میں اس قدر پیوند لگے ہوتے تھے کہ مزید پیوند لگنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی تھی۔ کھانا میسّر آ جاتا تو کھا لیتے، ورنہ پیٹ پر پتھر باندھ کر اور پانی پی کر گزارا کرتے۔ آندھیاں چلتیں، طوفان آتے، موسم اپنی شدّت دکھاتا، مگر یہ سرمست عشّاق ہر قسم کے گرم و سرد سے بے نیاز ہو کر تبلیغِ دینِ مصطفوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فریضہ انجام دیتے۔ دوسرے صحابہ انہیں رشک کی نگاہوں سے دیکھتے اور ان کے روحانی مقامات کی مزید سربلندیوں کے لیے دُعا کرتے۔ یہی وہ چبوترہ نشین، فاقہ کش،

Marfat.com

درویش و مستغنی مبلغین اسلام تھے جنہیں دنیا اصحابِ صفّہ کے نام سے یاد کرتی ہے اور جن کا روشن کردار ہر دور کے اصحابِ تصوّف کے لیے شمعِ عمل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلام ایک مکمل دینِ فطرت ہے، اس کی تعلیمات ابدی اور ہمیشہ کے لیے ہیں۔ اسلامی اور قرآنی تعلیمات کو ہر زمانے کے طالبانِ شوق تک پہنچانے کے لیے فی الواقع ایسے اصحابِ عمل کی ضرورت تھی جو اپنی زندگیاں خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے وقف کر کے تبلیغِ اسلام کا عملی مظاہرہ کریں۔ قرآن اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ: "تم میں سے ایک گروہ بھی ہونا چاہیئے جو بھلائی کی طرف بلائے، اچھی بات کا حکم دے اور بُرائی سے روکے۔ پس یہی لوگ ہیں، جو فلاح پائیں گے۔"[1] (القرآن)

تاریخِ اسلام کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت اُبھرتی ہے کہ ایسا گروہ اصحابِ تصوف کا گروہ ہے۔ جس نے ہر عہد میں اُمتِ اسلام کو بُرائی سے بچانے، جابر حکمران کو للکارنے نیکی کی ترغیب دینے اور شعائرِ اسلام کی پابندی کرنے کا نمونہ پیش کیا ہے۔ یہی طبقہ فکر ہے جس نے تصوّف کے نام پر اہلِ ایمان کی عملی و فکری رہنمائی کا حق ادا کیا ہے۔

تصوّف کا مقصود کس حد تک خلقِ خدا کی رہبری اور رہنمائی تھا اور یہ کس طور قلب و روح کو ایمان کی لطافتوں سے ہمکنار کرتا ہے اس کا اندازہ سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قولِ مبارک سے ہو جاتا ہے۔ یہ وہی سیدنا جنید بغدادی ہیں جو اولیاء کے سرتاج ہونے کی بناء پر "سید الطائفہ" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں ان کا اندازِ فکر ملاحظہ کیجیے:

"تصوّف[2] مخلوق کی موافقت کرنے سے دل کو پاک رکھنا۔ بشری صفات

---

[1] پارہ ۴۔ سورۂ آلِ عمران آیت ۱۰۴ [2] رسالہ قشیریہ و شیخ ابوالقاسم قشیری، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن مطبوعہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد

Marfat.com

(مذمومہ) سے علیحدگی اختیار کرنا، نفسانی خواہشات سے اجتناب کرنا، روحانی نفوس سے میل جول رکھنا، علومِ حقیقی سے تعلق رکھنا، ہر لحظہ ایسے کام بجا لانا جو اولیٰ و افضل ہوں، تمام اُمتِ محمدیہ کی خیر خواہی کرنا، حقیقی طور پر اللہ سے وفا کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شریعت کی پیروی کرنا ہے۔"

اس سلسلے میں پیرِ پیراں غوث الاعظم سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد دلوں کو تصوّف کی حقیقی پہچان عطا کرتا ہے۔ غوث الاعظم اپنی تصنیفِ لطیف "فتوح الغیب" میں ارشاد فرماتے ہیں:

"تصوّف[1] آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے۔ سخاوتِ ابراہیمؑ، رضائے اسحٰقؑ، صبرِ ایوبؑ، مناجاتِ ذکریاؑ، غربتِ یحییٰؑ، خرقہ پوشی موسیٰؑ، تجرّد عیسیٰؑ اور فقر محمد صلی اللہ علیہ وسلّم۔"

عظیم مؤرخ اور صاحبِ فضیلت ابنِ خلدون کی رائے بھی ملاحظہ کیجیے:

"تصوّف[2] کے مقاصدِ اصلیہ یہ ہیں کہ انسان عبادتِ الٰہی میں جاں کھپائے پُوری طرح اللہ کا ہو جائے اور دُنیا کی لغویات اور خرافات سے بالکل منہ موڑ لے۔ عام دُنیا دار جن چیزوں پر مٹتے ہیں یعنی لذّاتِ دنیویہ اور حبِّ مال و جاہ سے قطعی کنارہ کش ہو جائے۔ عبادت کیلئے عزلت نشینی اور گوشہ نشینی پسند کرے۔"

دُنیائے تصوّف کی ان نامور ہستیوں کے ارشادات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح تر ہو جاتی ہے کہ تصوّف اسلام کے خلاف نہیں، بلکہ یہ عین اسلام ہے اور صوفیائے کرام کا وہی مقصود و مدّعا رہا ہے جو خدا اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلّم کی رضا ہے

---

[1] فتوح الغیب، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ ترجمہ: سیّد محمد القادری مطبوعہ المعارف۔ لاہور

[2] مقدمہ ابنِ خلدون، ترجمہ سعد حسن خاں یُوسفی۔ مطبوعہ، نور محمد کارخانۂ تجارت کتب کراچی

Marfat.com

یہ مکمل طور پر اسلامی تصوّف ہے۔ اس کا کسی عجمی تصوّف یا قبل از اسلام کی باطل اصطلاحات سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت اس صراطِ مستقیم کی ہے جس پر چل کر طالبانِ شوق خوشنودیٔ خداوندی کے مصداق ٹھہرتے ہیں تصوّف کے پیشِ نظر فقط اور فقط شریعتِ محمدی کی بالاتری اور اسلام کا حقیقی نفاذ ہے۔ تصوّف پر شریعت کو کس طور بالاتری حاصل ہے اس کا اظہار سیدنا بایزید بسطامیؒ کے اس قولِ مبارکہ سے ہوتا ہے:

"اگر[1] تم کسی آدمی کو دیکھو کہ اسے کرامات دی گئی ہیں، یہاں تک کہ وہ ہوا میں اڑتا ہو، پھر بھی تم اس سے دھوکا نہ کھانا، یہاں تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ وہ اوامر و نواہی کی پابندی، حدود اللہ کی محافظت اور شریعت کی پاسداری میں کیسا ہے۔"

یہ تصوّف ہر لحاظ سے تعلیماتِ اسلامی سے عبارت اور شریعتِ مطہرہ سے فیضیاب ہے۔ اس کی اساس فقرِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم ہے۔ وہ فقر کہ جسے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے لیے پسند فرماتے ہوئے "الفقر فخری" کا پیغام اپنے عشاقِ سرمست کے دلوں پر نقش کر دیا تھا۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سرورِ سلاطینِ عالم تھے۔ زینتِ ارض و سما تھے، قاسمِ انعاماتِ ربّانی تھے، دین و دُنیا کی ان انتہائی سربلندیوں پر فائز تھے کہ جہاں تک فکر و تخیّل کی رسائی کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا، مگر اس تمام تر شوکت و جلالت کے باوجود آپ نے یہ دُعا فرما کر دُنیا بھر کے بے بسوں اور لاچاروں کے آنسو پُونچھ دیئے کہ:

"اے اللہ! مجھے مسکینی میں زندہ رکھ اور مسکینی میں وفات دے اور مسکینوں کے ساتھ مجھے اُٹھا۔"

---

[1] رسالہ قشیریہ، امام ابوالقاسم القشیری، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص ۲۴۲۔ مطبوعہ: ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد۔

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے جاں نثار صحابہؓ نے فقر کو متاعِ عزیز سمجھ کر سینے سے لگا لیا۔ بعد کے ادوار میں تابعین اور پھر تبع تابعین نے تصوّف کو فقر کی حقیقی شان کے ساتھ قبول کیا۔ چنانچہ آہستہ آہستہ فقر نے تصوّف کے ساتھ لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کر لی۔ چنانچہ جب ہم تصوّف کو دل میں جگہ دینے لگتے ہیں تو ذہن و فکر میں ایسے صوفی باصفا کا تصوّر اُبھرتا ہے جو لذاتِ دنیوی سے کنارہ کش ہو کر بندگانِ خدا کو عرفانِ خدا کی دولت عطا کر رہا ہے۔ اسی بنا پر حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ صوفی کی تعریف بیان کرتے ہُوئے کہتے ہیں:

"صوفی وہ ہے جو ہر قسم کے میل کچیل سے پاک ہو، ہمہ تن غور و فکر ہو۔ مخلوقِ خدا کو چھوڑ کر اللہ ہی کا ہو گیا ہو۔ اور اس کے نزدیک سونا اور مٹی کا ڈھیلہ یکساں ہو۔"

اس کائنات کا ہر لحاظ سے حسین اور مثالی دَور وہ تھا جو حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی حیاتِ مقدسہ کی بدولت بزمِ ہستی کو میسّر آیا۔ یہ دَور جملہ تواریخِ عالم میں سب سے بلند مقام اور اہمیت کا حامل ہے کہ اس اُمّی لقب دانائے کائنات صلے اللہ علیہ وسلّم نے اپنے سیرت و کردار کی روشنی سے وقت کے ظلمت کدوں کو سراپا روشنی بنا دیا۔ یہ دَور بھی کس قدر خوش بخت تھا کہ اس کی مقدّس ساعتوں نے اس ہستئ والا صفات کے حُسنِ جہاں افروز کے جلوے دیکھے ہیں کہ آج جس کا نام لینے سے نبضِ ہستی تپش آمادہ ہونے لگتی ہے۔ خوش قسمت تھے وہ عُشاق کہ جنہیں سرورِ دو عالم کی نگاہ کرم کی جگمگاہٹ میسّر آئی اور وہ "صحابہ" کے لقب سے بہرہ ور ہو کر مطلعِ ایمان پر ستاروں کی صورت روشنی بکھیرنے لگے۔

مِلّتِ اسلام پر آزمائش کا دَور اس وقت آیا جب خلافتِ راشدہ کے خاتمے کے بعد مسلم ریاست پر ملوکیّت کے بھیانک سائے منڈلانے لگے۔ امویوں کے بعد عباسی آئے مگر چند مثالوں کو چھوڑ کر مجموعی طور پر شہنشاہیت کا نقشہ نظر آتا تھا۔ کہنے کو تو یہ حکمران

86672

Marfat.com

خلیفۃ المسلمین کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے مگر یہ مطلق العنانی، آمریت اور جبر و قہر کی تصویر تھے۔ عوام الناس تو کجا خواص کی بھی جرأت نہیں تھی کہ ان حکمرانوں کے کسی فعل کی مذمت کر سکیں۔ اختلاف رائے کا صلہ بدترین موت تھی۔ آہستہ آہستہ دوسرے امور ریاست کی طرح ان حکمرانوں نے مذہب کو بھی گھر کی لونڈی سمجھ لیا کہ جو معانی اور مفاہیم چاہیے مراد لے لیں۔ ان حکمرانوں کو سب سے زیادہ خطرہ شریعت محمدیؐ کی طرف سے لاحق تھا کیونکہ جانتے تھے کہ انکے بیشتر افعال شریعت اور تعلیماتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کرتے ہیں۔ اپنے مذموم مقاصد کی ترویج اور مطلب براری کے لیے انہیں ایسے علمائے سُو بھی میسر آنے لگے جو انکے ہر فعل کو جائز اور درست قرار دینے کے لیے دُور از کار تاویلات کے انبار لگا دیتے تھے۔ اس طرح بہت جلد وہ سانحہ پیش آ گیا جسے دین و دُنیا کی جُدائی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شاہانِ وقت نے یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ دین کا تعلق فقط عبادات سے ہے اور عبادات کا تعلق مساجد سے ہے۔ اس طرح ان کے محلات اور پُرشکوہ دربار دینِ مصطفوی کے کڑے احتساب سے ماورٰی ہیں۔ خلافت میں نیابتِ رسالت کا تصوّر ختم ہو گیا۔ بیت المال کو ذاتی ملکیت سمجھا جانے لگا۔ مُسلمانوں کی اجتماعی زندگی پارا پارا ہو کر رہ گئی۔

ایسے پُر آشوب عالم میں تصوّف کی تحریک پُورے روحانی جلال اور ایمانی شکوہ کے ساتھ اُبھری اور صُوفیائے کرام نے وہ شاندار کردار ادا کیا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ ان بندگانِ خدا نے ایک طرف خلقِ خدا کو بیدار کیا اور انہیں احساس دلایا کہ شریعت و سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم سے ہٹ کر ہم اجتماعی بربادی کو دعوت دے رہے ہیں۔ دوسری طرف انہوں نے شاہانِ وقت، کجکلاہانِ بدمست، سلاطین و خلفاء اور امراء کو ان کی مذہبی اور دینی ذمّہ داریوں کا احساس دلایا اور انہیں باور کرایا کہ وہ کسی لحاظ سے بھی عام انسانوں سے برتر نہیں ہیں بلکہ خلیفہ کے منصب پر فائز ہونے کی بناء پر وہ ہر لحاظ سے شریعتِ رسولؐ کے کڑے احتساب کی زد میں ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے دُکھی اور ملول انسان ان اصحابِ

Marfat.com

طریقت کی طرف لپکے اور ان کی تعلیمات میں اپنے دُکھوں کا مداوا تلاش کرنے لگے۔ اس دَور کی تواریخ اور ان بزرگوں کے حالات کے مطالعہ سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ یہ تصوّف اہلِ اسلام کو پھر اس زمانے کی طرف لے جانا چاہتا ہے جو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا زمانہ تھا اور جس زمانہ کی سعادتوں، برکات اور بلندیوں سے بڑھ کر کسی اور دَور کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ سیّدنا جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ[1] راہ تو وہی پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں سُنّتِ رسولؐ ہو اور وہ ان دو چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ نہ شبہے کے گڑھوں میں گرے، نہ بدعت کی تاریکی میں پھنسے۔"

اس دَور میں اہلِ تصوّف کی تحریک کو ناکام بنانے کے لیے بعض حلقوں کی طرف سے شدید مخالفت کی گئی۔ عُلمارِ سُو نے بطورِ خاص تصوّف کے مقام کو گرانے کے لیے اسے دُنیا سے فرار اور رہبانیت قرار دیا۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو صُوفیائے کرام خانقاہوں سے نِکل کر رسمِ شبّیری ادا نہ کرتے۔ مشہور مستشرق پروفیسر ایچ اے آر گِب کو بھی برملا اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ:

"تاریخِ[2] اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدّت سے مقابلہ کیا گیا ہے، لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ تصوّف یا صوفیار کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا اور اس کو اتنی قوّت و توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔"

صوفیائے کرام نے کس طرح خلقِ خدا کو عرفانِ خُدا بخشا اور حکمرانوں کو کس طور رعایا کے حقوق

---

[1] تذکرۃ الاولیار: ۸

[2] بحوالہ تاریخ مشائخ چشت، خلیق احمد نظامی: ۱۰

Marfat.com

کا ذمہ دار ہونے کا احساس دلایا ۔ اس کا اندازہ تاریخِ اسلام میں جگمگاتے ہوئے حقائق سے بخوبی کیا جا سکتا ہے ۔ ان محترم اور برگزیدہ بندگانِ خدا کے نزدیک فقط خدا اور رسولِ خدا کی حیثیت مسلّم تھی اور انہوں نے اپنی جان پر کھیل کر بھی عظمتِ اسلام اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے پرچم کو سرنگوں نہ ہونے دیا ۔

غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات تمام سلاسلِ طریقت کے نزدیک انتہائی مقدم ہے ۔ آپ کی حیثیت جملہ اولیاء میں وہی ہے جو ستاروں کے درمیان چاند کی ہوتی ہے ۔ آپ کے مواعظ میں طالبانِ حقیقت نہایت کثیر تعداد میں شریک ہوا کرتے تھے بعض اوقات یہ تعداد ستر ہزار تک پہنچ جاتی تھی ۔ عباسی خلفاء بھی کہ جن کی حکومت روز بروز وسیع سے وسیع تر ہو رہی تھی آپ کے مواعظ سے فیضیاب ہونے کے لیے ہجوم میں شامل ہوتے ۔ غوث الاعظمؒ کی نگاہ ان پر پڑ جاتی تو آپ کا لہجہ یکایک سخت ہو جاتا، آواز پہلے سے بلند ہو جاتی اور نہایت زوردار لہجے میں حکمرانوں کو ڈانٹتے ۔ عباسی خلفاء سنتے، دل پر اثر ہوتا، روتے روتے آپ سے اصلاح کے طالب ہوتے ۔ آپ کسی قسم کی مرعوبیت کے بغیر پُرجوش انداز کے ساتھ انہیں تنبیہہ فرماتے ۔ خلفاء اور اُمراء زر و جواہر اور جاگیروں کی صورت میں شاہی احکام آپ کے لنگر کے لیے بھیجتے تو آپ یہ کہتے ہوئے، ان شاہی فرمانوں کو چاک کر دیتے کہ لنگر خلقِ خُدا کا ہے، اور خدا ہی اس کے اسباب کا ضامن ہے ۔

سیدنا امام اعظم ابُو حنیفہؒ اور سیدنا امام احمد بن حنبلؒ کو خلفاء کی طرف سے مسلسل ستایا گیا اور ایذائیں دی گئیں ۔ ان کا قصور یہ تھا کہ یہ حکمرانوں کو احساس دلاتے تھے کہ وہ خدا کی عام سی مخلوق ہیں اور انہیں انصاف، ایمان اور سُنتِ مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن رہنا چاہیئے ۔ ورنہ وہ خُدا کے نزدیک انتہائی سخت سزا کے حقدار ہوں گے ۔

Marfat.com

مجدّد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے جب دیکھا کہ مغل تاجدار اکبر اور جہانگیر اسلامی شعائر سے کھیل رہے ہیں اور دینِ مصطفویؐ کی سرِ عام توہین ہو رہی ہے تو آپ میدانِ عمل میں اُتر آئے اور خانقاہ سے نکلے، وقت کے باجبروت شہنشاہوں سے ٹکر لی، حتیٰ کہ راہِ حق پر چلتے ہوئے قید و بند کی صعوبتوں سے بھی دوچار ہونا پڑا مگر کوئی سختی بھی آپ کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکی اور بالآخر شوکتِ اسلام کا پھر یرا چاروں طرف لہرا کر ہی رہا اور جلالِ بادشاہی کو درویشِ باصفا کے قدموں میں جھکنا ہی پڑا۔ جہانگیر کی مجدّد الفِ ثانیؒ کے حضور ندامت و شرمساری محض ایک بادشاہ کے اقتدار کی شکست نہ تھی بلکہ یہ اسلامی تعلیمات سے رُوگردانی کرنے اور " اَنَا وَ لَا غَیْرِی " کا جھوٹا نعرہ بلند کرنے والے باجبروت شاہانِ عالم کی اصحابِ تصوّف کے مقابلے میں شکستِ فاش تھی۔ علّامہ اقبالؒ نے اسی لیے مجدّد الفِ ثانیؒ کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے کہ ؎

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
ہے جس کے نفسِ گرم سے گرمیٔ احرار

حضرت میاں میر بالا پیر لاہوریؒ کی خدمت میں مغل شہنشاہ نورالدین جہانگیر اور شہاب الدین شاہجہان حاضر ہوتے رہے۔ ایک مرتبہ جہانگیر نے آپ کو بڑے اصرار سے اپنے ہاں بُلایا اور نصیحت کا طالب ہُوا۔ آپ نصیحتیں کر چکے تو وہ کہنے لگا: "آپ کچھ مانگیے، جو مانگیں گے دے دوں گا۔" آپ نے فرمایا کیا واقعی دے دو گے؟ اس نے کہا: "بسر و چشم۔" اس پر آپ نے فرمایا: "میری خواہش ہے کہ مجھے رخصت دے دے۔" یہ فرمایا اور لاہور واپس تشریف لے آئے۔ اسی طرح شاہجہان بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور آپ کے نصائح سے بہرہ ور ہوتا۔ علّامہ اقبالؒ " اسرارِ خودی " میں لکھتے ہیں کہ:

Marfat.com

"شاہجہان گولکنڈہ اور بیجا پور کی فتح کے لیے حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں لاہور برائے دُعا حاضر ہُوا۔ اس وقت آپ کے مریدین بھی وہاں موجود تھے۔ آپ نے اس موقع پر خاموشی اختیار کی۔ اتنے میں ایک مفلوک الحال شخص حاضر ہُوا جس نے ایک چاندی کا سکہ نذرانہ پیش کیا اور عرض کیا کہ "یا حضرت یہ میری حلال کی کمائی ہے۔" آپ نے فرمایا: مَیں بھکاری نہیں ہُوں غنی ہُوں۔ جس کا اللہ ہو وہ بھکاری نہیں ہوتا۔" پھر فرمایا کہ سکہ بادشاہ کی نذر کردو کہ وہ بھکاری ہے اور سارے ہندوستان کے خزانوں کا مالک ہونے کے باوجود حریص اور لالچی ہے اور ناحق مخلوقِ خدا کو قتل کرانا چاہتا ہے۔"

اِن اصحابِ تصوف کی اس حق گوئی اور صداقت کے پسِ پردہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کارفرما تھی کہ:

"سب سے بڑا جہاد جابر حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔"

جابر حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا اور ملوکیت کو آدابِ اسلام سکھلانا خود کو موت کے حوالے کر دینے کے مترادف ہوتا ہے، مگر یہ اولیائے کرام ہر آزمائش سے گزر کر سرخرو رہے۔ اُنھوں نے فقر کو اپنا ملبوسِ حیات بنایا اور کبھی دُنیاوی آلائشوں اور مادّی مصلحتوں کی پروا نہ کی۔ بادشاہوں کو اپنے جبر و تشدد پر ناز تھا جبکہ اہل اللہ کو اپنی بوریانشینی عزیز تھی۔ یہ جانتے تھے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر کو اپنا افتخار قرار دیا ہے۔

داتا گنج بخش سیّدنا علی ہجویریؒ فقر کے مقام و مرتبہ پر روشنی ڈالتے ہُوئے فرماتے ہیں:

"فقیر[1] وہی ہے جو اپنے پاس علل و اسباب سے کچھ نہ رکھے اور اس کے

---

[1] کشف المحجوب: سیّدنا علی بن عثمان ہجویری۔ ترجمہ، ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری ص۹۶
ناشر: اسلامک بُک فاؤنڈیشن، لاہور

Marfat.com

طمانیتِ قلب میں اسکے نہ ہونے سے کچھ خلل واقع نہ ہو اور اسباب کو دیکھ کر غنی نہ ہو اور اسباب نہ ہوں تو ان کی طرف احتیاج محسوس نہ کرے۔ گویا اسباب کا ہونا نہ ہونا اس کی نظر میں مساوی ہو، بلکہ اسباب ظاہری نہ ہوں تو اسے فرحت زیادہ ہو۔ یہ بلند مرتبہ ہے، یہی وجہ ہے کہ مشائخ کرام نے فرمایا کہ درویش جس قدر تنگ دست ہو اس کے لیے مفید ہے، تاکہ حقیقتِ توکل و شانِ رزّاق کے راز کا اس پر انکشاف ہو، اس لیے کہ درویش کے لیے علائق دُنیاوی جس قدر زیادہ ہوں گے اسی قدر اس کو نقصان ہوگا، غرضیکہ محبوبانِ الٰہی کی زندگی محض الطافِ خفی اور اسرارِ بے نیازی کے ساتھ وابستہ رہنا ہی بہتر و افضل ہے۔ [1]

اہلِ تصوّف نے فقر کی عظمتوں کو یوں دل و جان میں جگہ دی کہ شہنشاہی رعب، امرا کی پیشکشوں اور اہلِ دول کے تحائف سے بے نیاز ہو گئے۔ علاّمہ اقبالؒ نے اسی کیفیتِ فقر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ :

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

اہلِ تصوّف اپنی متاعِ فقر کو کس قدر عزیز رکھتے ہیں، اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ جب محمود غزنوی فتحِ ہندوستان کے دوران مسلسل کشور کشائی کرتا اور نصرت و کامیابی کے پرچم لہراتا آگے بڑھ رہا تھا، تو ایک سخت مقابلے سے پہلے اُسے کچھ گھبراہٹ سی محسوس ہوئی۔ وہ ایک مستجاب الدعوات ولی اللہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں دُعا کے لیے حاضر ہوا۔ حضرت نے دُعا بھی فرمائی اور اپنا کرتا بھی عنایت فرمایا کہ جب وقت مشکل آئے تو اس کُرتے کے حوالے سے دُعا کرنا۔ سُلطان محمود نے اشرفیوں کی ایک بڑی تھیلی حضرت کی خدمت میں پیش

Marfat.com

کی۔ حضرت نے لینے سے انکار کر دیا۔ جب سلطان نے شدید اصرار کیا تو آپ نے اپنے پاس پڑی ہوئی سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا سلطان کو دیا اور کہا کہ اسے کھا لو۔ سلطان نے وہ ٹکڑا منہ میں ڈالا۔ چبانے اور نگلنے کی کوشش کی مگر وہ سوکھا ٹکڑا نہ چبایا جا سکا۔ کافی دیر اسی کشمکش میں گزر گئی۔ ٹکڑا چبایا نہیں جاتا تھا اور وہ ادب کے مارے تھوک بھی نہیں سکتا تھا۔ سلطان کا یہ حال دیکھ کر شیخ ابوالحسن خرقانیؒ فرمانے لگے:

"اے سلطان! جس طرح یہ ٹکڑا کوشش کے باوجود تمہارے حلق سے نیچے نہیں اترتا اسی طرح ہم درویشوں کے لیے مالِ شاہی برداشت کرنا محال ہو جاتا ہے۔ یہ زر و مال رعایا کا حق ہے اسی پر خرچ کرو۔"

اسی طرح ایک مرتبہ ایک حاجت مند حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اور اس وقت کے سلطان کے نام سفارشی چٹھی مانگی۔ وہ سلطان حضرت بابا صاحب سے عقیدت رکھتا تھا۔ بابا صاحب نے حاجت مند کو پہلے تو ٹالا مگر جب وہ نہ مانا تو اس مفہوم کی چٹھی سلطان کے نام لکھی کہ:

"اے سلطان! یہ ضرورت مند ہے۔ اگر تُو اس کا کام نہیں کرے گا تو خُدا کے ہاں جواب دہ ہوگا اور اس کام کو کر دے گا تو اس کا انجام دیا جانا منجانب اللہ ہوگا۔"

گویا اس عبارت کے ذریعے آپ نے سلطان کو باور کرا دیا کہ خلقِ خدا کے کام آنا اس کا اوّلین فرض ہے۔ ان صوفیاء کا عمل ان کے صدق و خلوص کا آئینہ دار تھا اور ان کے الفاظ تقدیرِ خداوندی میں ڈھل کر دلوں میں اتر کرتے تھے۔ سچ ہے کہ

؎ نے تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

Marfat.com

آج جب ہم اطراف و اکنافِ عالم میں تبلیغِ اسلام کا اندازہ لگاتے ہیں تو بے اختیار ماننا پڑتا ہے کہ اسلام کی دُنیا بھر میں تبلیغ و اشاعت کا فریضہ سب سے زیادہ صُوفیاءؒ نے ہی انجام دیا ہے۔ مسلمان سپہ سالاروں اور فاتحینِ اسلام کی کاوشیں بھی لائقِ صد تحسین ہیں، مگر ان فاتحین کی حیثیت آندھی اور طوفان کی سی تھی کہ جس کی آمد تو انتہائی شدّت کی ہوتی ہے مگر وہ بہت جلد اپنے اثرات چھوڑ کر رخصت ہو جاتی ہے۔ ان مسلم فاتحین کے مقابلے میں یہ صُوفیا کسی خلیفہ یا سلطان کے پابند نہ تھے۔ یہ تو فقط رضائے الٰہی کی خاطر دینِ مصطفویؐ کی تبلیغ کے لیے نکلے تھے۔ یہ جہاں گئے وہاں اُنھوں نے مستقل بسیرا کر لیا۔ عوام کے دل جیتے، ان کے ذہنوں کو اپنے کردار سے تسخیر کیا۔ قال اللہ اور قال الرسول کی مقدّس محافل جمائیں، عوام کے فکر و عمل کو اپنی محبتِ بیکراں کی خوشبو بخشی۔ یہ ان کے بے مثال کردار کا کمال تھا کہ جو ایک بار ان کی محفل میں آیا وہ ہمیشہ کے لیے ان کا ہو کر رہ گیا۔

تصوّف کو اسلام اور شریعتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم سے علیحدہ کرنے کے لیے اعتراض کیا جاتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دَور میں صُوفیا کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔ اسکے جواب میں مشہور صُوفی بزرگ شیخ ابونصر سراجؒ کی یہ رائے خاص اہمیّت کی حامل ہے:

"ہم اللہ کی توفیق سے یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت سے مشرف ہونے کی ایک اپنی عزّت اور خصوصیّت ہے اور جن نفوسِ قُدسیہ کو یہ سعادت حاصل رہی انہیں صحابی کے نام سے ہٹ کر کسی اور نام سے موسوم کرنا تو کسی طرح بھی مناسب نہیں اور کیا آپ پر عیاں نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زاہدوں، عابدوں، اللہ پر توکّل کرنے

ؔ کتابُ اللمع از شیخ ابونصر سراج، ترجمہ: سیّد اسرار بخاری۔ ص ۵۳
اسلامک بک فاؤنڈیشن۔ لاہور

Marfat.com

والوں، فقراء، مجاہدۂ نفس کرنے والوں اور صابروں کے امام تھے اور اُنہوں نے جو مقامِ بلند مقامِ صحابیت حاصل کیا وہ سرکار رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت ہی کا اثر تھا، اس لحاظ سے صحابیِ رسول ہونا خود سب اعمال سے بڑھ کر ہے اور اس سے بڑی کوئی فضیلت نہیں، اور ایسی صُورت میں صحابیٔ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کسی اور نام سے یاد کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ اسی بنار پر صحابی کو صُوفی کے نام سے نہیں موسوم کیا گیا۔"

اِس کے بعد مصنّف نے خواجہ حسن بصریؒ کی روایت سے کہ جنہوں نے بعض صحابہؓ کا زمانہ پایا تھا، یہ درج کیا ہے کہ اُنہوں نے طواف کعبہ کرنے والے صوفیوں کو دیکھا ہے جو مال و زر سے مستغنی تھے۔

ایک ایک درویش اور متوکّل علی اللہ صُوفی کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کریں، تو حیرت ہوتی ہے کہ اُنہوں نے اس قدر کثیر تعداد میں مُسلمانوں کی جمعیت کیسے پیدا کرلی۔ غوث الاعظم سیّدنا عبدالقادر جیلانی کے دستِ حق پرست پر ہر جمعہ کو سینکڑوں کفار حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے تھے۔ سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ تاریخی صداقت موجود ہے کہ آپ نے نوّے لاکھ کافروں کو مسلمان کیا۔ اسی طرح خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ، حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاءؒ۔ مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ سمیت بے شمار صوفیائے اسلام کی مبلّغانہ کاوشوں کا ہر سطح پر اعتراف کیا جاتا ہے۔ داتا گنج بخش سیّد علی ہجویریؒ نے لاہور کو مرکز بنا کر جس طرح پنجاب کو شمعِ اسلام کی روشنی سے منوّر کرکے بے شمار غیر مسلموں کو توحید کے دامن میں آباد کر دیا وہ اپنی جگہ ایک مکمّل ایمان آفرین حقیقت ہے۔ دوسرے ممالک اور علاقوں کی طرح برِّصغیر پاک و ہند میں اسلام بالخصوص اولیاء اللہ کی تعلیمات

Marfat.com

کی بدولت پھیلا ہے۔ یہ صوفیائے کرام طویل مواعظ اور طولانی تقاریر سے کام نہیں لیتے تھے، بلکہ ان کی اصل قوت ظاہر و باطن کی یکسانیت تھی۔ ان کی نگاہ اتنی کیمیا اثر ہوتی کہ جس پر پڑ جاتی اسے توحید کے عملی تقاضوں سے آگاہ کر دیتی۔ صوفی کی اس صفتِ خاص کے بارے میں حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویریؒ حضرت ذوالنون مصریؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"صوفی[1] وہ ہے جب کلام کرے تو اس کا کلام اس کے حال کی حقیقت کا مظہر ہو اور کوئی ایسی بات نہ کہے جو اس میں نہ ہو اور جب وہ خاموش رہے تو اس کی خاموشی اسکے حال کی ترجمان ہو، اور علائقِ دنیاوی سے بے تعلقی کا ثبوت اس کے اعضاء سے واضح ہو۔ گویا گفتارِ صوفی اسکے حسبِ حال ہو۔ اور کردارِ صوفی میں شانِ تجرید اس قدر ہو کہ قطع دنیا واضح نظر آئے۔ غرضیکہ اگر وہ کلام کرے تو ایسا کہ سب اس پر صحیح اترے اور سچ نظر آئے اور خاموش رہے تو خاموشی سے اس کے فقر کی ادائیں نظر آئیں۔"

صوفیائے کرام کے نزدیک فقر کی کیا اہمیت ہے اس کا اندازہ حضرت ابراہیم احمد خواص علیہ الرحمۃ کے اس قول سے ہوتا ہے:

"فقر[2] عزت کا لباس، انبیاء علیہم السلام کا پہناوا، صالحین کا پیراہن، متقین کا تاج، مومنین کا جمال، عارفین کا سرمایہ، مریدین کی آرزو، اطاعت گزاروں کا قلعہ، گنہگاروں کا زنداں، گناہوں کا مٹانے والا، نیکیوں کو بڑھانے والا، درجات بلند کرنے والا، منزل تک پہنچانے والا، اللہ کی خوشنودی کا باعث اور بندوں کی عزت کا باعث ہے۔"

---

[1] کشف المحجوب، تصنیف ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویریؒ۔ مترجم: ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، ص ۱۲۱۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن۔ لاہور [2] کتاب اللمع از شیخ ابونصر سراج۔ مترجم: سید اسرار بخاری، ص ۱۸۴ اسلامک بک فاؤنڈیشن۔ لاہور

Marfat.com

اس قولِ حسین کے پسِ پردہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک جلوہ گر نظر آتا ہے:

"بندے کے لیے فقر کے گہنے سے بڑھ کر کوئی خوبصورت گہنا نہیں۔"

جب کوئی صاحبِ ایمان تصوّف کے کٹھن مراحل سے گزر کر بارگاہِ خداوندی میں مقبول ٹھہرتا ہے تو پھر اس کی زندگی اہلِ کائنات کے لیے نمونۂ عمل بن جاتی ہے۔ وہ ہمہ تن رضائے الٰہی میں فنا ہو جاتا ہے اور کوئی ایسا فعل انجام نہیں دیتا جو خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے منافی ہو۔ جُوں جُوں اس کے روحانی مراتب و مدارج میں اضافہ ہوتا ہے اس کا سر بارگاہِ ایزدی میں فرطِ امتنان و تشکر سے ہمہ وقت جھکے رہنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ وہ خُدا کے انعامات کو اپنی عبادات کا صلہ نہیں، بلکہ خُدا کی عطائے خاص سمجھتا ہے۔ حضرت ذوالنّون مصری علیہ الرحمۃ کہتے ہیں:

"عارف[1] کی تین نمایاں خصوصیات ہیں: پہلی یہ ہے کہ اس کے سینے میں جب شمعِ معرفت فروزاں ہوتی ہے تو وہ پرہیزگاری کے چراغ کو بجھا نہیں دیتی۔ دوسری یہ کہ وہ کسی ایسے باطنی علم کا قائل نہیں ہوتا جو اسے ظاہری احکامِ شریعت کی پابندی سے روکے اور تیسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات و اکرامات کی کثرت اسے حرام چیزوں کے قریب بھی نہیں جانے دیتی۔"

اہلِ تصوّف کو ہم جس نام سے چاہے پکاریں، عارفِ خدا کہیں یا زاہدِ بے ریا، مومنِ باصفا کہیں یا فقیرِ گردوں نوا، یہ حقیقت بہرحال واضح ہے کہ ان کا منتہا و مقصود فقط خوشنودئ خدا اور رسول ہے اور وہ اس حقیقت سے بجا طور پر بہرہ ور ہیں کہ اس خوشنودی کا حصول قرآن و سنّت کے احکامات کی بجا آوری کے بغیر ممکن نہیں۔ انہوں نے تعمیلِ قرآن و سنّت کو عملی طور پر یوں سچ کر دکھایا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انعامات و اکرامات نے زندگی

---

[1] کتاب اللمع از شیخ ابونصر سراج، ص ۷۵

کے مظہر بن گئے۔ اور ان کی بدولت ہر ممکن رُوحانی و باطنی سربلندیوں کا ظہور اس طرح ہوا کہ چشم ہستی حیران رہ گئی۔ کردار اور گفتار میں اللہ کی بُرہان بن کر اُنھوں نے گمراہ بندگانِ خدا کو عرفانِ ذاتِ خدا عطا کر دیا۔ ؎

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کِردار میں اللہ کی بُرھان
فطرت کے مقاصد کا عیار اسکے ارادے
دُنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان

تصوّف ایک اصطلاح ہی نہیں، ایک تحریک بھی ہے جو صدیوں سے زنگ آلود ذہنوں کو رُوح کی بالیدگی عطا کر رہی ہے لیکن کوئی تحریک کتنی اچھی کیوں نہ ہو بہ تمام وکمال وقت کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ تصوّف کی دُنیا میں بعض ایسے لوگ گھس آئے ہیں جنھوں نے شریعت اور طریقت میں تفریق پیدا کرنا شروع کر دی، دُنیا سے فرار اور گریز کو مذہب کا نام دے دیا اور مجاز پرستی کے پردے میں تلاشِ حقیقت کے فسانے تراشنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ نِکلا کہ تصوّف کی مقبولیت میں کمی واقع ہونے لگی۔ اور بعض حضرات نے تصوّف کو اسلام کے خلاف ایک سازش کا نام دے دیا۔ بعض نے تصوّف کی اقسام گنوانا شروع کر دیں۔ حالانکہ ان اقسام کا تصوّف سے دُور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ اکابر صُوفیائے نے اپنے اپنے دَور میں تصوّف کی پاکیزگی کو مجروح کرنے والی برائیوں کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ آخری دَور میں حضرت مجدّد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمہم اللہ کی مساعی اسی نوعیت کی ہیں۔ بلند فکر اصحابِ تصوّف نے واضح کیا جو تصوّفِ شریعت سے ہٹ کر ہو اس کا رُوحانیت یا تزکیۂ نفس سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ عین گمراہی ہے اور ایسے صُوفیاء بہروپیے ہیں۔ ولیٔ کامل شیخ شہاب الدین سہروردیؒ رقمطراز ہیں

"کچھ فتنہ کے مارے ہوؤں نے صُوفیوں کا لباس پہن لیا ہے کہ صُوفی کہلائیں

Marfat.com

حالانکہ ان کو صوفیاء سے کچھ علاقہ نہیں، بلکہ وہ غرورِ غلط میں مبتلا ہیں۔ بکتے ہیں کہ ان کے دل خالص خدا کی طرف مبتلا ہو گئے اور یہی مراد کو پہنچ جانا ہے اور رسومِ شریعت کی پابندی عوام کا مرتبہ ہے۔ ان کا یہ قول خالص الحاد اور زندقہ ہے، اس لیے کہ جس حقیقت کو شریعت رد کرے، وہ حقیقت نہیں بے دینی ہے"[1]

حضرت شیخ کے قول سے معلوم ہوا کہ تصوّف کے نام پر دھبہ لگانے والے نام نہاد صوفی ان کے دور میں بھی تھے، جو تصوّف کی پذیرائی اور طالبانِ شوق کے غیر معمولی رجوع کو دیکھ کر اپنی دکانداری چمکانے لگ گئے لیکن ان بہروپ بدلنے والے جھوٹے صوفیوں کی تمام تر منافقانہ سرگرمیوں کے باوجود بھی عوام کا تصوّف پر اعتماد بحال رہا۔ اس کی وجہ باکمال صوفیا کا کثرت سے موجود ہونا تھا۔ حقیقی اور بے ریا صوفیاء کی تعلیمات مہرِ تاباں کی صورت روشن تھیں اور فتنہ باز صوفی تصوّف کی عظمت میں معمولی سی کمی بھی نہیں کر سکے تھے۔ اس حقیقت کی روشنی میں آج جب ہم عصرِ حاضر کی طرف دیکھتے ہیں، تو ہمیں بہت سے ایسے غلط عناصر بھی نظر آجاتے ہیں جو خلقِ خدا کو گمراہی کی طرف لے جارہے ہیں لیکن جس طرح ماضی کے نقلی صوفیوں کی غلط روش کے باوجود تصوّف کا سورج گہنایا نہیں جا سکا تھا۔ اسی طرح آج بھی تصوّف خلقِ خدا کو آمادۂ عمل کرنے کیلیے موجود ہے اور ہم جھوٹے صوفیوں کی غلط فکر کا موردِ الزام دین کی خدمت بجالانے والے حقیقی صوفیاء کو نہیں ٹھہرا سکتے۔

صوفیاء کی حیثیت روشنی کے مینارۂ عمل کی ہے کہ جس سے پھوٹنے والی کرنیں اہلِ نظر کو اسلامی ضابطۂ حیات کے لیے عملی جدوجہد کا جذبہ عطا کرتی ہیں۔ اسلام کی جو پاکیزہ تعلیمات کتابوں میں درج ہیں اور مدارسِ دینیہ میں پڑھائی جاتی ہیں، صوفیاء

---

[1] عوارف المعارف۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، مطبوعہ نفیس اکیڈمی۔ لاہور

Marfat.com

نے اپنی خانقاہوں میں ان پر عمل کر کے دکھا دیا۔ انہوں نے ہر زمانے میں تبلیغ اور تعمیر سیرت کا مقدس فریضہ انجام دیتے ہوئے اسلام کے اخلاقی اور رُوحانی نظام کو زندہ رکھا۔ باطنی اصلاح اور قلبی طہارت کا درس دے کر غیر اسلامی عقائد شرک اور بدعت کی بیخ کنی کی۔ اس دَور میں جبکہ مسلمان علماء عقلیت پسندی کے نام پر قرآنی تعلیمات کو عقل کی میزان پر تول رہے تھے، اُنہوں نے محبتِ الٰہی اور عشقِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا عملی درس دے کر عقلیت کے مضر اثرات کا ازالہ کیا۔ جب معتزلہ، فقہا اور متکلمین منطقی بحثوں میں اُلجھے ہُوئے تھے اور اُمّت کو فرقوں میں تقسیم کر رہے تھے، اِن صوفیاء نے مسلمانوں کو توحید اور پیروی سُنّتِ محبوبِ خدا کا پیغام دے کر ایک مرکز پر جمع کر دیا۔ انہوں نے ہر قسم کی ترغیبات، مصالح، اور حرص و ہوس سے دامن بچا کر دربارِ شاہی میں حاضری اور شہنشاہوں کی قُربت سے خود کو بچائے رکھا اور بادشاہوں کے سامنے علی الاعلان کلمۂ حق کہتے ہُوئے عوام النّاس اور مقرّبینِ دربار کو ملوکیت کے مفاسد سے آگاہ کرتے رہے۔ جب علماء بادشاہوں کو خوش کرنے کے لیے اسلام کو ان کی مرضی کے تابع بنانے کے لیے من مانی تاویلات پیش کرنے میں مصروف تھے تو اس کڑے وقت میں ان صوفیائے کرام نے بادشاہوں کو خوفِ خدا کا درس دیا اور علمائے سُوء کو سمجھایا کہ چند روزہ دُنیا میں دولت کمانے کے لیے کیوں دولتِ ایمان کو سستے داموں لٹا رہے ہو۔ اس تمام عمل کے ساتھ ساتھ انہوں نے جھُوٹے صُوفیوں اور نقلی زاہدوں کی قلعی کھول دی جو ان حقیقی صوفیا کی غیر معمولی پذیرائی سے فائدہ اٹھانے کے لیے وقت کی منڈی میں نئے نئے نظریات پیش کر کے اسلامی تصوّف کے تقدّس کو پارا پارا کر رہے تھے۔

اس مقصد کی خاطر ان صوفیائے کرام نے عوام میں دین کا گہرا شعور اور شریعت کی پاسداری کا وافر جذبہ پیدا کیا اور کھُلے ذہن کے ساتھ تصوّف میں دَر آنے والی خرافات کی تردید کی اور اجل صُوفیاء کے حوالے سے تصوّف کی صحیح تصویر پیش کی۔ دُنیائے اسلام

Marfat.com

کی محترم علمی و رُوحانی شخصیت حضرت شیخ عبدالحقؒ محدّث دہلوی نے صاف طور پر اظہار کردیا کہ :

"ہماری[1] طریقت کی بُنیادیں کتاب وسُنّت پر ہیں۔ جو ان کی مخالفت کرتا ہے ہمارے نزدیک وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور ہم اسے منکرِ احکام رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم جانتے ہیں۔ اگر ذکرِ الٰہی، نماز، تلاوتِ قرآن پاکیزہ حضوریٔ قلب اور خشوع وخضوع حاصل ہو تو فتح الباب کی اُمید رکھنی چاہیئے اگر یہ چیزیں حاصل نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ جو شخص قرآن و حدیث پر غور نہیں کرتا اور علماء وفقہا کی صحبت سے دُور رہتا ہے، وہ بے ادب ہے اور تباہ ہوگا۔"

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :

"جو صوفی[2] شریعت اور طریقت میں فرق کرے وہ صُوفی نہیں، بلکہ فرقہ باطنیہ سے تعلّق رکھتا ہے۔"

اور پھر اس کی وضاحت کرتے ہُوئے فرماتے ہیں :

"یہ[3] خیال بڑا ہی ناپختہ ہے کہ ہم طریقِ تصوّف کو شریعت اور قرآن وسُنّت کے مخالف سمجھنے لگیں۔ حاشا وکلّا ان دونوں چیزوں میں کوئی مغایرت یا اختلاف نہیں۔

حضرت الشیخ کے اس قولِ مبارک کے بعد اس الزام میں کوئی حقیقت نہیں رہتی کہ صُوفیائے کرام طریقت اور شریعت میں امتیاز روا رکھتے تھے اور ان خانقاہوں میں شریعت کے فکری اور عملی تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ

---

[1] ماخوذ از مرج البحرین: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، ترجمہ: پیرزادہ اقبال احمد فارُوقی، مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور۔ [2] اسلامی تصوّف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش ص۱۲۴ مطبوعہ انجمن خدام القرآن لاہور
[3] مرج البحرین: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ترجمہ: پیرزادہ اقبال احمد فارُوقی

Marfat.com

تصوّف جہاں مذہب کی روح، اخلاق کی جان اور ایمان کا حُسن ہے وہاں اس کی بنیاد شریعتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم ہے اور اس کا سرچشمہ قرآن مجید اور حدیثِ قدسی ہے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ جب کوئی تحریک اپنے برگ و بار پھیلاتی ہوئی زمانے بھر میں اپنا تشخص قائم کر لیتی ہے تو پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس تحریک میں ایسے عناصر داخل ہو جاتے ہیں جو بنیادی طور پر اس تحریک کا حصّہ نہیں ہوتے۔ ان عناصر کی بدولت تحریک ان رہنما اصولوں سے کسی قدر ہٹتی ہُوئی معلوم ہوتی ہے جن کو دل میں بسا کر اس تحریک نے فروغ حاصل کیا ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک ایسا بھی وقت آیا کہ اہلِ تصوّف اپنے بنیادی اصولوں سے پہلوتہی کرتے ہوئے غلط مباحث میں اُلجھ گئے۔ بعض اوقات ایسا معلوم ہُوا کہ ان اہلِ تصوّف پر جلالِ بادشاہی غالب آگیا ہو۔ اُنھوں نے اپنا سارا زور اس امر پر صَرف کیا کہ دُنیا دار المحن ہے اور اس سے فرار بہتر ہے۔ درویش کے لیے مُناسب یہی ہے کہ یہ بادشاہوں اور اُمراء کو ان کے حال پر چھوڑ کر کسی خلوت کدے کو بسا کر اللہ کی یاد میں محو ہو جائے۔ یہ فکر مکمل طور پر تصوّف کی بُنیادی رُوح کے منافی تھی۔ اس لیے سُنّتِ مصطفوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو عملی طور پر اپنانے والے سربلند نفوس نے اس غلط فکر کے خلاف جہاد کیا۔ عوام کے اندر یہ شعور پیدا کیا کہ جو فکر ہمیں جادۂ مُصطفےٰ علیہ التحیتہ والثناء سے دُور لے جائے وہ فکر باطل ہے۔ اِن حق پرست صُوفیا نے عوام النّاس اور باجروت شہنشاہوں کو یکساں طور پر فرائض و حقوق کا احساس دلا کر تاریخ کو یہ باور کرا دیا کہ ہر دَور کی آبرو انھی اہلِ نظر سے وابستہ ہے۔

کائناتِ ارضی کے ہر گوشے اور خطّے میں ان صُوفیائے عظام کے فیوض و برکات کے چشمے اُبل رہے ہیں۔ اس مردِ کامل کی عظمت کا تصوّر کیجیے جو غوثیت

کے نشے میں بدمست سلاطین کو خبردار کرتا ہے کہ تم اپنے افعال اور اعمال کے لیے قادرِ مُطلق کو جواب دہ ہو اور تم سے مظلوموں اور بیکسوں کے ایک ایک آنسو کا جواب لیا جائے گا۔ بے کس و مقہور انسان تمہاری نسبت ربِ کائنات کے کہیں زیادہ قریب ہے ۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن
اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

بادشاہوں نے ان مردانِ عظمت کو ڈرانا چاہا اپنی قوّتِ بے پناہ سے، خریدنا چاہا دامِ حرص و آز پھیلا کر، مطمئن کرنا چاہا درباری علماء سے مناظرے کروا کر، انہیں ہمنوا بنانا چاہا ان کی خانقاہوں کے لیئے "اعترافِ عظمت" کے نام پر نذرانے اور جاگیریں بخش کر، ہراساں کرنا چاہا دار و رسن کی آزمائش کا حوالہ دے کر۔ مگر وہ درویشِ حق آگاہ کہ جس کی نگاہوں میں جمالِ خداوندی بس رہا ہو اور جس کے دل میں محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا چراغ روشن ہو، وہ تحریص و ترغیب، حرص و ہوس، ڈر اور خوف اور غیر اللہ کے رُعب کو کیا جانے۔ اس درویش نے ہر آزمائش کو حقیقتِ منتظر کا پیغام جانا اور ہر صعوبت کو راہِ استقامت پر چلنے کا اعزاز سمجھ کر سینے سے لگا کر ہر مصیبت کو مسکراتے ہوئے برداشت کر لیا، مگر تصوّف کے اسلامی اور روحانی تشخص کو لحظہ بھر کے لیے بھی پامال نہ ہونے دیا۔ قُدرتِ کاملہ سے جب جلالِ بادشاہی درویش کے قدموں تلے جُھک گیا، تو یہ درویش اسلامی ریاست میں خلقِ خدا کی گردنوں سے جابر و قاہر بادشاہوں کی غلامی کا طوق اُتار کر اور بادشاہوں کو خلفائے راشدین کے عدل و انصاف کے سرچشمے سے فیضیاب ہونے کی تلقین کر کے پھر اپنے حجرہ میں واپس لوٹ گیا اور اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ

ہوا ہے گو تُند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

عالمِ اسلام میں جب بھی کوئی خلافِ اسلام تحریک اُٹھی، کوئی خلافِ ایمان فِرقہ وجود میں آیا یا اسلام اور تعلیماتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم کی خلاف وَرزی کرتے ہُوئے کوئی نیا نظریہ روشناس کرایا گیا تو تصوّف نے پُوری قوّت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ اموی اور عباسی خلافت ہو یا فاطمی دَورِ حکومت، سلطنتِ عثمانیہ ہو یا برِصغیر پاک و ہند میں مغل دورِ حکومت، اہلِ تصوّف نے اندیشۂ سُود وزیاں سے بے نیاز ہو کر عقائد کی اصلاح، باطل رسوم ورواج کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ کفر کے ظلمت کدوں میں اسلام کی شمع روشن رکھنے کا مقدّس مشن جاری رکھا۔

اہلِ تصوّف کا مقصدِ اولی تبلیغِ اسلام ہے جسے اُنہوں نے کبھی بھی فراموش نہیں کیا۔ تاریخِ تصوّف پر طائرانہ نظر ڈالتے ہی احساس ہونے لگتا ہے کہ صُوفیاء نے تبلیغِ اسلام کی خاطر اپنے علاقوں کو چھوڑا، دُور دراز کے سفر اختیار کیے۔ موسم اور سفر کے مصائب اُٹھائے۔ کفّار کی سازشوں کا مقابلہ کیا۔ تائیدِ ایزدی کے سہارے بہ مسلسل آگے بڑھتے رہے اور بالآخر کامیاب و کامران رہے۔ داتا گنج بخش سیّد علی ہجویریؒ غزنی سے چلے اور بالآخر لاہور میں مقیم ہُوئے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ نہایت طویل سفر طے کر کے اجمیر میں آ ٹھہرے۔ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر نے آخر کار اجودھن کو اپنا مستقر بنایا، تو انکے پاک قدموں کی برکت سے پاکپتن کے نام سے شہرتِ عام حاصل کر گیا۔ بیشمار صوفیاء ہیں کہ جنہوں نے اشاعتِ اسلام کی خاطر معروف شہروں اور علاقوں کو چھوڑا، اور نہایت غیر آباد اور غیر معروف علاقوں میں اپنا تبلیغی مرکز بنایا۔ اس ضمن میں اُنہوں نے فقط یہی ترجیح مدِّ نظر رکھی کہ جہاں یہ مقیم ہو رہے ہیں وہ جگہ کُفر و شرک کا مرکز ہو تاکہ وہاں پُوری شدّتِ اسلامی کے ساتھ انوارِ اسلام پھیلائے جا سکیں۔ کیونکہ جس خطّۂ زمین

Marfat.com

ہیں ظلمتوں کا راج ہو، روشنی کی سب سے زیادہ ضرورت بھی وہیں محسوس کی جاتی ہے۔ قدرت کی طرف سے منشائے نبوّت بھی یہی ہے۔ اِس مقصد کی خاطر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کو مظہرِ انوارِ خدا بنا کر اس جگہ مبعوث فرمایا گیا تھا جو دُنیا بھر میں کفر و شرک اور گمراہی و ضلالت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ صُوفیائے کرام بھی اسوۂ رسُول کی تقلید میں ایسے مقامات کا رُخ کرتے ہیں جہاں باطل اپنی پوری قوت کے ساتھ کار فرما ہو۔ اِن صُوفیائے کرام کے قدموں کی برکت اور رُوحانی فیوض کی بدولت گمراہی و ضلالت کے مرکز رُشد و ہدایت کا مخزن بن جاتے ہیں۔ کفر و شرک سے بسی ہُوئی فضائیں نغمۂ توحید سے مخمور ہو جاتی ہیں۔ بتوں کے ماننے والے خدائے واحد کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، ویرانے بسنے لگتے ہیں، اُجڑے ہُوئے حرماں نصیب دل زندگی کی حرارت سے بھر پور ہو جاتے ہیں۔ ان کی روشن کی ہُوئی شمعِ توحید جب پُوری تب و تاب سے بھڑکتی ہے تو دُور دُور سے آنے والے طالبانِ شوق پروانہ وار اس پر تصدّق ہوتے ہیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دل بھی بسنے لگتے ہیں اور ویران علاقے بھی آبادی کا نقشہ پیش کرنے لگتے ہیں۔ بقول اقبالؒ ؎

حُسنِ بے پروا کو اپنی بے حجابی کے لیے
ہوں اگر شہروں سے بَن پیارے تو شہر اچھے کہ بَن

ان مردان کار کا اسلحہ تیر و سنان نہیں بلکہ خُلقِ عالمگیر ہے جس کے بل پر وہ قلوب اہلِ عالم کو تسخیر کرتے ہیں۔ فقر ان کی زرہ ہے، تو سچائی ان کے لیے شمشیر کا کام دیتی ہے۔ ان کی جاں نواز مسکراہٹ ان کا ترکش ہے، جس میں موجود دُعاؤں کے تیر قضا و قدر کی آن بن کر تشنگانِ مئے شوق کے دلوں میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ قناعت ان کا آسرا اور توکّل ان کا سرمایہ ہے۔ بوریا نشینی ان کے لیے تختِ شہی اور خرقہ پوشی ملبوسِ سُلطانی ہے۔ یہ مشکلات میں مسکراتے اور جفاؤں کو دادِ وفا سمجھ کر سینے سے

Marfat.com

لگاتے ہیں۔ ان کی سادگی رشکِ قیصری ہے تو بے ریائی جمالِ آگہی۔ اِس شوکتِ عِلم وعمل کو دامن میں لیے جب یہ اصحابِ تصوّف اعلائے کلمۃ الحق کرتے ہیں تو زمانہ ان کے قدموں پر سر بھی جھکاتا ہے اور دل بھی یہیں پر ذوقِ یقین کی سربلندی اور پختگی کا احساس ہوتا ہے۔ اقبالؒ کے اشعار میں ان مردانِ حق کی عظمت ملاحظہ کیجیے:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت پادشاہی عِلمِ اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اِک نکتۂ ایماں کی تفسیریں

تصوّف بندے کو خدا تک پہنچانے کا نام ہے۔ اس کا مقصود ایک ایسی زندگی ہے جو خُدا اور سُنّتِ رسُولؐ کی اِتّباع میں بسر ہو۔ اس میں مدارج یا مراتب نہیں ہوتے بلکہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کے مصداق جو صاحبِ ایمان زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو جاتا ہے، وہی خُدا کے نزدیک زیادہ سربلند اور افضل ہے۔ جب تصوّف کا دائرہ پھیل گیا تو بعض صُوفیا نے اس کے مدارج اور مراتب مقرر کر دیئے۔ حالانکہ تصوّف، عبادت و ریاضت اور زُہد و تقویٰ کے مسلسل عمل کا نام ہے اور انسان اس راہ میں جُوں جُوں آگے بڑھتا جاتا ہے خدا کی رحمتوں اور عنایات کا حقدار بنتا جاتا ہے۔ تصوّف کسی درسگاہ کے مقرر کردہ نصاب کے مطابق نہیں ہے کہ جس جماعت میں چاہا داخلہ لے لیا۔ اور مقررہ نصاب پڑھ کر سندِ فضیلت حاصل کر لی۔ یہ تو خشوع و خضوع پاکیزگی و پرہیزگاری، رُوحانی مجاہدوں اور فکری ریاضتوں کا پیہم عمل ہے اِس میں کہیں جمود یا رکاوٹ نہیں ہے۔ اسی لیے اس میں کسی قسم کی درجہ بندی یا تفریقِ مدارج

Marfat.com

ہر لحاظ سے نامناسب اور تصوّف کے بنیادی اصولوں کے منافی ہے اور اس کو عبث کی کاوشیں کرنے والے ہی تصوف کی رُوحانی یلغار کو متاثر کرنے کا باعث بنے ہیں۔ بقول اقبالؒ۔ ؎

تمدّن تصوّف، شریعت کلام — بُتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی — یہ اُمّت روایات میں کھو گئی
بُجھی عشق کی آگ اندھیر ہے — مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

تصوّف میں کسی قسم کی درجہ بندی کو اقبالؒ نے بُتانِ عجم کی پُوجا سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ اقبالؒ بخوبی سمجھتے ہیں کہ تصوّف تو عشقِ خدا اور محبتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو کو عام کرنے کا نام ہے اور اگر یہ عشق سے خالی ہو کر خود ساختہ درجہ بندیوں میں اُلجھ جائے تو پھر مسلمان پر راکھ کے ڈھیر کا گمان گزرتا ہے۔

اقبال کی بات چلی ہے تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ علاّمہ اقبال صُوفیائے کرام کے حد درجہ نیازمند اور تصوّف کے فیوض و برکات کے حد درجہ معترف تھے اور تصوّف کے سرچشموں سے فیضیاب ہونے کے لیے وہ دُور دراز کا سفر طے کر کے صُوفیاء و اولیاء کی خدمت میں حاضری دینا اپنے لیے وجہِ صد افتخار سمجھتے تھے۔ اقبال جانتے تھے کہ تصوّف تبلیغِ اسلام اور شعائرِ دینِ مصطفوی کی بالاتری اور ترویج کا نام ہے۔ وہ جانتے تھے کہ تصوّف کلمۂ حق بلند کرنے اور اسلامی تہذیب و تمدّن کی حقیقی رُوح کو اُجاگر کرنے کا پیغام دیتا ہے۔ اس لیے جب وہ اہلِ تصوّف کو وقت کے تقاضوں سے مفاہمت کرتے اور مصلحت کوشی کو اپنا شعار بناتے یا رہبانیت کو اپناتے دیکھتے ہیں تو بے اختیار چیخ اُٹھتے ہیں ؎

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ دلگیری

Marfat.com

عہدِ بنو اُمیّہ میں ملوکیّت کے قصر کی پہلی اینٹ رکھے جانے سے لے کر برِّ صغیر میں اشاعتِ اسلام تک اور محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح سندھ سے لیکر قیام پاکستان تک صُوفیائے کرام نے ہر عہد میں مسلم قومیّت اور جُداگانہ نظریۂ اسلام کی بالا تری کے لیے کبھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ حق پرست صوفیائے نے ہمیشہ ملّتِ اسلام کی رہنمائی کا مقدّس فریضہ انجام دیا ہے اور دُنیاوی نتائج و عواقب کی پروا کیے بغیر اسلام کی حقیقی رُوح کو عوام النّاس تک پہنچایا ہے۔ ان صوفیاء کا طرزِ عمل ظاہر بین علماء اور فقہاء سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ گفتار کے ظاہری شکوہ پر تکیہ نہیں کرتے بلکہ یہ دُنیا کے سامنے اپنی سیرت کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ جب تشنگانِ شوق ان کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہیں، تو یہ زیادہ سے زیادہ وقت ان ارادتمندوں کے درمیان گزارتے ہیں تاکہ ان کی سیرت کا رنگ ان کے حلقۂ ارادت سے تعلّق رکھنے والوں پر بھی چڑھ جائے۔ ان کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہوتا۔ یہ جو کہتے ہیں کر کے دکھاتے ہیں۔ ان کا عمل ان کے علم کی گواہی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام پُرتاثیر اور ان کے ارشادات سرمایۂ بصیرت ہوتے ہیں۔ ان کا ہر لفظ عوام کے دلوں پر نقشِ جاوداں کی صُورت اپنا وجود چھوڑ جاتا ہے۔

منشائے ربّانی بھی یہی ہے کہ جب بندہ اپنے خدا کی رضا میں ڈھل جاتا ہے۔ اس کا ہر عمل، ہر سوچ غرضیکہ زندگی کا ایک ایک پہلو رضائے الٰہی کی تعمیل کا نمونہ بن جاتے ہیں تو پھر وہ بندہ "عبدِ خاص" بن جاتا ہے اور اسکی ہر تدبیر تقدیرِ الٰہی کا پَرتو بن کر انعاماتِ خداوندی کا اظہارِ عام بن جاتی ہے۔ قُدرت اپنے احکامات صادر کرتے ہوئے اس کی تمنّاؤں کا رُخ دیکھتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس کے حصُول کے لیے اہلِ تصوّف اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ

Marfat.com

نذرِ عبادت کر دیتے ہیں کہ وہ اس اعزاز کے مستحق قرار پائیں ؎

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا و کار ساز

آج جب کہ مادیت کے سائے چاروں طرف منڈلا رہے ہیں اور تشکیک و اوہام کی ظلمتیں ایمان و یقین کے اُجالوں کو نگلنے کے لیے پَر تول رہی ہیں، مغربی علوم اور نظریات سے متاثر اور دانشِ بُرہانی کے قائل دانشورِ عالمِ انسانیت کو امن و سکون کی دولت عطا کرنے کے لیے نئے نئے اسالیبِ فکر تراش رہے ہیں مگر کوششِ بسیار کے باوجود امن و راحت کے سویروں اور ایمان و یقین کے اُجالوں کی تمنّا سراب بنتی جا رہی ہے۔ اس دَورِ پُر آشوب میں ہمارے تمام مصائب و آلام کا حل اکابرینِ اُمّتِ اسلام اور سربر آوردہ اصحابِ تصوّف کی سیرت اور تعلیمات کی پیروی ہی میں مضمر ہے۔ یہی وہ صُوفیا ہیں کہ جن کے طفیل انسانوں کو آدابِ انسانیت سے آگاہی، محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے وابستگی اور عرفانِ خداوندی کی نعمتِ بے بہا عطا ہُوئی۔

نہ پُوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ انکو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
تمنّا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

○

ہم عرض کر چکے ہیں کہ بّرِصغیر پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں سب سے اہم کردار صوفیائے عظام کا ہے۔ انہوں نے نہ صرف کفر و شرک کے مراکز کو عظمتِ اسلام کے مراکز میں تبدیل کر دیا بلکہ جو مسلمان جادۂ حق سے بھٹک کر باطل رسم و رواج کے عادی ہو چکے تھے اور غیر مسلموں کی دیکھا دیکھی اسلامی تعلیمات سے

Marfat.com

عاری ہو چکے تھے انہیں پھر سے شعائرِ اسلام کا پابند بنا دیا۔ حکومت سے دُور رہ کر کسی کا حلیف یا حریف بنے بغیر اُنھوں نے تزکیۂ نفس اور اخلاقی تربیت کا فریضہ اس حسنِ اہتمام کے ساتھ ادا کیا کہ گمراہی و ضلالت کے شکار مُسلمان پھر سے شریعتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پرستار بن گئے۔ ایک صاحبِ نظر کے بقول:

"فقراء کی ایک ایسی جماعت اُٹھی جس نے صفا کی چوٹی سے بلند ہونے والے آوازۂ حق کی گونج کو نسیم و صبا بن کر چمنستانِ دہر کے کونے کونے میں پھیلا دیا۔ آج کون اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ دُور دراز ممالک میں قلب و نظر کے سومنات کس گروہ نے فتح کیے، تو وہ یہی گروہ ہے جو اپنی درویشی، سادگی قلب و نگاہ کی عفت اور حسنِ کردار کی بدولت ہر جگہ توحیدِ خداوندی کی داستانیں رقم کرتا گیا۔"[1]

برِصغیر پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام اور تبلیغِ دین کے سلسلے میں ایک اہم نام سراج الاولیاء حضرت میاں میرؒ بالا پیر قادری لاہوری کا ہے جو غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلۂ عالیہ قادریہ کے اہم رکن ہیں۔ ایک مؤرخ کے بقول "برِصغیر بالخصوص پنجاب میں سلسلۂ قادریہ کو سب سے زیادہ فروغ حضرت میاں میر قادری کی وساطت سے ہوا۔" حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ ولیٔ کامل اور شیخِ یگانہ تھے۔ آپ نے اپنے علم اور عمل سے اس علاقہ کے مسلمانوں کو حقیقی شعور عطا کیا۔ آپ کی حیثیت مکمل طور پر دبستانِ معرفت کی تھی، اور جو بھی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا، انوارِ معرفت اس کا مقدر بن جاتے۔ آپ کا مقام اس قدر ارفع تھا کہ بادشاہوں نے آپ کی خدمت میں حاضری کو اپنے لیے اعزاز سمجھا۔ آپ کے تفصیلی حالاتِ زندگی کا سب سے بڑا ماخذ شہزادہ دارا شکوہ کی تصنیف "سکینۃ الاولیاء" ہے۔ شہزادہ دارا شکوہ آپ کا از حد معتقد تھا۔ دارا شکوہ کی

---

[1] سید محمد فاروق القادری، دیباچہ کتاب اللمع از شیخ ابونصر سراج (م، ۳۷۸ھ)

Marfat.com

یہ کتاب حضرت میاں میرؒ کی سوانح حیات کے طور پر ہی نہیں بلکہ معرفت و طریقت کے بیش بہا گنجینہ کے طور پر بھی ہمیشہ قبولیتِ عام کے مقام پر فائز رہے گی۔

حضرت میاں میر قادریؒ کی بارگاہِ قدس سے رُوحانی فیوض حاصل کرنے والی ایک ہستی حضرت داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جن کا مزار بیرون کھیالی دروازہ گوجرانوالہ میں واقع خانقاہ قادریہ میں ہے۔ شاہ جمال نوریؒ حضرت میاں میرؒ کے علاقہ کے ہی رہنے والے تھے۔ طبیعت میں علومِ دین کے حصول کی آرزو پیدا ہوئی تو لاہور چلے آئے اور علومِ دین کی تحصیل نامور اساتذہ سے کرنے کے بعد حضرت میاں میرؒ قادری کے دامانِ لُطف و کرم سے وابستہ ہو گئے۔ حضرت میاں میرؒ قادری نے شاہ جمال نوریؒ پر خصوصی توجہ کی اور پھر جب یہ رُوحانی مجاہدوں اور ریاضتوں میں چل نِکلے تو اپنے طریق کے مطابق انہیں اپنے خلیفہ حضرت اُبوسعیدؒ معصوم[1] کے حوالے کر دیا اور تاکید کی کہ راہِ حق کے اس مسافر کو خاص توجہ سے نوازا جائے۔ حضرت ابوسعیدؒ معصوم نے شاہ جمال نوریؒ کو ذرّے سے آفتاب بنا دیا۔ حضرت میاں میرؒ بھی مسلسل اپنی عنایات سے نوازتے رہے۔ اِس طرح انہیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ بیک وقت حضرت میاں میرؒ قادری اور ابوسعیدؒ کی عنایاتِ روحانی سے بہرہ ور ہوتے رہے۔

خلافت عطا ہونے کے بعد حضرت ابوسعیدؒ معصوم نے آپ کو ہدایت کی کہ جو روشنی تمہیں عطا کر رہا ہوں اس سے پنجاب کے شمالی علاقوں کو منوّر کرنا ہے۔ چنانچہ

---

[1] دارا شکوہ نے اپنی تصنیف "سکینۃ الاولیا" میں حضرت میاں میرؒ کے خلیفۂ خاص حضرت مُلا سعیدؒ خاں کا باربار تذکرہ کیا ہے اور حضرت میاں میرؒ کی متعدد کرامات حضرت مُلا سعیدؒ خاں کے حوالے سے بیان کی ہیں جس سے اس یقین کو تقویت حاصل ہوتی ہے کہ یہ حضرت مُلا سعیدؒ خان وہی مردِ کامل ہیں جنہیں بعض تذکروں میں حضرت اُبوسعیدؒ معصوم کے نام سے درج کیا گیا ہے۔

Marfat.com

آپ حکم شیخ کی تعمیل میں گوجرانوالہ تشریف لائے اور یہاں بیرون کھیالی دروازہ میں خانقاہ اور مدرسہ کی تعمیر شروع کی اور پھر یہیں سے سلسلۂ عالیہ قادریت کے فیوض و برکات کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس کا تذکرہ ہر لحاظ سے اس علاقہ کے لیے وجۂ صد اعزاز ہے۔ حضرت داتا شاہ جمال نوریؒ کی گوجرانوالہ میں تشریف آوری اور پھر اس شہر کو مرکز بنا کر اس علاقہ کی تربیت و اصلاح کے لیے کی جانے والی کوششیں ظاہر کرتی ہیں کہ صوفیائے کرام نے اشاعتِ اسلام اور اصلاحِ احوالِ امّتِ اسلام کے سلسلہ میں کبھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ بے سروسامانی کے عالم میں اپنے گھروں سے نکلے اور شدائد و تکالیف کا سامنا کرتے ہوئے ہر اس مقام پر پہنچے جہاں ان کی ضرورت تھی اور ہر اس ظلمت کدے کو ضیائے ایمان سے منوّر کیا۔ جہاں رہنے والے لوگ توحید و رسالت کے پیغام سے غیر آشنا تھے یا فراموش کر چکے تھے۔

حضرت داتا شاہ جمال نوریؒ نے گوجرانوالہ کو مرکزِ ہدایت بنا کر جو شمعِ عرفان روشن کی تھی، آج صدیاں بیت جانے کے باوجود اس کی روشنی دل و جان میں اُترتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ آپ صرف ایک صوفیٔ باصفا اور شیخِ طریقت و معرفت ہی نہیں تھے بلکہ علومِ دین پر بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے جب یہاں خانقاہ قادریہ کی داغ بیل ڈالی تو طالبانِ شوق کو معرفتِ خداوندی سے بہرہ ور کرنے کے لیے فقط رُوحانی مجاہدوں اور ریاضتوں پر ہی توجہ نہیں دی بلکہ علومِ دینی کی تدریس کا مقدّس فریضہ بھی شروع کر دیا۔ چنانچہ جو طالبانِ حق آپ کی خدمت حاضر ہوتے، وہ دینی علوم اور رُوحانی فیوض سے بیک وقت اپنے آئینۂ قلب کو جِلا بخشتے۔

غرضیکہ داتا شاہ جمال نُوریؒ نے علومِ دین اور علومِ معرفت کے امتزاج سے جس روحانی سلسلے کا آغاز کیا تھا وہ صدیوں جاری رہا۔ داتا شاہ جمال نوریؒ نے اپنے عمل اور تعلیمات سے اس حقیقت کی نشاندہی کر دی کہ تصوّف کا حقیقی ماخذ قرآن و سُنّت

Marfat.com

ہے، اور یہ کسی عجمی احساس کی بدولت وجود میں نہیں آیا بلکہ اس کا مقصد اولیٰ فقط شریعت محمدیؐ کا احیاء اور ترویج ہے۔ اس مردِ کامل کی رحلت کے بعد ان کی اولاد نے کئی پشتوں تک اس ایمان آفریں سلسلے کو جاری رکھا۔ بلکہ بعد کے ادوار کے مختلف نامور شیوخ نے اپنی علمی استعداد اور روحانی تب و تاب کی بدولت اس خانقاہ کے فیوض کو پہلے کی نسبت زیادہ تابندگی عطا کرنے کی کوشش کی۔ ان بزرگانِ دین کی مساعی کی بدولت ایک ایسا وقت بھی آیا کہ اس خانقاہ میں قائم ہونے والے دینی مدرسہ سے اکتسابِ علم کرنے کے لیے اس علاقہ اور قرب و جوار کے طالبان علم ہی یہاں نہیں آتے تھے بلکہ برِصغیر پاک و ہند کے دُور دراز کے شہروں سے تعلق رکھنے والے طلبہ بھی اس درسگاہ کے فیوضِ علمی سے خوشہ چینی کو اپنے لیے سعادت تصور کرتے تھے۔

خانقاہ قادریہ کے فیوض داتا شاہ جمال نوریؒ کے بعد بھی پُورے تزک و احتشام کے ساتھ جاری رہے۔ آپ کے بعد آپ کے نامور فرزندوں شاہ عبدالرحیمؒ، شاہ عبدالکریمؒ نے آپ کے مقدس مشن کو جاری رکھا۔ یہ شخصیات بھی اپنے والدِ محترم کی طرح دینی اور روحانی علوم پر دسترس رکھتی تھیں۔ پھر اس خانقاہ کو حضرت مولانا محمد فیضؒ جیسا رہنمائے یگانہ میسر آتا ہے جن کی علمی و فکری حیثیت اس قدر مسلّمہ ہوتی ہے کہ ہندوستان بھر کے علماء و فقہاء ان کے علمی کمالات کے معترف ہو جاتے ہیں اور ان کے فتاویٰ کو امتیازی حیثیت کا حامل سمجھتے رہے۔

اسی خانقاہ سے حضرت مولانا نور احمدؒ کی صُورت میں ایک ایسا پیکرِ فکر و عمل اُبھرتا ہے جو اپنے دَور کے انتہائی مؤقر اور محترم علماء و فضلاء میں شمار کیا جاتا ہے جس کے فتاویٰ ہر بڑے حلقۂ فکر کے نزدیک قابلِ قبول ہوتے ہیں اور جو اپنے مریدین اور خلفا کی صُورت میں ایسے پاکیزہ نفوس اس علاقے کو دیتا ہے جو اس علاقے میں چاروں طرف شعائرِ اسلامی کی عظمت کا ڈنکا بجا دیتے ہیں۔ حضرت مولانا نور احمدؒ کو اہلِ علم

Marfat.com

اور اہلِ معرفت دونوں حلقے اپنی اپنی صفوں میں نہایت بُلند مقام کا حامل سمجھتے ہیں۔

بعد کے دَور میں اس خانقاہ کو جو اہمیت شمسُ العلما حضرت مولانا مولوی محبوب عالمؒ کے زمانے میں حاصل ہُوئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مولانا ایک شیخ کامل، پیکرِ علم و عمل، مجمع العلوم ہونے کے ساتھ ساتھ مُسلمانوں کے مسلّمہ رہنما تھے۔ آپ کے علمی کمالات کی شہرت ہر طرف پھیلی تو دُور دُور سے علم و حکمت کے متلاشی آپ کی خدمت میں حاضری دینے لگے۔ آپ نامور خطّاط، نکتہ رَس اُستاد اور ماہرِ علومِ دینیہ تھے۔ زمانہ آپ کے فقہی کمالات کا معترف تھا۔ آپ کی رائے قولِ فیصل کا درجہ رکھتی تھی اور آپ کے ارشادات کو تہذیبی زندگی میں سند کی حیثیت حاصل تھی۔ آپ کے فیصلے ہر سطح پر تسلیم کیے جاتے تھے۔ آپ کا کُتب خانہ نادر و نایاب کُتب پر مشتمل تھا جس کا غالب حِصّہ ہاتھ سے لکھی ہُوئی کتابوں پر مشتمل تھا جن میں مولانا کی اپنے ہاتھ سے لکھی ہُوئی معتبر کُتب بھی شامل تھیں مگر افسوس کہ آج یہ کُتب خانہ موجود نہیں اور اس کی کُتب جو خطّاطی اور فضیلت کا معیار تھیں انقلابِ زمانہ کی نذر ہو چکی ہیں۔

مولانا محبوب عالمؒ کے بعد درگاہ کے سجادہ نشین آپ کے پوتے حضرت مولانا غلام جیلانیؒ مقرر ہوئے جو اس خانقاہ کی فکری و رُوحانی عظمت اور اسلاف کی ایمانی شوکت کی آخری نشانی تھے۔ آپ نے زندگی بھر عوام النّاس کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کا مقدس مِشن انجام دیا۔ آپ کو دیکھ کر اور آپ سے مِل کر بجا طور پر احساس ہوتا تھا کہ ع

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

آپ کی طبیعت انتہائی متواضع اور کریمانہ تھی۔ آپ درویشی، صبر و رضا، سادگی، قناعت اور محبت و شفقت کی تصویر تھے۔ آپ کو اس درگاہ قادریہ کی خدمت کرنے کا بہت موقع مِلا۔ اور آپ نے جس طور پر بندگانِ خدا کی خدمت اور رہنمائی کا فریضہ انجام دیا وہ گوجرانوالہ کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

Marfat.com

داتا شاہ جمال نوریؒ سے مولانا غلام جیلانیؒ تک یہ خانقاہ قادریہ نوریہ علمِ تصوّف اور علومِ قرآن کی بہترین درسگاہ اور معرفت و طریقت کی شاندار تربیت گاہ نظر آتی ہے۔ قُدرت کو جب کسی قوم اور علاقے کی رہنمائی اور بہتری مقصود ہوتی ہے تو اسے یکے بعد دیگرے ایسی ہی یگانہ روزگار شخصیات سے نوازتی ہے۔ سراج العلماء حضرت مولانا نور احمدؒ کے حلقہء تربیت سے حضرت سخی احمد یارؒ جیسی بے مثال ہستی اُبھری جس نے بعد میں فخر الاسخیار کے لقب سے شہرت پائی اور سلسلہء عالیہ قادریہ کو اس علاقہ میں قبولیت بخشنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

یہ تمام مشائخ وصوفیائے کرام کہ جن کے حالات و تذکار اس تصنیف کی زینت ہیں بلاشبہ تصوّف و رُوحانیت سے بہرہ ور اور علومِ دینیہ سے گہری وابستگی رکھتے تھے۔ اُنھوں نے اپنی تعلیمات، سیرت و کردار اور افکار سے عوام النّاس کو جادۂ ایمان پر محوِ سفر کر دیا اور ملّتِ اسلام کے بھُولے بھٹکے افراد کو پھر سے شعائرِ اسلام کی پابندی اور سُنّتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم پر عمل پیرا ہونے کا درس دیا۔ اِن شخصیات میں سے کسی نے بھی کبھی کوئی خلافِ اسلام کام نہیں کیا اور نہ ہی اسلامی تعلیمات کے منافی کسی نظریہ کو فروغ دیا بلکہ انہیں اپنی بوریانشینی پر فخر تھا اور انہوں نے اپنے خانقاہی ماحول میں علم وعمل کی رفعتوں کو ارادت مندوں پر اُجاگر کیا۔ داتا شاہ جمال نوریؒ سے مولانا غلام جیلانیؒ تک اس خانقاہ کے ناخداؤں نے خود کو دُنیاوی جاہ وجلال سے الگ رکھتے ہوئے ہمیشہ قال اللہ اور قال الرسول کی اہمیّت اُجاگر کی ہے۔ یہ ان کے کردار کی عظمت تھی کہ ان کے اقوال کو اہلِ ایمان سرمایہء بصیرت جان کر دلوں میں جگہ دیتے تھے۔ آج یہ محترم شخصیات اس خانقاہ کے احاطے میں آسودۂ خواب ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی تاریخ تصوّف میں ستاروں کی طرح روشنی بکھیر کر ان کے کارناموں کا احساس دلا رہے ہیں اور ارادتمند اس احساس کے ساتھ ان کے مزارات پر حاضر [illegible]

Marfat.com

دماغوں سے آؤ دلوں کی طرف
بڑھاؤ قدم منزلوں کی طرف
فقیروں کی صحبت بڑی چیز ہے
کبھی آؤ ان محفلوں کی طرف

یہ تمام برگزیدہ شخصیات کہ جن کے تذکار مختلف ابواب کی صورت میں پیش ہیں بلاشبہ اس اعتراف کی متقاضی ہیں کہ ان پر عرصہ پہلے لکھا جانا چاہیئے تھا۔ ہر شخصیت اس قدر پُر وقار اور محترم ہے کہ علیحدہ تصنیف کی مستحق ہے مگر افسوس کہ ہمیں تلاشِ مسلسل اور سعی کے باوجود ان میں سے کسی ایک پر بھی مستقل سوانحی یا شخصیاتی مضمون دستیاب نہ ہو سکا۔ چند برس پیشتر جب راقم "تاریخِ گوجرانوالہ" کی ترتیب و تدوین میں مصروف تھا تو ان صوفیائے کرام پر مضامین لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی اُس وقت خانقاہ قادریہ میں موجود شخصیات سے رابطہ قائم کیا مگر اُنہوں نے بڑی حد تک لاعلمی کا اظہار کیا۔ اَب اس کُتب خانے کی جستجو شروع ہوئی جو اس خانقاہ کا ایک امتیازی پہلو تھا مگر شدید کوشش کے باوجود وہ کُتب خانہ میسر نہ آسکا جس میں موجود کُتب مختلف ادوار میں تشنگانِ علم کے ذوق و شوق کی تشادکامی کا باعث بنتی رہی تھیں۔ یہ وہی کُتب خانہ تھا کہ جسے حضرت مولانا محبوب عالمؒ کی غیر معمولی عالمانہ اور فقیہانہ شخصیت نے پنجاب بھر کے عُلماء و فضلاء اور محققین کے لیے پُر کشش بنا دیا تھا۔ اس میں مولانا محبوب عالمؒ کی ذاتی قلمی تصانیف بھی تھیں اور وہ تصانیف بھی کہ جو آپ نے اپنے ارادتمند علماء اور دوسرے اصحابِ فضیلت سے لکھوائی تھیں۔ ان میں تفسیر، حدیث، تاریخ، تصوّف، درسِ نظامی سمیت ہر موضوع پر کُتب شامل تھیں۔ معتبر حوالوں سے اس سلسلہ میں جو تفاصیل مہیا ہوئیں ان کا مفہوم یُوں تھا:

Marfat.com

"مولانا غلام جیلانیؒ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اس نادر ونایاب کُتب خانہ کو متاعِ عزیز جان کر سنبھالے رکھا۔ ان کے وصال کے بعد لاہور کے احمد ربانی[1]، علامہ علاؤ الدین صدیقی سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کی معیت میں مولانا غلام جیلانی مرحوم کے بھائی مولوی فضل الٰہی صدیقی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ وہ اس کُتب خانہ کو ایک قومی سرمایہ کے طور پر اعلیٰ پیمانہ پر محفوظ کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس سے ملک بھر کے اہلِ تحقیق استفادہ کر سکیں۔ مولانا مرحوم کے بھائی نے یہ کتابیں ان کی خدمت میں پیش کر دیں۔ احمد ربانی یہ کُتب خانہ اپنے گھر اُٹھا لائے۔ ربع صدی سے زائد عرصہ گزر چکا ہے مگر یہ کُتب خانہ اس طرح گم ہُوا کہ پھر اس کا سراغ نہ مل سکا۔ نہ تو مولانا مرحوم کے اہلِ خاندان نے کوئی کوشش کی اور نہ ہی احمد ربانی نے وہ وعدہ ایفا کیا جس کی بناء پر وہ یہ کتابیں لے گئے تھے۔ اب جب کہ علامہ علاؤ الدین صدیقی بھی مرحوم ہو چکے ہیں۔ مولوی فضل الٰہی صدیقی بھی وفات پا چکے ہیں اور احمد ربانی بھی فوت ہو چکے ہیں تو یہ سوال بدستور ذہنوں میں گردش کر رہا ہے کہ کیا دُوسرے ناپید ہو جانے والے کتب خانوں کی طرح یہ علمی سرمایہ بھی کبھی منظرِ عام پر نہیں آئے گا۔

خانقاہ قادریہ نوریہ میں مدفون صوفیاء کے حالات کی فراہمی کے سلسلے میں مایوسی کا سامنا ہوا تو پھر مجبوراً ان پر لکھنے کا خیال ترک کر دیا۔ "تاریخ گوجرانوالہ" کی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد اس خانقاہ سے متعلق ایک مضمون لکھنے کا خیال پیدا ہُوا تو ایک بار پھر پورے عزم کے ساتھ

---

[1] احمد ربانی مشہور محقق مولوی محمد شفیع مرحوم پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کے صاحبزادے تھے۔ آپ نے کئی کتب کی تدوین کی جن میں سے "کشف المحجوب" کا اصل فارسی نسخہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

Marfat.com

تحقیق و جستجو کا ارادہ کر لیا۔ اس بار تائیدِ ایزدی یُوں شاملِ حال ہُوئی کہ تحقیق کے منتشر اجزا کی شیرازہ بندی ہونے لگی۔ اس سلسلہ میں دوسرے علاقوں کے سفر بھی کیے۔ ہم ان تمام مسافر نواز دوستوں کے ممنون ہیں جنھوں نے نہ صرف ہماری ہمت بندھائی بلکہ ہمیں ہر ممکن تعاون سے نوازا۔ یہ حضرات تحقیق کے سفر میں مسلسل ہمارے ساتھ رہے اور متعلقہ مواد کی فراہمی اور معلومات کی یکجائی کے سلسلہ میں ہر طریقے سے ہماری مدد کرتے رہے۔

اس تصنیف میں سلسلۂ عالیہ قادریہ کی رعایت سے اس خانقاہ سے متعلق بزرگوں سے پہلے دامادِ رسول سیّدنا علی کرم اللہ وجہہٗ، غوث الاعظم سیّدنا عبدالقادر جیلانیؒ اور سلطان الاولیاء حضرت میاں میر قادری لاہوریؒ کے حالاتِ زندگی بھی دیئے گئے تاکہ قادری سلسلے سے تعلّق رکھنے والے حضرات، بالعموم اور تصوّف سے دلچسپی رکھنے والے بالخصوص درخشندہ ماضی سے آئندہ دَور کی جانب سفر کر سکیں اور انہیں اس حقیقت کا تعیّن کرنے میں آسانی رہے کہ تصوّف ہر لحاظ سے احیائے اسلام اور غلبۂ دینِ حق کی تحریک ہے۔ یہ تحریک فکری عملی اور علمی لحاظ سے مکمّل طور پر اسلامی اور شریعتِ مصطفوی (صلّی اللہ علیہ وسلّم) سے عبارت ہے۔

ان محترم شخصیات کی سیرت و سوانح پر مشتمل اس تصنیف کی اشاعت سے ہمارا یہ مقصود ہرگز نہیں ہے کہ ان بزرگوں پر لکھنے کا حق ادا ہو گیا ہے یا ہم ان بزرگانِ دین کے شایانِ شان تحریریں پیش کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ہم نے تو فقط بکھرے ہُوئے اجزاء کو یکجا کیا ہے مختلف کڑیوں کو آپس میں ملایا ہے۔ بے ربط یادوں اور تاثرات کو مربُوط کیا ہے جس طرح ذرّات کے اجتماع سے صحرا وجود میں آتا ہے اِسی طرح ہم نے اِدھر اُدھر پھیلی ہُوئی روایات کو باقاعدہ داستانِ شوق کی شکل دی ہے۔

ہمارے سامنے کوئی ایک مستقل ماخذ نہیں تھا کہ جس سے ہم مکمّل طور پر استفادہ کرتے۔ ہمیں جو کچھ عطا ہُوا وہ بکھرے ہُوئے حقائق، تاریخی دستاویزات اور قدیم مسودات کی

Marfat.com

بدولت حاصل ہُوا۔ اس کے علاوہ ہمیں ان بزرگوں کی یادداشتوں کا سہارا بھی لینا پڑا جن کے سینوں میں اپنے اجداد کی زبانی پُشت ہا پُشت کی روایات محفوظ تھیں۔ ان روایات کو ہم نے حتی المقدور تحقیق کے سانچے میں جانچنے کی کوشش کی۔ ہم نے ایسی تفاصیل اور روایات کو قبول نہیں کیا جو رُوحانی اصولوں اور شعائرِ اسلام کے مخالف تھیں کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ اس عظیم خاندان کے ہر فرد کا مقصود ہی خلقِ خدا کی اصلاح اور شعائرِ ایمان کو پھر سے زندہ کرنا تھا۔

کسی بھی صاحبِ ولایت بزرگ کے حالاتِ زندگی میں کرامتوں اور محیّر العقول واقعات کو خاص اہمیّت حاصل ہوتی ہے کیونکہ اس کی بدولت اس مردِ مومن کی روحانی سرفرازیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ چونکہ ان اولیاء اللہ کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ راہِ ایمان و یقین سے بھٹکے ہُوئے انسانوں کو پھر سے منزلِ حق کی جانب گامزن کیا جائے۔ اس لیے ہمارے نزدیک ان کی کرامتِ اولیٰ یہی ہے کہ یہ اپنی نگاہ کی تاثیر، اخلاقِ حسنہ کی خوشبو اور زبان کی حلاوت سے پتھر دلوں کو عشقِ خداوندی کا گداز عطا کرتے ہیں۔ اس لیے اِن بزرگانِ دین کے سوانح ترتیب دیتے ہُوئے ہم نے ان کے کردار و سیرت، اسوۂ عالی اور رہنمایانہ بصیرت کو بطورِ خاص موضوعِ قلم بنایا ہے۔ ان سوانح کے سِلسلہ میں وہ پہلو وضاحت سے اُجاگر کیے گئے ہیں جن میں خلقِ خدا کے لیے کوئی نہ کوئی بصیرت افروز پہلو پوشیدہ ہو۔

تحقیق کا قافلہ مسلسل محوِ سفر رہتا ہے۔ اہلِ نظر حقائق کی تلاش میں پیہم سرگرداں رہتے ہیں۔ ماضی مستقبل کا رُوپ اختیار کرنے سے پہلے حالات و واقعات کا بیش بہا ذخیرہ زمانہ حال کے حوالے کر جاتا ہے۔ کل کی مستور صداقتیں عہدِ حاضر کا افتخار بن کر رہتی ہیں۔ ان صوفیائے عظام کے بارے میں اس کتاب کی صُورت میں تحقیق و جستجو کی ایک شمع روشن کی ہے۔ جس کی روشنی میں حقائق اور صداقتوں کے متلاشی سفر کرتے

Marfat.com

ہُوئے فرحت محسوس کریں گے۔ چراغ سے چراغ جلتے رہتے ہیں۔ اس طرح ممکن ہے کہ آنے والے ادوار میں فاضل محققین ان مردانِ خدا میں سے ہر ایک پر سیر حاصل تصنیف پیش کر سکیں۔

○

Marfat.com

باب علومِ حق ، فاتحِ خیبر

سیّدنا

حضرت علی المرتضیٰ

رضی اللہ تعالیٰ عنہُ

Marfat.com

مُسلمِ اوّل ، شہِ مرداں علیؓ
عشق را سرمایۂ ایماں علیؓ
از ولائے دُودمانش زندہ اَم
در جہاں مثلِ گہر تابندہ اَم
از رُخِ اُو فال پیغمبر گرفت
ملّتِ حق از شکوہش فر گرفت
مُرتضےٰؓ کز تیغِ اوحق روشن است
بُو تراب از فتحِ اقلیمِ تن است
ہر کہ در آفاق گردد بُو تراب
باز گرداند زمغرب آفتاب،
شیرِ حق ایں خاک را اکسیر کرد
ایں گِلِ تاریک را اکسیر کرد

(علامہ اقبالؒ)

Marfat.com

جس طرح آفتاب نصف النہار پر ہو تو ذرّاتِ ریگزار کو اپنی روشنی کا پَرتو بخش دیتا ہے اور ذرّاتِ بے مایہ بھی جگمگا اُٹھتے ہیں۔ اسی طرح جب حضور محمد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مہرِ عالمتاب نبوّت بن کر کوہِ فاران پر جلوہ گر ہُوئے تو آپ کے کردار کی لازوال کرنوں نے ذرّاتِ ریگزار کی صورت بے مایہ صحرا نشینوں کے قلب و جاں کو منوّر کر کے انہیں اقوامِ عالم میں مُمتاز کر دیا۔ جو بھی آپ کے دامانِ فیوض سے وابستہ ہُوا بزمِ ہستی کی نگاہوں کا ستارا بن گیا۔ ابُوبکرؓ آئے تو صدیقِ اکبر کا لقب پایا۔ عمرؓ ابن الخطاب کو فاروقِ اعظم کا خطاب ملا۔ عثمانِ غنیؓ کو کامل الحیا والایمان کی سند ملی اور جب سیدنا علیؓ ابن ابی طالب آپکے دربارِ گُہر بار سے فیضیاب ہُوئے تو اسداللہ الغالب کا اعزاز ان کا مقدّر بن چکا تھا۔

کس کس محبّ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلّم کا تذکرہ کیا جائے، حق تو یہ ہے کہ

جس طرف چشمِ محمّد کے اشارے ہو گئے
جتنے ذرّے سامنے آئے ستارے ہو گئے

ولادتِ علیؓ

آپ کی ولادتِ باسعادت ۱۳ رجب المرجب بروز جمعۃ المبارک عام الفیل کے تیس سال بعد مکّہ مکرّمہ میں ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ قبیلہ بنی عبدالعزیٰ کے چند لوگوں کے ساتھ مسجد بیت الحرام میں تشریف فرما تھے کہ مولا علی کرم اللہ وجہہٗ کی والدہ فاطمہ بنتِ اسد وہاں تشریف لائیں۔ جب وہ مصروفِ طواف ہوئیں تو چوتھے چکّر میں چلنے کی قوّت نہ رہی۔ دردِ زہ نے شدّت اختیار کر لی تو آپ

Marfat.com

بے اختیار ہو کر پکاریں۔

"اے ربِ کعبہ! بحُرمتِ کعبہ اس ولادت کو مجھ پر آسان کر"

یک لخت دیوارِ کعبہ شق ہوئی اور فاطمہ بنتِ اسد کعبے کے اندر تشریف لے گئیں اور وہاں موجود افراد کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئیں۔ حضرت عباس نے آپ کو اندرونِ کعبہ تلاش کیا مگر آپ نہ ملیں۔ چوتھے روز آپ اسی کعبہ سے باہر تشریف لائیں تو حضرت علی کو گود میں لیے ہُوئے تھیں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو حضرت علی کی ولادت کی خبر ملی تو آپ نے اپنے چچا اور چچی سے فرمایا کہ اس کا نام کیا رکھا ہے؟ حضرت ابُوطالب نے کہا کہ میں نے اس کا نام زید اور اس کی والدہ نے اسد رکھا ہے۔ اس پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا اس کا نام علی رکھو جو عالی ہمتی کی خبر دے۔ حضرت علی کی والدہ نے عرض کیا: خُدا کی قسم مجھے غیب سے یہ آواز آتی تھیں کہ فاطمہ اس کا نام علی رکھ، مگر میں نے اس کو چھپایا تھا۔

قبولِ اسلام

حضرت علی کو یہ اوّلیت حاصل ہے کہ آپ نے نوعُمر لڑکوں میں سے سب سے پہلے دعوتِ اسلام کو قبول کیا اور حضور محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لائے۔ حضرت علی کی عُمر ابھی دس سال ہی کی تھی کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کو ربّ کی طرف سے اعلانِ نبوّت کا حکم عطا ہوا، اور اس کے ساتھ ہی نماز بھی فرض ہوگئی۔ ایک دن حضور علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ نماز پڑھ رہے تھے حضرت علیؓ نے حیرت سے اس نئے منظر کو دیکھا اور اپنے بزرگ بھائی سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے پُوچھا کہ یہ سب کیا تھا؟ حضورؐ نے اللہ تعالےٰ

Marfat.com

کی توحید، اپنے منصبِ نبوت اور نماز وغیرہ کے بارے میں بتایا اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ایک دن کے غور و فکر کے بعد حضرت علیؓ دامانِ نبوت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وابستہ ہو چکے تھے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ تیسرے فرد تھے

اشاعتِ اسلام میں معاونتِ رسولؐ

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلانِ نبوت فرما چکے تو آپ تین سال تک خفیہ طریق سے اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ عام اجتماعات سے خطاب کرنے کے بجائے آپ مخصوص افراد سے ملاقاتیں کرتے اور انہیں قبولِ اسلام کی دعوت دیتے۔ اعلانِ نبوت کے چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ اب آپ خفیہ طور پر نہیں بلکہ اعلانیہ طور پر تبلیغ کیجیے اور اس کی ابتدا اپنے قریبی رشتہ داروں سے کیجیے۔

حکمِ ربّانی کی تعمیل میں حضور نے کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کیا۔ انہیں توحید اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کو ارشاد فرمایا، لیکن ابولہب نے حضورؐ کی شان میں بدتمیزی کی جس سے مجمع منتشر ہو گیا۔ آپ نے ایک مرتبہ پھر اپنے عزیزوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ اے بنو عبدالمطلب میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی بہترین نعمتیں پیش کرتا ہوں، بتاؤ اس معاملہ میں کون میرا ساتھ دے گا۔ آپ کی یہ بات سن کر جملہ عزیز خاموش رہے۔ فقط حضرت علی کی آواز ابھری۔ انہوں نے پُرعزم لہجے میں کہا:

"اگرچہ میری عمر سب سے چھوٹی ہے، میری آنکھیں دکھتی ہیں اور میری ٹانگیں پتلی ہیں، لیکن میں اسلام کی راہ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔"

چھوٹی سی عمر میں حضرت علی کا قبولیت اسلام کا اظہار اور حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلّم کے لیے معاونت کا اعلان آنے والے ادوار میں آپ کی انتہائی سعیدبختی کا سبب ثابت ہُوا۔

ہجرتِ رسولؐ اور علی کی جانثاری

جب کفّار نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شہادت کا منصُوبہ بنا لیا تو حضور کو ہجرت کا حکم مِلا۔ رات کا وقت تھا۔ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں مکّہ سے مدینہ کی جانب روانہ ہونا چاہتے تھے۔ مگر آپ کے پاس اہلِ مکّہ کی امانتیں تھیں جنہیں لوٹانا ضروری تھا۔ کفّار نے چاروں طرف سے آپکے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اس موقع پر آپ نے حضرت علی سے فرمایا کہ میرے پاس اہلِ مکّہ کی بہت سی امانتیں ہیں، جنہیں واپس لوٹانا ضروری ہے تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ صبح جب تم یہ امانتیں حقداروں کے سپرد کر چکو تو مدینہ چلے آنا۔ حضرت علیؓ نے حکمِ مصطفویؐ کی اطاعت میں ذرا بھر بھی تامّل نہیں کیا اور بے خوف و خطر حضورؐ کے بستر پر لیٹ گئے۔ صبح جب کفّار تلواریں سونت کر حضور کے مکان میں آئے تو دیکھا کہ حضورؐ کے بجائے حضور کا جاں نثار آپ کے بستر پر سو رہا ہے۔ دل و جان مطمئن، لبوں پر کفّار کے لیے خندۂ استہزا، کفّار کی دھمکیاں حضرت علیؓ کے پائے استقلال میں ذرا بھر بھی لغزش پیدا نہ کر سکیں۔ اور آپ جُملہ امانتیں حقداروں میں تقسیم کر کے تین چار یوم بعد حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کے مطابق مدینہ کو ہجرت کر گئے۔

دلیری و شجاعت

سیّدنا علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت شجاع، بہادر، جواں مرد اور دلیر تھے۔ آپ کی شجاعت و دلیری ضرب المثل میں ڈھل چکی ہے۔ جس دُشمن کے مقابلے میں میدان میں اُترے، اس سے کبھی شکست نہ کھائی۔ ہر معرکے میں آپ کو اپنے حریف

Marfat.com

پر فتح کامل ہوئی۔ آپ تلوار کے دھنی، جنگ آزما اور حرب وضرب کے ماہر تھے۔
علامہ اقبال نے آپ کی شجاعت کو عالمِ اسلام کا افتخار قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

آپ کی تیغِ بے نیام جب کفّار کے مقابلے میں نیام سے باہر آتی تھی تو غلبۂ اسلام کا احساس دلائے بغیر نہیں رکتی تھی۔ آپ میدانِ جہاد میں دشمنوں پر ہمیشہ بڑھ چڑھ کر وار کرتے تھے۔ غزوۂ بدر میں آپ نے بہادری و دلیری کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن دنگ رہ گئے۔ اس دور میں دستور تھا کہ پہلے متحارب فوجوں کے بہادر افراد باری باری مقابلہ کے لیے نکلتے تھے اور پھر عام جنگ شروع ہوتی تھی۔ کفّار کی طرف سے عتبہ، ولید اور شیبہ مقابلے میں نکلے۔ جب کہ مسلمانوں کی طرف سے حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم مقابلہ میں آئے۔ حضرت حمزہ نے عتبہ کو مار گرایا۔ حضرت علی نے ولید کو تہ تیغ کر دیا۔ ان کے برعکس شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کر دیا تو حضرت علی تلوار سونت کر آگے بڑھے اور ایک ہی ضربِ کاری سے شیبہ کو فنا فی النار کر دیا۔ اس معرکہ کے علاوہ آپ نے غزوۂ اُحد، غزوۂ خندق، بنو نضیر اور بنو قریظہ سے جنگ، بنو سعد کی سرکوبی اور معرکۂ خیبر میں بھی ایمانی شجاعت کا مظاہرہ کیا۔

خیبر کا معرکہ بالخصوص سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خداداد شجاعت کا مظہر ہے۔
جب کئی روز تک لڑائی کے باوجود قلعۂ خیبر فتح نہ ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا اس کے ہاتھ میں دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح کرے گا۔ اگلے روز جملہ اصحابِ رسولؐ منتظر تھے کہ یہ جھنڈا کس خوش بخت کو عطا ہوتا ہے۔ حضورؐ نے جملہ اصحاب کی طرف دیکھ کر حضرت علی کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں۔
صحابہ نے کہا ان کی آنکھیں دکھتی ہیں، وہ بیمار ہیں۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور

Marfat.com

اپنا لعابِ دہن ان کی آنکھوں پر لگایا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ لعابِ دہن لگنے کی دیر تھی کہ درد جاتا رہا اور پھر کبھی آنکھوں کو تکلیف لاحق نہ ہوئی۔

پھر حضورؐ نے حضرت علی کو عَلَمِ خاص عطا کرتے ہوئے فرمایا کہ پہلے کفار کو اسلام کی دعوت دینا، پھر ان سے جنگ کرنا۔ اس جنگ میں خیبر کا سردار مرحب آپ کے مقابلے میں اُترا۔ اُسے اپنی طاقت اور شہ زوری پر بہت گھمنڈ تھا۔ اس نے اپنی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے۔ حضرت علیؓ نے جواب میں کہا کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے اور اس کے معنی شیر کے ہیں۔ یہ کہا اور ایک ہی وار میں مرحب کا خاتمہ کر دیا۔ جنگ کے دوران قلعہ خیبر کا دروازہ کہ جسے چالیس آدمی بھی مل کر نہ اُٹھا سکتے تھے۔ حضرت علیؓ نے ایک ہی ضرب سے اسے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ امام رازی کے مطابق اس وقت حضرت علی قوتِ یزدانی کے مظہر بنے ہوئے تھے۔ اس قوتِ یزدانی کے سامنے قلعہ خیبر کا دروازہ ایک تنکے کی حیثیت رکھتا تھا۔ سچ ہے کہ:

شیرِ یزداں، شاہِ مرداں، قوتِ پروردگار
لَافَتیٰ اِلَّا علی لَاسیف اِلَّا ذوالفقار

بابِ مدینۃ العلم

حضرت علیؓ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طویل صحبت میسر آئی تھی۔ حضور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ پر غیر معمولی شفقت و عنایت فرمایا کرتے تھے۔ اسی عنایتِ خاص کا کرشمہ تھا کہ حضرت علیؓ جہاں دلیری و شجاعت میں بے مثال تھے وہاں حکمت و دانائی میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا۔

"مَیں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔"

Marfat.com

اب ظاہر ہے کہ شہر جس قدر وسیع عظیم اور بے مثال ہوگا، اس کے دروازے کی قدر و منزلت بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ علامہ محمد اقبالؒ کہتے ہیں:

ے ذاتِ اُو دروازۂ شہرِ علوم
زیرِ فرمانش حجاز و چین و روم

حضرت علیؓ کی دانائی و حکمت کا کمال یہ تھا کہ آپ بڑے بڑے مسائل چشم زدن میں حل کر دیتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے محبت فرماتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا: "علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔"

زیدؓ بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع سے واپسی پر جب حضورؐ غدیر خم کے مقام پر پہنچے تو حضرت علی کا ہاتھ اُٹھا کر صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تمام مسلمان مجھے اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں، آپ نے پھر فرمایا کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہر مومن مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا جس کا میں محبوب ہوں اس کے علی محبوب ہیں۔ اے اللہ! اس سے محبت کر جو علی سے محبت رکھے۔ اے اللہ! اس سے عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو ہمیشہ بڑے سے بڑے اعزاز کا مستحق سمجھا۔ جب آپ ہجرت کی غرض سے مکہ کو روانہ ہوئے تو تمام امانتیں آپ کے سپرد کر گئے۔ دوسری بار جب آپ غزوۂ تبوک کی خاطر تشریف لے گئے تو اہلِ مدینہ کی حفاظت کے لیے حضرت علی کو چھوڑ گئے۔ جب حضرت علی جہاد میں شرکت سے محرومی پر رنجیدہ ہوئے تو سلطانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے علی! کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون تھے، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔"

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو حضرت علی کس قدر عزیز تھے اس کا اندازہ ردِّ شمس کے واقعے سے ہو جاتا ہے۔ ایک بار حضورؐ عصر کی نماز ادا فرمانے کے بعد حضرت علیؓ کی گود میں سر مبارک رکھ کر استراحت فرمانے لگے کہ معاً نزولِ وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے ابھی تک عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔ حضرت علیؓ سورج کو غروب ہوتے دیکھتے رہے، لیکن احترامِ نبوّت کے پیشِ نظر ذرا بھی جنبش نہ کی۔ جب وحی کا سلسلہ منقطع ہوا تو آقائے دوجہاں صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علیؓ کی خاطر ربِّ کریم سے عرض کی کہ :

"اے اللہ! بیشک یہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا۔ پس تُو سورج کو اس کے لیے لوٹا دے۔"

چنانچہ ڈوبا ہُوا سُورج دوبارہ طلوع ہو گیا۔ بقول حضرت احمد رضا خاں ؎

تیری مرضی پا گیا سُورج پھرا اُلٹے قدم
تیری اُنگلی اُٹھ گئی مہ کا کلیجہ چِر گیا

جُملہ اصحابِ رسول اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ حضرت علی جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کو کس قدر عزیز ہیں۔ اس لیے وہ حضرت علی کی تکریم و تعظیم کرتے تھے۔ خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عُمر فاروقِ اعظم اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اہم مسائل میں آپ کے مشورے اور رائے سے فیصلہ کرتے تھے۔ حضرت ابو سعید خذری روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :

"اے علی! تمہارے ساتھ محبّت رکھنا ایمان ہے اور تمہارے ساتھ بُغض رکھنا منافقت ہے۔ سب سے پہلے تمہارے مُحِبّ جنّت میں داخل ہوں گے اور تمہارے ساتھ بُغض رکھنے والے سب سے پہلے دوزخ میں داخل ہوں گے۔"

سیّدہ فاطمہ زہرا سے نکاح

حضرت علیؓ جنابِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم

Marfat.com

کو اس قدر عزیز رکھتے تھے کہ آپ نے انہیں دامادی کا شرف بھی عطا کر دیا۔ غزوہ بدر کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ وہ حضورؐ کی محبوب صاحبزادی سے نکاح کے لیے درخواست کریں۔ جب حضرت علیؓ مدعا کہہ چکے تو حضورؐ نے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے؟ حضرت علیؓ نے عرض کی ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا گھوڑے کو جہاد کے لیے رکھو اور زرہ کو فروخت کر دو۔ حضرت علیؓ نے یہ زرہ چار سو اسی درہم میں فروخت کی اور قیمت لا کر حضورؐ کو پیش کر دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے بلال کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں۔ اس کے بعد خود نکاح پڑھایا اور خیر و برکت کی دُعا دی۔ نکاح کے قریباً دس گیارہ ماہ بعد رُخصتی ہُوئی۔ رُخصتی کے وقت خاتونِ جنّت کو جو جہیز مِلا وہ یہ تھا: ایک پلنگ، ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشکیزہ۔

خاتونِ جنّت حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو دیا جانے والا یہ جہیز رہتی دُنیا تک اُمتِ مسلمہ کے لیے نمونۂ عمل بنا رہے گا۔

دورِ خلافت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دَورِ خلافت ہنگاموں اور شورشوں کی زد میں رہا۔ ان ہنگاموں کا سلسلہ سیّدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَورِ خلافت ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ دارالخلافت اور پھر اسلامی سلطنت کے مختلف صُوبوں میں شورشوں اور بغاوتوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ حضرت علیؓ کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ امر تھا کہ انہیں مجبوراً اپنوں کے خلاف صف آرا ہونا پڑا۔ حضرت عثمانؓ کی دردناک شہادت نے مفسدوں کو قوت بخش دی تھی اور اب وہ اسلامی سلطنت کی بُنیادوں کو کھوکھلا کرنے کے دَرپے تھے لیکن سیّدنا علی المرتضیٰؓ نے ٹھان رکھی تھی کہ جب تک سینے میں سانسوں کی روانی ہے، وہ اپنے موقف اور اسلامی

Marfat.com

سلطنت کی مرکزیت کو قائم رکھنے کے تصوّر سے دستبردار نہیں ہوں گے۔

یہ تاریخ کا کس قدر کٹھن دَور تھا کہ سیّدنا علی المرتضیٰؓ کو جنگِ جمل میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خلاف میدانِ جنگ میں اُترنا پڑا۔ اور حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ جیسے بزرگ صحابہ شامی سپاہ کی تلواروں کا نشانہ بن گئے۔ جنگِ صفین میں حضرت امیر معاویہؓ، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ جیسے جلیل القدر صحابہ آپ کے خلاف صف آراء ہوئے۔ یہ جنگیں تھیں کہ مشیتِ ایزدی۔ دونوں طرف اصحابِ رسول اور تابعین کا خون بہہ رہا تھا۔ آج ہم میں سے کوئی بھی فیصلہ نہیں کرسکتا کہ ان جنگوں میں کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ کس کی جرأت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت علیؓ میں سے کسی ایک کے حق و باطل کا فیصلہ سنا سکے۔ یہ تو تاریخِ اسلام کا وہ المناک باب ہے کہ جس پر ایک نظر ڈالتے ہی قاری کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی ہیں۔ البتہ یہ بات برحق ہے کہ حضرت علیؓ خلیفہ راشد تھے اور اپنے معاصر صحابہ اور تابعین میں سب سے افضل تھے۔ علم و حکمت، عدل و انصاف، سخاوت و عبادت میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔ اگر اس وقت سیّدنا علی المرتضیٰؓ کی خلافت مستحکم ہو جاتی، شورشیں اور بغاوتیں دب جاتیں اور حضرت علیؓ کو سکون اور دلجمعی کے ساتھ حکومت کا موقع میسر آجاتا تو اُمتِ مسلمہ آنے والے ادوار کے تنزل و ادبار سے کافی حد تک محفوظ ہو جاتی۔

القاب

آپ کے القاب میں اسدُاللہ الغالب، مُرتضیٰ، حیدرِ کرار، امام الاولیاء، سیّد العرب، مطلوبِ کُلِ طالب۔ خلیفۃ الرسول، امیر المسلمین، مولیٰ المومنین وغیرہ خاص شہرت کے حامل ہیں۔ آپ کی کُنیت ابُوتراب ہے۔ یہ کنیت آپ کو بہت پسند تھی۔

Marfat.com

ریکہ یہ دربارِ نبوت سے عطا ہُوئی تھی۔ مُسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی
ماجزادی سیّدہ فاطمہ زہراؓ کے گھر تشریف لے گئے تو حضرت علیؓ کو گھر نہ پایا۔ حضورؐ نے
ان کے بارے میں دریافت فرمایا تو سیّدہ فاطمہ نے عرض کیا کہ میرے اور ان کے
درمیان کچھ باتیں ہُوئیں جس پر وہ ناراض ہو کر چلے گئے ہیں۔ حضورؐ نے ایک شخص سے
فرمایا کہ دیکھو علی کہاں ہیں۔ اس شخص نے عرض کیا کہ علی مسجد میں سوئے ہُوئے ہیں۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلّم حضرت علی کے پاس تشریف لے گئے وہ لیٹے ہُوئے تھے
اور چادر آپ کے پہلو سے ہٹی ہُوئی تھی۔ اور ان کے بدن پر مٹی لگ گئی تھی۔
حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام وہ مٹی صاف کر رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے ؎

قُم اَبَا التُّرابِ۔ قُم اَبَا التُّرابِ

اے ابو تراب اُٹھو۔ اے ابو تراب اُٹھو۔

اسی طرح آپ کو کرم اللہ وجہٗ بھی کہا جاتا ہے۔ علاّمہ محمد بن علی الصّبان ابن سعد
کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ حضرت حسن بن زید بن حسن رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ حضرت
علی المرتضیٰؓ نے کبھی بھی بُتوں کی پُوجا نہیں کی اور اسی وجہ سے آپ کو کرم اللہ وجہٗ کہا
جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے چہرے کو عزّت دے۔

شہادت

خارجیوں کا گروہ علی الاعلان حضرت علیؓ کی مخالفت کر رہا تھا۔ یہ لوگ خود کو دین
کا محافظ کہتے تھے حالانکہ یہ دین کے بد ترین دشمن تھے۔ خارجیوں کی سوچ یہ تھی
کہ اگر حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص تینوں کا خاتمہ کر دیا جائے
تو اسلامی دُنیا آئے دن کی شورشوں اور فسادات سے محفوظ ہو جائے گی۔ اس مقصد
کی خاطر تین خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکیر تیمی مکہ معظّمہ

Marfat.com

میں جمع ہوئے اور طے پایا کہ ابنِ ملجم حضرت علیؓ کو، برک حضرت امیر معاویہؓ اور ابن بکیر حضرت عمرو بن العاص کو شہید کرے گا۔ برک نے حضرت امیر معاویہؓ پر حملہ کیا، وار اُوچھا پڑا اور وہ بچ گئے۔ حضرت عمروؓ بن العاص اس روز مسجد ہی نہ آئے۔ انکے دھوکے میں کوئی اور شہید کردیا گیا۔ لیکن حضرت علی ابنِ ملجم کے حملے سے نہ بچ سکے۔

حضرت علیؓ فجر کی نماز کے لیے کوفہ کی جامع مسجد میں تشریف لائے۔ آپ راستے میں بلند آواز سے لوگوں کو نماز کی طرف بُلاتے آرہے تھے۔ مسجد میں داخل ہوکر نماز کی نیت باندھی اور نماز ادا کرنے لگے۔ ابنِ ملجم نے آپ کے سر پر زہر میں بُجھی ہوئی تلوار سے ضرب لگائی جو آپ کے دماغ تک پہنچ گئی۔ آپ نے اکیس رمضان المبارک ۴۰ھ بروز جمعہ جامِ شہادت نوش کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۳ برس کی تھی۔ حضرت امام حسن، امام حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم نے آپ کو غسل دیا اور حضرت محمد بن حنفیہ پانی ڈالتے جاتے تھے۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپکی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

آپ کی وفات سے دُنیائے اسلام میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ انتشار و افتراق کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔ عشاقِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کی وفات ناقابلِ برداشت صدمے کے مترادف تھی۔ امام جلال الدین سیوطی خصائص کبریٰ میں بیان فرماتے ہیں کہ حاکم، بیہقی اور ابونعیم نے زُہری سے روایت کیا ہے کہ:

"سیدنا علی المرتضیٰؓ بن ابی طالب کی شہادت کی صبح کو بیت المقدس سے جو بھی پتھر اُٹھایا جاتا تو اس کے نیچے خُون ہوتا۔"

جنابِ حسن بن کثیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جس روز سیدنا علی شیرِ خدا شہید ہوئے، اس روز آپ گھر سے نمازِ فجر کے لیے باہر نکلے تو آپ کے آگے بطخوں نے چلّانا شروع کردیا۔ لوگوں نے ان کو آپ کے پاس سے ہنکارا، تو آپ نے فرمایا: "ان کو چھوڑ دو یہ نوحہ پڑھ رہی ہیں۔" اور اس کے فوراً بعد ہی آپ

Marfat.com

کو ابنِ ملجم نے شہید کر دیا۔ (انوارالابصار)

ازدواج واولاد

امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کُل نو ازواج تھیں:

جنابہ سیدۃ النسا حضرت فاطمہ زہراؓ۔ جنابہ اُم البنین بنتِ حزام بن خالد۔ جنابہ لیلیٰ بنت مسعود۔ جنابہ اسمار بنتِ عمیس، جنابہ امامہ بنت ابوالعاص جنابہ خولہ بنت جعفر جنابہ اُمِ سعید بنت عروہ، جنابہ اُمِ حبیبہ بنتِ ربیعہ۔ جنابہ مسماۃ بنت امراء القیس۔

آپ کے اُٹھارہ صاحبزادے اور اٹھارہ صاحبزادیاں ہیں۔ صاحبزادگان کے نام یہ ہیں: سیدنا امیرالمومنین امام حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا امام حسینؓ شہید کربلا۔ سیدنا عمر، سیدنا عباس، سیدنا جعفر، سیدنا عبیدُاللہ، سیدنا عثمان، سیدنا عبداللہ سیدنا ابوبکر، سیدنا عون۔ سیدنا یحییٰ۔ سیدنا محمد۔ سیدنا اوسط۔ سیدنا محمد حنفیہ۔ سیدنا محمد اکبر، سیدنا عمر اطرف۔ سیدنا محسن۔ سیدنا عمران (رضی اللہ عنہم)

عظیم شخصیت

سیدنا علی المرتضیٰ بلاشبہ تاریخِ اسلام کے عظیم محسن ہیں۔ آپ کی پُوری زندگی عشقِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہے۔ آپ نے اس وقت اسلام قبول کیا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چاروں طرف سے خطرات کی زد میں تھے۔ آپ نے ہر موقع پر حضورؐ پر جان نثار کرنے کی کوشش کی اور حضورؐ کے پیغام کو عام کرنے کے لیے کبھی بھی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ ہجرت کی رات حضورؐ کے بستر پر سونے سے لے کر غزوات میں شمولیت تک آپ نے ہر موقع پر بے جگری اور غیر معمولی شجاعت

Marfat.com

اور فدا کاری کا مظاہرہ کیا۔ اسی بناء پر تاریخ کے صفحات میں شیرِ خدا کے نام سے جگہ پائی۔

ایک طرف آپ کی شجاعت ضرب المثل تھی تو دُوسری طرف آپ کا فقر انتہا کو پہنچا ہُوا تھا۔ آپ کو سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے شادی پر جو جہیز ملا تھا عُمر بھر اس میں اضافہ نہ کر سکے۔ امیر المومنین ہو کر بھی سادگی، فقر و غنا اور توکّل کو اس حد تک اپنا شعارِ حیات بنائے رکھّا کہ کوئی بھی انہیں دیکھ کر ان کے لباس سے تمیز نہیں کر سکتا تھا کہ یہ خلیفۃ المسلمین ہیں۔

مسلمِ اوّل شہِ مرداں علیؓ
عشق را سرمایۂ ایماں علیؓ

اس قدر دلیری و شجاعت کے باوجود خدا نے آپ کو اپنے جذبات اور غصے پر قابُو کی قوّت بھی عطا کی تھی۔ کیونکہ صحیح معنوں میں طاقتور وہی ہوتا ہے جو اپنے نفس کو پچھاڑ کر رکھّے۔ ایک مرتبہ آپ کی ایک کافر سے جنگ ہُوئی۔ دیر تک مقابلہ آرائی کے بعد آپ نے اس کافر کو زیر کر لیا، اور تلوار کھینچ کر چاہا کہ اس کی گردن اُڑا دوں اُسی لمحے کافر نے آپ کے چہرے پر تھوک دیا۔ ایک لحظہ کے لیے آپ کا چہرہ شدّتِ غیظ سے متغیّر ہُوا مگر پھر فوراً کافر کے سینے سے اُتر آئے اور مقابلے سے دستبردار ہو گئے۔ حضرت علیؓ کی طرف سے اس بے موقع معافی پر وہ کافر سخت حیران ہُوا اور پُوچھنے لگا کہ آپ نے مجھ پر قابُو پا لیا اور پھر معاف بھی کر دیا اس کی کیا وجہ ہے؟

حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا کہ پہلے مَیں خدا کے لیے جنگ کر رہا تھا اور تمہیں قتل کرنا چاہتا تھا، مگر تمہارے تھُوکنے کے بعد اگر مَیں تمہیں قتل کر دیتا، تو میری یہ جنگ خدا کے لیے نہیں بلکہ ذاتی انا اور انتقام کی لڑائی سمجھی جاتی۔ مَیں اللہ کا بندہ ہوں، اس کے لیے تلوار چلاتا ہُوں، مَیں اپنے نفس کا غلام نہیں ہوں۔"

Marfat.com

گفت من تیغ از پئے حق مے زنم
بندۂ حقم نہ مامورِ تنم

بلا شُبہ آپ شیرِ خُدا تھے اور شیرِ خُدا وہی ہوتا ہے جس کی زندگی اور موت خُدا کے لیے ہو۔ بلا شبہ سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے قبولیتِ سلام سے شہادت تک ناموسِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم فدائی کی حیثیت سے زندگی گزار کر ثابت کر دیا کہ آپ خدا اور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا کیے گئے تمام اعزازات کے مستحق تھے۔

میسّر نہ شُد ہر کسے ایں سعادت
بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

اور فدا کاری کا مظاہرہ کیا۔ اسی بنا پر تاریخ کے صفحات میں شیرِ خدا کے نام سے جگہ پائی۔

ایک طرف آپ کی شجاعت ضرب المثل تھی تو دُوسری طرف آپ کا فقر انتہا کو پہنچا ہُوا تھا۔ آپ کو سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے شادی پر جو جہیز ملا تھا عُمر بھر اس میں اضافہ نہ کر سکے۔ امیر المومنین ہو کر بھی سادگی، فقر و غنا اور توکّل کو اس حد تک اپنا شعارِ حیات بنائے رکھّا کہ کوئی بھی انہیں دیکھ کر ان کے لباس سے تمیز نہیں کر سکتا تھا کہ یہ خلیفۃ المسلمین ہیں۔

مسلمِ اوّل شہِ مرداں علیؓ
عشق را سرمایۂ ایماں علیؓ

اس قدر دلیری و شجاعت کے باوجود خدا نے آپ کو اپنے جذبات اور غصّے پر قابُو کی قوّت بھی عطا کی تھی۔ کیونکہ صحیح معنوں میں طاقتور وہی ہوتا ہے جو اپنے نفس کو پچھاڑ کر رکھّے۔ ایک مرتبہ آپ کی ایک کافر سے جنگ ہُوئی۔ دیر تک مقابلہ آرائی کے بعد آپ نے اس کافر کو زیر کر لیا، اور تلوار کھینچ کر چاہا کہ اس کی گردن اُڑا دوں اُسی لمحے کافر نے آپ کے چہرے پر تھوک دیا۔ ایک لحظہ کے لیے آپ کا چہرہ شدّتِ غیظ سے متغیّر ہُوا مگر پھر فوراً کافر کے سینے سے اُتر آئے اور مقابلے سے دستبردار ہو گئے۔ حضرت علیؓ کی طرف سے اس بے موقع معافی پر وہ کافر سخت حیران ہُوا اور پُوچھنے لگا کہ آپ نے مجھ پر قابُو پا لیا اور پھر معاف بھی کر دیا اس کی کیا وجہ ہے؟

حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا کہ پہلے مَیں خدا کے لیے جنگ کر رہا تھا اور تمہیں قتل کرنا چاہتا تھا، مگر تمہارے تھُوکنے کے بعد اگر مَیں تمہیں قتل کر دیتا، تو میری یہ جنگ خدا کے لیے نہیں بلکہ ذاتی انا اور انتقام کی لڑائی سمجھی جاتی۔ مَیں اللہ کا بندہ ہوں، اس کے لیے تلوار چلاتا ہُوں، مَیں اپنے نفس کا غلام نہیں ہوں۔"

Marfat.com

؎ گفت من تیغ از پئے حق مے زنم
بندۂ حقّم نہ مامورِ تنم

بلا شبہ آپ شیرِ خُدا تھے اور شیرِ خُدا وہی ہوتا ہے جس کی زندگی اور موت خُدا کے لیے ہو۔ بلا شبہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے قبولیتِ اسلام سے شہادت تک ناموسِ مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عظیم فدائی کی حیثیت سے زندگی گزار کر ثابت کر دیا کہ آپ خدا اور محبوبِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے عطا کیے گئے تمام اعزازات کے مستحق تھے۔

؎ میسّر نہ شُد ہر کسے ایں سعادت
بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

Marfat.com

Marfat.com

شہبازِ لامکانی، محبوبِ سُبحانی، قطبِ ربّانی

غوث الاعظم

سیّدنا عبدُ القادر جیلانی

رحمۃ اللہ عَلَیہ

Marfat.com

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اُونچے اُونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے
اُفقِ نُور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا
تُو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالےٰ تیرا
تاجِ فرقِ عرفا کس کے قدم کو کہیے
سر جسے باج دیں، وہ پاؤں ہے کس کا تیرا

(امام احمد رضا خاںؒ)

Marfat.com

○

عین اس وقت جب گمراہی و ضلالت اور فسق و فجور کی تاریکیاں کائناتِ انسانی کا مقدّر بننے لگتی ہیں، قُدرت کی فیاضی کسی ایسے دانائے روزگار کو رشد و ہدایت کا فریضہ سونپتی ہے جو اپنی سیرت و کردار کی شمعِ لازوال کی روشنی سے ظلمت زدہ ماحول کو منوّر کر دیتا ہے۔ اس یگانۂ عالم شخصیت کی زندگی عظمتِ قرآن کا پَرتو اور اس کی سیرت کا ہر نقش تعلیماتِ مصطفویؐ کی ضَو لیے ہُوئے ہوتا ہے۔ پیران پیر غوث الاعظم حضرت الشیخ سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے ہی صاحبِ اسرارِ حق تھے جنھوں نے اپنے کردار کی ضَو باریوں اور اپنے مواعظِ حسنہ کی نُور افشانیوں کی بدولت عرصۂ کائنات کو شریعت و روحانیت کے غیر فانی تابندہ نقوش بخش دیے۔ آپ نے عباسی ملوکیّت کے سائے میں کملائے ہُوئے نخلِ اسلام کو پھر سے تر و تازہ کر دیا۔ آپ کی باطل شکن للکار نے وقت کی سب سے بڑی استبدادی قوت کو یُوں لرزہ براندام کر دیا کہ شاہانِ کجکلاہ اپنی خلافت کو عامۃ المسلمین کی بخشی ہُوئی امانت سمجھنے لگے۔

آپ ایسے پیرانِ پیر تھے کہ تمام رُوحانی سلاسل آپ کی عظمت و بزرگی کے قائل ہیں، آپ وہ رہنمائے کامل دستگیر تھے کہ جس نے ملّتِ اسلامیہ کے نفسِ مردہ کی مسیحائی کا فریضہ انجام دیا۔ آپ غوث الاعظم تھے کہ بیشمار بندگانِ حق آپ کے فیوض و برکات کی بدولت جادۂ ہدایت پر گامزن ہو گئے۔ آپ محبوبِ سبحانی تھے کہ آپ کے محاسن و مناقب بیان کرنے لگیں تو قلم دریائے حیرت میں ڈوب ڈوب جائے۔ آپ قطبِ ربّانی

Marfat.com

تھے کہ جب آپ نے خود کو مامور من اللہ سمجھتے ہوئے اصلاحِ اُمتِ مسلمہ کا فریضہ انجام دینا شروع کیا تو عامۃ الناس تو ایک طرف با جبروت خلیفۃ المسلمین آپ کی باز پرس کے احساس سے لرز لرز اُٹھتا تھا کہ ؎

نہ تاج و تخت میں نَے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

آپ کا اسمِ گرامی عبدالقادر اور کُنیت ابُو محمد ہے۔ آپ کے القاب و اوصاف بےشمار ہیں۔ دُنیا آپ کو حضرت شیخ المشائخ، قطب الاقطاب، غوث الاعظم، امام الاولیاء، محی الملّت والدّین کے القاب سے یاد کرتی ہے۔ آپ ۴۷۰ یا ۴۷۱ ہجری میں بلادِ عجم کے ایک چھوٹے سے گاؤں نیف میں پیدا ہوئے، جو گیلان کے متعلقات سے ہے۔ اہلِ عرب گاف کو جیم سے بدل لیتے ہیں، اس لیے گیلان کو جیلان کہتے ہیں، اسی لیے آپ جیلانی مشہور ہوئے۔ بعض اصحاب نے جیلانی کہلانے کی اور وجوہات بھی بیان کی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت سید ابو صالح موسیٰ جنگی دوست انتہائی متقی و پرہیزگار اور صاحبِ ایمان شخصیت تھے جب کہ آپ کی والدہ محترمہ اُم الخیر فاطمہؒ نہایت صالحہ اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ والد محترم کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسنؓ اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حضرت امام حسینؓ سے جا ملتا ہے۔ اس طور پر صحیح النسب حسنی حسینی سید ہیں۔ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ حضرت اُم الخیر فاطمہؒ کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ آپ نے ابھی زندگی کی چند منزلیں ہی طے کی ہوں گی کہ آپ کے والد محترم حضرت سید ابو صالحؒ جنگی دوست کا انتقال ہو گیا۔ اور اس صالح یتیم فرزند کی تربیت کا تمام بوجھ آپ کی والدہ کے کندھوں پر آ پڑا۔ آپ کے نانا حضرت سید عبداللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ پر غایت درجہ شفقت فرماتے ہوئے آپ کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں آپ کی والدہ کی رہنمائی فرماتے رہے۔ جب آپ کی عمر دس سال کی ہوئی تو آپ شہر کے مکتب کے اندر

Marfat.com

پڑھنے جایا کرتے تھے ۔ بہجۃ الاسرار کے مطابق جب آپ سے دریافت فرمایا کہ آپ کو اپنے ولی ہونے کا علم کب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جب میں دس سال کا تھا اور اپنے شہر کے مکتب میں پڑھنے جایا کرتا تھا۔ راستہ میں ملائکہ میرے پیچھے پیچھے چلتے دکھائی دیتے تھے۔ جب میں مدرسے پہنچتا تو ان کو بار بار یہ کہتے سنتا کہ اللہ کے ولی کو بیٹھنے کے لیے جگہ دو، اللہ کے ولی کو بیٹھنے کے لیے جگہ دو۔

جب آپ کی عمر اٹھارہ سال کی ہوئی تو ایک دفعہ عرفہ کے دن اپنے شہر سے باہر نکلے۔ اتفاقاً راستہ میں کسی زمیندار کا بیل چلا جاتا تھا۔ اچانک بیل نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا : مَا لِھٰذَا خُلِقْتَ وَلَا بِھٰذَا اُمِرْتَ ۔ (اے عبدالقادر تو اس واسطے پیدا نہیں کیا گیا اور نہ ہی تجھے اس کا حکم دیا گیا ہے)۔ یہ سُن کر آپ کے سینے میں محبت الٰہی اور ذوق و شوق کا بحرِ بیکراں ٹھاٹھیں مارنے لگا اور گھر آکر اپنی والدہ محترمہ کو تمام ماجرا سنا کر تحصیلِ علوم شریعت و طریقت کی خاطر بغداد جانے کا عزم ظاہر کیا۔ والدہ محترمہ نے اجازت عطا فرماکر چالیس دینار آپ کی گدڑی میں سی دیئے اور دُعا فرماتے ہوئے ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین فرمائی۔ والدہ کی یہ تلقین اس وقت بھی آپ کے پیشِ نظر تھی جب ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے راستہ میں حملہ کرکے تمام مسافروں کا مال و اسباب چھیننا شروع کر دیا۔ بالآخر آپ کی یہی صداقت شعاری قزاقوں کے اس گروہ کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کا باعث بنی۔ اللہ کا یہ ولی جدھر رُخ کر رہا تھا رشد و ہدایت کے جواہر بے بہا لٹاتا جا رہا تھا۔

جب آپ ۴۸۸ھ میں مرکزِ علم و فنون اور گہوارۂ تہذیبِ اسلامی بغداد پہنچے، تو سب سے پہلے حضرت شیخ حمّاد بن مسلم دباس کی خدمت میں حاضر ہوئے، جو اپنے وقت کے عظیم شیخ الفقہ تھے۔ انہوں نے اس شہبازِ طریقت کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ علومِ دینیہ اور علومِ متداولہ کی تحصیل کے لیے حضرت قاضی ابوسعید المبارک المخزومی جیسے شیخِ کبیر اور حضرت ابوزکریا تبریزی جیسے عالمِ یگانہ سے اکتسابِ فیض کرنے کے ساتھ ساتھ متعدد دوسرے

Marfat.com

عُلما، فقہا کے فقہی کمالات سے بھی ایک عرصہ تک خوشہ چینی کی۔ ان میں سے ابوالغنائم محمد بن علی میمون الخراسی، ابوالبرکات طلحہ العاقولی، ابوعثمان اسمٰعیل بن محمد الاصبہانی، ابوطاہر محمد عبدالرحمٰن بن احمد، ابوالمنصور عبدالرحمٰن، ابوالنصر محمد بن المختار ہاشمی، شیخ ابوالخطاب محفوظ الکلوذانی، ابوالوفا علی بن عقیل حنبلی، ابوالحسن محمد بن قاضی، محمد بن الحسین الفاری السراج جیسے نامور محدثین اور فقہا خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ حدیث شریف پر آپ کی ژرف نگاہی اور دقتِ نظر کا یہ عالم تھا کہ آپ کے اساتذہ کرام آپ کو سند دیتے وقت فرمایا کرتے تھے:

"اے عبدالقادر! ہم تم کو الفاظِ حدیث کی سند دے رہے ہیں، ورنہ حدیث کے معانی میں تو ہم تم سے استفادہ کرتے ہیں کیونکہ بعض احادیث کے مطالب جو تم نے بیان کیے ہیں ان تک ہماری فہم کی رسائی نہیں۔"

درس و تدریس سے فراغت ہوئی تو محبتِ خداوندی اور معرفتِ ربّانی کے اسرار کو سمجھنے کے لیے سرگرداں رہنے لگے۔ عراق کے ویرانوں، جنگلوں کی طرف نکل جاتے اور کئی کئی روز واپس نہ آتے۔ تلاشِ حق کا جذبہ راسخ تھا۔ قدرت آپ کو ایک بڑے مقصد کی تکمیل کے لیے تیار کر رہی تھی۔ اپنے استادِ محترم قاضی ابوسعیدؒ المبارک المخزومی کے حکم پر ان کے مدرسہ باب الازج میں فرائضِ تدریس انجام دینے لگے، دُور دُور سے طالبانِ علم آپ کی شوکتِ علمی کا شہرہ سن کر حاضری دینے لگے۔ طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر مدرسہ کی عمارت ناکافی محسوس ہونے لگی۔ بغداد کے اربابِ خیر مدرسہ کی عمارت کی توسیع کی خاطر زرِکثیر صرف کرنے لگے۔ بالآخر یہ مدرسہ ۵۲۸ھ میں ایک عظیم الشان اسلامی درسگاہ کی شکل اختیار کر گیا۔ اب یہ درسگاہ مدرسہ قادریہ کے نام سے چاروں طرف مشہور ہو چکی تھی۔ عام طالبانِ علم ہی آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضری نہ دیتے تھے بلکہ نامور علمائے کرام اور مشائخ بھی اس سلسلہ میں آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا سعادت خیال کرتے تھے۔ آپ کے جذبات میں عشقِ خداوندی کی طلبِ صادق جلوہ فگن تھی۔ طریقت کی وادیوں کی طرف رجوع کیا تو

Marfat.com

مجاہدہ اور ریاضت کی طرف رغبت پیدا ہونے لگی۔ علم طریقت و معرفت کے سلسلہ میں آپ نے حضرت ابوالخیر حماد بن مسلم دباس رحمۃ اللہ علیہ کی نگہِ فیض رساں کے انعاماتِ باطنی سے فیوض حاصل کیے جو کہ بغداد کے عظیم المرتبت مشائخ میں سے تھے۔ روحانی اور باطنی کمالات کے حصول کے لیے آپ نے قریباً پچیس برس ایمان افروز مجاہدوں اور ریاضتوں میں صرف کیے۔ جب آپ نے عبادات، ریاضات اور مجاہداتِ شاقہ کے بعد پُورا پُورا تزکیۂ نفس حاصل کر لیا تو حضرت شیخ ابوسعید مبارک المخزومی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ شیخ ابوسعید نے آپ کو اپنے حلقۂ بیعت میں لیتے ہُوئے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا۔ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لقمہ اُن کے ہاتھ سے میرے شکم میں جاتا تھا وہ میرے باطن میں ایک نُور بھر دیتا۔ آہستہ آہستہ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی شخصیت علومِ معرفت کے مہرِ عالمتاب میں ڈھلتی گئی۔

آپ رُوحانی سربلندیوں پر فائز ہُوئے تو تقاضائے قدرت کی تعمیل میں وہ وقت آ پہنچا کہ ایک زمانہ آپ کے انوار و تجلّیاتِ معرفت سے مستنیر ہو۔ اس وقت خلافتِ عباسیہ کا آفتابِ اقتدار نصف النہار پر تھا۔ ملوکیت کے سائے انوارِ شریعت کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔ بغداد میں خلیفہ مستنصر باللہ سریر آرائے سلطنت تھا۔ بغداد جو کہ عروس البلاد بھی تھا اور عظیم الشان مسلم سلطنت کا دارالخلافہ بھی، اب تاجدارِ اقلیمِ ولایت حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فکری و رُوحانی سرگرمیوں کا مرکزِ لازوال بننے والا تھا۔ اس دور کے امرا حکومت کے نشے میں بدمست اور رعایا کے حقوق سے غافل تھے۔ علماء اپنے فریضۂ ایمانی سے بے بہرہ ہو کر آپس میں اُلجھ رہے تھے۔ جاہل صوفیوں نے طریقت کو شریعت سے علیحدہ اور آزاد ٹھہرا رکھا تھا۔ اسلام جو کہ عالمِ انسانیت کا چارہ ساز تھا ارباب اقتدار کے فیصلوں کا پابند بنا دیا گیا تھا۔ یہ تھے وہ حالات جن کا مشاہدہ فرماتے ہُوئے حضور غوث الاعظمؒ نے درس و تدریس کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ ساتھ وعظ و نصیحت،

Marfat.com

اشاعتِ اسلام، اصلاحِ خلقِ خدا، تجدیدِ دین اور اعلائے کلمۃ الحق کا بیڑا اٹھایا۔ رشد و ہدایت کے سلسلہ کو دراز کرنے میں آپ کی زبان حارج تھی۔ بغداد عربی ادب کا گہوارہ اور فصحائے عرب کا مرکز تھا جب کہ حضور پیرانِ پیر کی مادری زبان فارسی تھی۔ تمام تر علمی و فقہی اور روحانی و نظری کمالات و فضائل کے باوجود آپ جھجک کا شکار تھے۔

ایک رات آپ خواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضور نبی کریمؐ نے آپ کو وعظ و نصیحت کی تلقین فرمائی تو انہوں نے اپنے عجمی نژاد ہونے اور عربی دانی کی مہارت نہ رکھنے پر معذوری کا اظہار کیا جس پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے سات مرتبہ کچھ پڑھ کر ان کے منہ پر دم کیا اور لعابِ دہن ان کے منہ میں ڈالا پھر وعظ کا حکم دیا۔ بس پھر کیا تھا، درِ علم و حکمت وا ہو گیا۔ رشد و ہدایت کا سرچشمہ سرمدی پھوٹ پڑا۔ آپ اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"دوسرے روز میں بعد نمازِ ظہر وعظ کہنے کے ارادے سے منبر پر بیٹھا اور سوچتا رہا کہ کیا کہوں۔ میرے ارد گرد خلقت کا ہجوم تھا اور ہر ایک میرا وعظ سننے کا مشتاق تھا۔ ہر چند کہ میرے سینے میں دریائے علم موجزن تھا مگر زبان نہیں کھلتی تھی کہ اس وقت میرے جدِّ امجد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تشریف لائے اور چھ مرتبہ کچھ پڑھ کر میرے منہ پر دم کیا اور اپنا لعابِ دہن میرے منہ میں ڈالا۔ میری زبان فوراً کھل گئی اور میں نے وعظ شروع کر دیا۔ اب میری طاقتِ لسانی کی سارے بغداد میں دھوم مچ گئی۔ خود میرے دل میں جوشِ سخن کا یہ عالم تھا کہ اگر کچھ عرصہ خاموش رہتا اور وعظ نہ کہتا تو میرا دم گھٹنے لگتا تھا۔ اوّل اوّل میری محفلِ تذکیر میں تھوڑے لوگ ہوا کرتے تھے، مگر آخر میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہجوم کی گنجائش مسجد میں ناممکن ہو گئی۔ بالآخر عید گاہ میں منبر رکھا گیا اور میں نے وہاں وعظ کہنا شروع کیا۔"

Marfat.com

آپ نے ۵۲۱ھ میں پہلی تقریر فرمائی - ابتداء میں تعداد کم تھی، لیکن آپ کی پہلی تقریر نے بغداد میں تہلکہ مچادیا۔ تشنگانِ شوق کا دریا اُمڈ آیا - بغدادیوں نے آپ کی خطابت و موعظت سے متاثر ہو کر بغداد کے باہر ایک طویل و عریض رباط تعمیر کرائی اور یہ سلسلہ اس قدر وسیع ہوتا چلا گیا کہ مدرسہ باب الازج کی تعمیرات اس رباط کی تعمیرات سے متصل و ملحق ہو کر ایک عالیشان زاویہ یا خانقاہ کی شکل میں نظر آنے لگیں - آپ یہاں جمعہ، اتوار اور دوشنبہ کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ بعض اوقات ستر ہزار سے زائد طالبان راہ حق آپ کے وعظ میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ سوار اتنے آتے تھے کہ ان کی گرد سے عیدگاہ کے گرد ایک حلقہ بن جاتا تھا اور دور سے تودہ نظر آتا تھا۔ حضور غوث الاعظمؓ کے پُر تاثیر مواعظ حسنہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ "اخبار الاخیار" میں رقمطراز ہیں:

"حضرت کے کلام معجز بیان میں وہ تاثیر تھی کہ جب آپ آیات وعید کے معانی ارشاد فرماتے تھے تو تمام لوگ لرز جاتے تھے، چہروں کا رنگ فق ہو جاتا تھا۔ گریہ و زاری کا یہ عالم ہوتا تھا کہ اہلِ محفل پر بے ہوشی طاری ہو جاتی۔ جب آپ رحمتِ الٰہی کی تشریح و توضیح اور اس کے مطالب بیان فرمانے لگتے تو لوگوں کے دل غنچوں کی طرح کھل جاتے تھے۔ اکثر حاضرین تو بادۂ ذوق و شوق سے اس طرح مست و بے خود ہو جاتے تھے کہ بعد ختم محفل ان کو ہوش آتا تھا اور بعض تو محفل ہی میں جاں بحق تسلیم ہو جاتے۔"

علمائے یگانہ اور مشائخ عصر بھی کثیر تعداد میں حاضر ہوتے۔ آپ کی محفل میں چار سو افراد قلم دوات لے کر بیٹھتے تھے اور جو کچھ آپ فرماتے اسے جواہر بے بہا کی صورت دامانِ قرطاس پر سمیٹ لیتے۔ آپ کے مواعظ کی تاثیر سے گمراہوں کو منزلِ مقصود کا نشان میسر آتا۔ تاریک دلوں کو ایمان کی روشنی عطا ہوتی۔ فاسق و فاجر حق آشنا بن جاتے۔ ہر مجلس میں ایک بڑی تعداد میں یہود و نصاریٰ دولتِ اسلام سے بہرہ یاب ہوتے۔ عامۃ الناس کے علاوہ بادشا

Marfat.com

وزرائے سلطنت اور امرائے دربار بھی آپ کی مجالس میں نیازمندانہ طریق سے حاضر ہوتے۔ آپ کی مجلسِ وعظ میں رجال الغیب، ملائکہ اور جنات بھی بکثرت آیا کرتے تھے۔ آپ کا ہر وعظ ربانی فتوحات، یزدانی الہامات اور سبحانی ارشادات و ہدایات کا بحرِ ذخار تھا۔ حکیمانہ انداز کی جھلک بھی تھی اور روحانی جلال کی چمک بھی۔ یہ آپ کی کرامت تھی کہ آپ کی مجلس میں دُور و نزدیک بیٹھنے والے یکساں آپ کی آواز سنتے تھے۔ آپ اہلِ مجلس کے خطراتِ قلبی کے موافق کلام فرماتے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق آپ کے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زیادہ یہود و نصاریٰ نے اسلام قبول کیا اور لاکھوں کی تعداد میں فساق و فجار تائب ہوئے۔

آپ نے مذہبِ اسلام کو اس طور نئی زندگی دی کہ اسلام پھر سے اپنی حقیقی عملی تعبیر و توضیح کے ساتھ عوام النّاس کی زندگی میں جاری و ساری ہوگیا۔ آپ نے علماءِ سُو کو ان کی فرض ناشناسی پر ٹوکا، جاہل صوفیوں کو عظمتِ تصوّف سے آشنا کیا، دُنیا داروں کو روزِ قیامت کی سختیوں کا احساس دلایا۔ عمّالِ حکومت کو ان کی بدعنوانیوں پر سخت ملامت کی۔ حتیٰ کہ خلیفۂ وقت بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ اسے بھی ڈانٹ دیتے۔ ایک مرتبہ خلیفہ المستنجد باللہ نے دُعائے خیر کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر دس توڑے اشرفیوں کے نذر کیے آپ کے انکار پر جب خلیفہ نے قبول فرمانے پر اصرار کیا تو آپ نے دونوں ہاتھوں میں چند اشرفیوں کو لے کر رگڑا تو اُن سے خُون بہنے لگا۔ آپ نے خلیفہ سے فرمایا:

"تمہیں اللہ سے شرم آنی چاہیئے کہ انسانوں کا خون کھاتے ہو اور اسے جمع کرکے میرے پاس لاتے ہو۔"

خلیفہ ان تھیلیوں سے بہتا ہُوا خُون دیکھ کر بے ہوش ہوگیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ خلیفہ مقتفی لامراللہ نے ایک ظالم اور خُدا ناترس شخص کو بغداد کا قاضی مقرر کیا جس پر بغداد کے لوگ فرطِ غم سے نڈھال ہوگئے۔ آپ نے برسرِ منبر خلیفہ کو اس طرح پھٹکارا:

"تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حکمران بنایا ہے جو اظلم الظالمین ہے

Marfat.com

کل قیامت کے دن اس رب العالمین کو جو ارحم الراحمین ہے کیا منہ دکھاؤ گے۔"

خلیفۂ وقت اور وزراء، امراء آپ کے دربار میں حاضری دینا باعثِ اعزاز سمجھتے تھے۔ جب وہ آتے تو آپ اُٹھ کر گھر میں چلے جاتے۔ جب وہ پیچھے آتے تو آپ دولت خانہ سے نکلتے تاکہ اُن کے لیے اُٹھنا نہ پڑے۔ آپ انہیں نصیحت کرتے ہُوئے لہجہ سخت کر لیتے۔ جب آپ خلیفۂ وقت کو لکھتے تو یُوں تحریر فرماتے:

"عبدالقادر تجھے یُوں حکم دیتا ہے اور اس کا حکم نافذ ہے۔ اس کی طاعت تجھ پر واجب ہے۔ وہ تیرا پیشوا اور تجھ پر حجّت ہے۔"

جب خلیفۂ وقت کو آپ کے خط مبارک کے مضمون سے آگاہی ہوتی تو اسے بوسہ دیتا اور کہتا کہ سیدنا شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہِ جیلانی جلالتِ رُوحانی کے کس مقام پر فائز تھے۔

شاہِ شاہاں شیخ عبدالقادر است
دل نشین و دلربا و دلبر است

خدائے کریم نے آپ سے اصلاحِ احوالِ عالم کا وہ فریضۂ عظیم انجام دلوانا تھا جو انبیائے کرام کا خاصہ ہے۔ آپ نے شعائرِ اسلامی کو جس طور نئی زندگی بخشی اور اسلام کی ابدی تعلیمات کو جس شاندار طریقے سے اسلامیانِ عرب و عجم کے دلوں میں راسخ کیا، اس کی بنا پر آپ کو محی الدین والملّت کے مقدس خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس خطاب کی وجہ تسمیہ یُوں ہے کہ ۵۱۱ھ میں آپ بغداد کی طرف آرہے تھے کہ ایک بیمار اور نحیف البدن شخص نے راستے میں آپ کا نام لے کر سلام کیا اور قریب آنے کو کہا۔ جب آپ قریب پہنچے تو اس نے آپ سے سہارا دینے کی استدعا کی۔ آپ نے سہارا دیا تو دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم صحت مند ہونے لگا۔ اور رنگ وصُورت میں تازگی نمایاں ہونے لگی۔ آپ کے استعجاب پر اس نے کہا کہ مَیں دینِ اسلام ہُوں۔ مَیں

Marfat.com

قریب المرگ ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری بدولت از سرِ نو زندہ کیا۔ شیخ عبد القادرؒ جیلانی اس شخص سے جُدا ہو کر جامع مسجد پہنچے تو ایک شخص نے ملاقات کی اور آپ کے جُوتے پکڑ کر یَا سیّدی محی الدّین کہہ کر پکارا۔ پھر جب یہ نماز پڑھنے لگے تو چاروں طرف سے لوگ آکر ان کے ہاتھ چُومنے لگے۔ ہر شخص کی زبان پر یَا محی الدین کا قدسی زمزمہ گُونج رہا تھا۔

تُو حسینی حسنی کیوں نہ محی الدین ہو
اے خضر مجمع بحرین ہے چشمہ تیرا

پیرانِ پیر سیّدنا عبد القادرؒ جیلانی جس مقامِ غوثیت پر فائز تھے وہ جملہ اولیائے کرام میں سے کسی اور کو نصیب نہیں ہوا، آپ علم و عمل، عشق و سرمستی، سوز و گداز اور روحانی ذوق و شوق کی جن رفعتوں کے ہمراز تھے وہ کسی اور صاحبِ کمال کا مقدر نہ بن سکیں۔ تمام معتبر تذکاریں رقم ہے کہ ایک روز سیّدنا عبد القادرؒ جیلانی بغداد کے محلّہ حلبہ میں جہاں آپ کا مہمان خانہ تھا، مجلس سے خطاب فرما رہے تھے۔ اس مجلس میں پچاس جلیل القدر مشائخ عظام موجود تھے۔ دورانِ وعظ آپ نے فرمایا:

قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ

میرا یہ قدم ہر ایک ولی اللہ کی گردن پر ہے۔

یہ سُن کر حضرت شیخ علیؒ ابن الهیتی اُٹھے اور منبر کے قریب جا کر آپ کا قدم مبارک اپنی گردن پر رکھ لیا۔ بعد ازیں تمام حاضرین نے آگے بڑھ کر اپنی گردنیں جھکا دیں۔ اس دور کے تین سو تیرہ اکابر اولیاء اللہ نے دُنیا کے مختلف مقامات پر حضرت غوث الاعظمؒ کے اس ارشاد کی تعمیل میں اپنی گردنیں خم کر دیں۔ آپ کے اس ارشادِ برحق کے وقت سلطان الہند حضرت خواجہ محمد معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ خراسان کی پہاڑیوں میں مجاہدوں اور ریاضتوں میں مصروف تھے۔ آپ نے غوث پاک علیہ الرحمۃ کا یہ اعلان سنتے

Marfat.com

ہی اپنا سر مبارک زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے زمین پر رکھ دیا کہ "حضور والا گردن پر کیا بلکہ میرے سر پر آپ کا مبارک قدم ہے۔"

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اُونچے اُونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
سر بھلا کوئی کیا جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات بے شمار ہیں۔ ان کا شمار کرنے بیٹھیں تو ایک طویل دفتر درکار ہوگا۔ آپ کے روحانی تصرّفات اور ایمانی کمالات کے ایسے ایسے ایمان افروز واقعات مطالعہ کو ملتے ہیں کہ دیدہ و دل فکر آفریں حیرت میں کھو جاتے ہیں۔ آپ کی ذات مجمع البرکات، صفاتِ جمیلہ اور خصائلِ حمیدہ کی جامع تھی۔ آپ انتہائی غریب نواز، خُدا ترس، سخی، رقیق القلب، وسیع حوصلہ، شیریں زبان، رحمدل، خلیق اور حد درجہ بامروّت اور پابندِ قول و قرار تھے۔ آپ کی خدمت میں ہدیے، نذرانے اور تحائف اس کثرت سے آتے کہ شمار نہیں ہو سکتا تھا مگر آپ سب کچھ خدا کی راہ میں خیرات کر دیتے۔ روزانہ شب کو آپ کا دستر خوان بچھایا جاتا جس پر آپ مہمانوں کے ہمراہ کھانا تناول فرماتے۔ غرباء و مساکین کے ساتھ آپ زیادہ بیٹھا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی تناول فرماتے۔ طلبہ بھی کثیر تعداد میں آپ کے دستر خوان سے ہی کھانا کھاتے۔

آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ نے اسلام کو نئی زندگی عطا کی۔ آپکے ارشادات اور مواعظِ حسنہ روشنی کے مینار تھے جن سے پھوٹنے والی کرنیں آج بھی دلوں کو روحانیت آشنا کر رہی ہیں۔ آپ کے ان مواعظِ حسنہ کے تین مجموعے ہیں یعنی الفتح الربّانی، فتوح الغیب، الغنیۃ لطالب طریق الحق (غنیۃ الطالبین)، ان کتب میں آپ کے ارشاداتِ حکیمانہ کو بقید موضوع ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔ یہ مواعظ

Marfat.com

اپنی افادیت اور اثر آفرینی کی اس منزل پر ہیں کہ آپ کی فضیلت اور فیضانِ معرفت پر دلیلِ قاطع ہیں۔ عرب ہو یا عجم، برِصغیر پاک و ہند ہو یا ممالک شام و عراق تمام دنیا آپ کے کمالاتِ علمی اور فضائلِ باطنی کی معترف ہے۔ آپ جادۂ حق سے بھٹکے ہوئے بے نصیب انسانوں کے لیے صراطِ مستقیم کا عملی پیغامِ سرمدی تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں جس عالمگیر دعوتِ حق کا آغاز کیا تھا وہ آپ کے سلسلہ عالیہ قادریہ کی صورت میں آج بھی پورے روحانی تزک و احتشام کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ یہ وہی دعوتِ حق ہے جس کے لیے آپ فرمایا کرتے تھے:

"اے لوگو! دعوتِ حق قبول کرو۔ بیشک میں داعیٔ الی اللہ ہوں کہ تم کو اللہ کے دروازے اور اس کی طاعت کی طرف بلاتا ہوں۔ اپنے نفس کی طرف نہیں بلاتا کہ منافق ہی اللہ کی طرف مخلوق کو نہیں بلاتا بلکہ اپنے نفس کی طرف بلاتا ہے۔"

اس دور کے علماء اور اصحابِ تصوف آپس میں برسرِ پیکار تھے۔ شریعت اور طریقت کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا گیا تھا، لیکن سیدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بے مثال شخصیت شریعت اور طریقت کے امتزاج کا حسین نمونہ تھی۔ آپ افتاء و درس کی مسند پر فائز تھے۔ وقت کا کوئی قاضی اور مفتی آپ کے علم و عمل پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صاحبانِ طریقت کے لیے آپ کی ذاتِ گرامی سپر بن گئی اور اہلِ شریعت آپ پر اور آپ کے متوسلین پر بدعتی یا غیر شرع ہونے کا الزام نہیں لگا سکتے تھے۔

صوفیاء اور علمائے شریعت دونوں فقہی و روحانی امور میں رہنمائی کے لیے آپ کے محتاج تھے۔ اس یکجہتی کی بدولت اشاعتِ اسلام کی رفتار تیز تر ہو گئی۔ آپ کے دور میں فرقہ معتزلہ اسلام میں مادیت کا نمائندہ تھا۔ وہ عقل کو چراغِ رہگذر

Marfat.com

نہیں بلکہ درونِ خانہ کے ہنگاموں میں دخیل سمجھتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ محبت وذوق کی شمع ٹمٹمانے لگی۔ سیدنا عبد القادرؒ جیلانی کے وجود میں ایک ایسی شخصیت ظہور پذیر ہوگئی کہ محفل اس کا دیکھنا ہر سوال کا جواب اور ہر مشکل کا حل تھا۔ آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے الفاظ شمعِ روشن کی طرح ضوبار ہونے لگتے اور جب آپ خاموش ہوتے تو علم وعرفان کی خوشبو قلوبِ انسانی کو مہکانے لگتی۔ آپ کے وجود سے مادہ پرستی کا خاتمہ ہوگیا۔ اور معتزلہ اس طرح سمٹ گئے کہ ان کا نشان تک باقی نہ رہا۔ جس وقت حضرت شیخ جیلانیؒ محراب ومنبر کی زینت بنے رافضیت عروج پر تھی، آپ کا وجُود محبت الٰہی اور آیت الٰہی ثابت ہوا اور آپ کے فیوض سے سرشار قادری درویشوں نے ہر مقام پر اسماعیلی داعیوں کا تعاقب کیا اور عوام کو معرفتِ الٰہی کے سرد اور میٹھے پانی کے چشموں سے سیراب کرا کے فریب ومکر اور ضلالت وگمراہی کے سراب سے محفوظ کردیا۔

حضرت سیدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کا بدن لاغر تھا۔ قد درمیانہ تھا۔ آپ کا سینہ کشادہ تھا۔ ریش مقدس طویل وعریض گھنی اور خوشنما تھی، آواز بلند، دلنشین اور گفتار خوش تر تھی۔ رنگ گندمی تھا۔ ابرو باریک اور باہم پیوستہ تھے۔ آپ کا علم کامل تھا۔ اخلاق بلند تر تھا۔ مزاج میں تواضع تھی۔ شخصیت جلال وجمال کا مرقع تھی۔ آپ بہت خلوت پسند تھے راست گوئی آپ کا شیوہ تھا۔ قرآنِ حکیم کی طرح احادیثِ نبویؐ کے بھی حافظ تھے جب آپ وعظ کے لیے منبر پر تشریف فرما ہوتے تو کوئی بھی ادب کے باعث نہ کھنکھارتا تھا نہ کھانستا تھا۔ آپ نے ۵۲۸ھ سے ۵۶۱ھ تک قریباً تینتیس سال درس وتدریس اور فتاویٰ نویسی کے فرائض انجام دیے۔ علمائے عراق اور دوسرے علاقوں کے علما، آپ کی خدمت میں اپنے سوالات بغرضِ جواب ارسال فرماتے اور جب آپکے فتاویٰ ان تک پہنچتے تو انہیں آپ کی علمی قابلیت پر سخت تعجب ہوتا تھا اور وہ یہ پکار اُٹھتے تھے کہ وہ ذات پاک ہے جس نے ان کو ایسی علمیت سے نوازا ہے۔ آپ نے ۵۲ سال کی عمر تک متاہل

Marfat.com

زندگی اختیار نہ کی۔ اس کے بعد سُنتِ نبوی کے خیال سے آپ نے مختلف زمانوں میں چار شادیاں کیں اور ان چاروں سے آپ کی اولاد کثرت سے تھی، ان میں سے مندرجہ ذیل صاحبزادگان زیادہ مشہور ہوئے۔ سیدنا شیخ عبدالوہاب، سیدنا شیخ عیسٰی، سیدنا شیخ عبدالعزیز، سیدنا شیخ عبدالجبار، سیدنا شیخ محمد، سیدنا شیخ عبدُاللہ، سیدنا شیخ یحییٰ۔ سیدنا شیخ موسیٰ، سیدنا شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کی شاعری ذاتی تشہیر یا فنّی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے نہیں ہوتی بلکہ وہ اسے اپنے سوز و سازِ قلبی اور وارداتِ رُوحانی کی نمود کا ذریعہ بناتے ہیں۔ غوث الاعظم علیہ الرحمۃ کے کلام میں خوبصورت شاعری کے نہایت خوبصورت نمونے ملتے ہیں۔ آپ کی تمام تر شاعری چند حمدیہ قصیدوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے قصیدہ غوثیہ آپ کی رُوحانی قدر و منزلت اور آپ کے منصبِ جلیل کا ترجمان ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ اس قصیدے کے بارے میں کہتے ہیں :

"قصیدہ غوثیہ بھی اسی مقامِ قرب کے ایک خوددار اور سُکر یافتہ کی آواز ہے جس کو سیدنا غوثِ اعظم کے باطنی حال کی اجتماعی تفسیر سمجھنا چاہیے۔"

قصیدہ غوثیہ کے بارے میں مولانا روم کی رائے مبنی برحقیقت ہے۔ نگاہِ ظاہر بین اس قصیدہ کی روح میں جھانک کر حضور غوثِ اعظمؒ کی عظمتوں کا ادراک نہیں کر سکتی۔ ایک فارسی دیوان بھی آپ سے منسوب ہے۔ آپ کی دیگر تصنیفات میں مندرجہ ذیل خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں : الغنیۃ الطالب طریق الحق (المعروف غنیۃ الطالبین)۔ فتوح الغیب الفتح الربانی۔ حزب نشاء الخیرات۔ الیواقیت الحکم۔ الفیوضات الربانیہ المواہب الرحمانیہ والفتوحات الرحمانیہ۔ جلاء الخاطر فی الباطن والظاہر۔ سر الاسرار۔ ردّ الرافضہ وغیرہ

حضور سیدنا غوث الاعظمؒ کے فیوض و برکات فقط سلسلہ عالیہ قادریہ ہی کی بدولت تقسیم

Marfat.com

نہیں ہو رہے بلکہ جملہ روحانی سلاسل آپ کی شوکتِ روحانی کے سامنے جبین نیاز خم کرتے ہوئے آپ کی غوثیتِ عظمٰی سے مستفیض ہو رہے ہیں۔ شہنشاہِ نقشبندیت حضرت بہاءُالدین محمد نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت اور بلند روحانی مقام کی خبر آپ کی پیدائش سے قریباً ڈیڑھ سال پہلے سیدنا غوثِ الاعظمؓ نے یہ کہہ کر دی تھی کہ بخارا شریف میں پیدا ہونے والا یہ مردِ کامل میری خاص نعمت سے فیضیاب ہوگا، اور واقعی جس طرح غوث الاعظمؓ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔ اِسی لیے تو شاہِ نقشبندؒ عقیدت نگار ہیں کہ ؎

بادشاہِ ہر دو عالم شاہِ عبدالقادر است
سرورِ اولادِ آدم شاہِ عبدالقادر است
آفتاب و ماہتاب و عرش و کرسی و قلم
نورِ قلب از نورِ اعظم شاہِ عبدالقادر است

امامِ ربّانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات شریف میں سیّدنا غوث الاعظمؒ کی روحانی بلند مرتبتی کا تذکرہ کرتے ہوئے طریقت و روحانیت کا پیشوا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد حضرت علیؓ کو قرار دیتے ہیں۔ ان کے فرمان کے موجب یہ روحانی فیض حضرت علیؓ کے بعد آپ کے صاحبزادگان اور پھر بارہ اماموں کے ذریعہ دنیا تک پہنچتا رہا حتیٰ کہ سیّدنا غوث الاعظمؒ کا زمانہ آ پہنچا جو روحانی سربلندیوں کے لحاظ سے انہی بارہ اماموں کے فیض یافتہ ہیں۔ اس تفصیل کے بعد حضرت شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں کہ

"یہاں تک کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اس مرتبہ تک پہنچ گئے اور یہ آپ کو مل گیا۔ مذکورہ بالا اماموں اور حضرت شیخ قدس سرہٗ کے درمیان کوئی شخص اس مرتبہ پر نہیں ہے اور اب اس راستے میں جتنے فیوضات و برکات جملہ اقطاب، نجبار اور ولیوں تک پہنچتے ہیں۔ ان کے ذریعے ہی پہنچتے ہیں، کیونکہ فیض کا یہ مرکز ان کے بغیر اور کسی کو نہیں ملا۔"

Marfat.com

اسی جگہ غوث الاعظمؒ نے فرمایا ہے :

اَفَلَتْ شُمُوسُ الاَوَّلِینَ وَ شَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ العُلیٰ لَا تَغْرُبُ

سچ ہے کہ ؎

سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے
افقِ نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا

سلطان الہند حضرت خواجہ سید معین الدین سنجری چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تو باقاعدہ حضرت غوث الاعظم کی روحانی صحبتوں اور ایمان افروز مجالس کے فیض یافتہ تھے۔ آپ کئی ماہ تک حضور غوث الاعظم کی خدمتِ اقدس میں دن رات رہے اور آپ کے فیوضات اور جمعیتہ باطن وکمال سے مستفیض ہوئے اور دربارِ غوثیت سے ہی ہندالولیؒ کو ہندوستان کی ولایت عطا ہوئی تھی۔ شاہِ اجمیرؒ حضور غوث الاعظم کو یوں ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہیں :

یا غوثِ معظّم نورِ ہدیٰ مختارِ نبی مختارِ خدا
سلطانِ دو عالم قطبِ علی حیراں زجلالت ارض و سما
چوں پائے نبی شد تاجِ سرت تاجِ ہمہ عالم شد قدمت
اقطابِ جہاں در پیشِ درت افتادہ چو پیشِ شاہ گدا

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی نوراللہ مرقدہٗ اپنے عالمِ شباب میں علمِ کلام کی وسعتوں میں اُلجھے رہتے تھے۔ آخر ایک روز ان کے چچا انہیں بارگاہِ سیدنا غوث الاعظمؒ میں لے گئے اور ان کی روحانی تربیت کے لیے عرض گزار ہوئے تو حضرت غوث الاعظمؒ نے ان کے دل پر ہاتھ رکھ کر چند لمحوں میں ہی علمِ کلام کی تاریکیاں دھو ڈالیں اور اسے علومِ نورانی سے بھرپور کر دیا۔ شیخ الشیوخ سہروردی اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

" اور اللہ تعالیٰ نے اسی وقت میرے سینہ میں علمِ لدنی بھر دیا اور رجب میں

Marfat.com

آپ کے آستانہ عالیہ سے واپس ہوا تو علم وحکمت کا کمال میری زبان پر تھا۔ نیز آپ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم عراق کے متاخرین میں سے شہرہ آفاق شخصیت ہوگے۔"

مختلف سلاسلِ روحانی کے ان عظیم پیشواؤں کا دربار غوثیہ میں یہ خراجِ عقیدت فی الواقع حضور غوث الاعظمؒ کے عالمگیر پیغام کی ابدی گواہی ہے۔ آپ نے ۹ سال میں علومِ شریعت حاصل کیے اور پھر باقی عمر تعلیماتِ اسلامی کی ترویج میں بسر کردی۔ اس کے صلہ میں خدائے کریم نے آپ کو روئے زمین کی سلطانی عطا کردی۔ یہ سلطانی وقتی اور عارضی نہیں بلکہ دائمی و پائیدار ہے کیونکہ بالاتفاق آپ غوثِ اعظم اور قطب مدار ہیں جن کا فیضِ روحانی اور قیادت و سیادت باطنی ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

غوثِ اعظم درمیانِ اولیاء
چوں محمدؐ درمیانِ انبیاء

آپ نے اپنی عمر کے ابتدائی اٹھارہ سال اپنے مولد ومسکن میں گزارے، نوسال بغداد شریف کے اندر علومِ ظاہری وباطنی کی تحصیل وتکمیل کی خاطر مصروف رہے۔ پچیس سال عراق کے جنگلوں، بیابانوں اور ویران مقامات پر ریاضاتِ کاملہ اور مجاہداتِ شاقہ سے منازلِ سلوک طے کیں۔ پھر چالیس برس تک ارشاد وتلقین، اعلائے کلمۃ الحق اور اصلاحِ خلق کا فریضہ انجام دیا۔ ۵۶۱ھ کو آپ کی عمر اکانوے برس ہو چکی تھی کہ آپ کی صحت گرنا شروع ہوئی۔ مرض الموت نے آلیا۔ آپ کو وفات سے پیشتر ہی اپنے ارتحال کا پتہ چل گیا تھا۔ علالت کے دوران میں بھی آپ نے تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کا فریضہ ترک نہیں کیا۔ گیارہ ربیع الثانی کو وفات سے کچھ عرصہ پیشتر آپ نے اپنے عزیزوں اور عقیدت مندوں سے فرمایا:

"میرے آس پاس سے ہٹ جاؤ کیونکہ میں ظاہراً تمہارے ساتھ مگر باطناً تمہارے سوا کے ساتھ یعنی اللہ کریم کے ساتھ ہوں۔ بے شک میرے پاس تمہارے علاوہ کچھ اور حضرات بھی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ان کے لیے جگہ فراغ کردو۔

Marfat.com

ان کے ساتھ ادب سے پیش آؤ۔ اور ان پر جگہ تنگ نہ کرو۔"

جن تشریف لانے والوں کی طرف حضور غوث الاعظمؒ نے اشارہ کیا تھا وہ ملائکہ اور ارواح مقربین تھے۔ آپ بار بار آنے والوں کے سلام کے جواب دے رہے تھے۔ آپ بار بار ہاتھ مبارک اُٹھاتے تھے اور ان کو دراز کرتے ہُوئے زبانِ مبارک سے فرماتے تھے۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، توبہ کرو اور صف میں داخل ہو جاؤ، مَیں ابھی تمہاری طرف آتا ہوں، اسکے ساتھ ہی موت کے آثار شروع ہو گئے۔ کلمہ طیبّہ اور آیاتِ قرآنی کی تلاوت فرماتے ہُوئے آپکی آواز مبارک مخفی ہو گئی۔ زبان تالو سے مل گئی اور رُوح مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور پھر اسلام کی تعلیمات کی روشنی پھیلانے والا وہ مہرِ عالمتاب خاکِ بغداد میں رُوپوش ہو گیا جس کی علمی و رُوحانی تجلّیات ہر دَور کے اصحابِ فکر کے قلب و فکر کا اعزاز بنی رہیں گی۔

آپ کی وفات کی خبر سُن کر لوگ آپ کے چہرے کی جھلک دیکھنے کے لیے بے تابانہ آپ کی جائے قیام کی طرف دوڑے، لوگوں کے اژدھام کا یہ عالم ہُوا کہ دن میں آپ کی تدفین عمل میں نہ لائی جا سکی بلکہ آپ کو دوسری شب میں دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار پاک بغداد شریف کے مشرق میں واقع ہے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آپ درس دیتے اور وعظ و ارشاد کی رُوحانی مجالس آباد کیا کرتے تھے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں بلادِ عالم سے آنے والے بے شمار زائرین عقیدت و احترام کی ڈالیاں نذر کرنے اور آپ کے فیوض و برکات کی دولتِ بے بہا کو اپنے دامنِ مراد میں سجا کر لوٹتے ہیں۔

ماخذ و مراجع

١۔ بہجت الاسرار — نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی۔

٢۔ قلائد الجواہر — شیخ محمد بن یحییٰ التادنی الحنبلی۔

٣۔ نزہۃ الخاطر الفاتر — ملا علی بن سلطان محمد القاری

Marfat.com

۴ - طبقات الکبریٰ، علامہ عبدالوہاب شعرانی - ۵ - اخبار الاخیار: شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۶ - نفحات الانس: علامہ عبدالرحمٰن جامی - ۷ - الروض الظاہر: ابو العباس احمد بن محمد القسطلانی -
۸ - انوار الناظر: ابوبکر عبداللہ بن نصر التیمی - ۹ - مناقب الشیخ عبدالقادر: قطب الدین موسیٰ بن محمد الحنبلی
۱۰ - اسنی المفاخر: امام عبداللہ بن اسعد الیافعی - ۱۱ - روضۃ الناظر: مجدالدین ابو الطاہر محمد بن یعقوب
۱۲ - جامع کرامات الاولیا: علامہ یوسف نبہانی - ۱۳ - تفریح الخاطر: علامہ عبدالقادر الاربلی -
۱۴ - روض الریاحین: علامہ عبداللہ بن اسعد - ۱۵ - تذکرہ قادریہ: حضرت شیخ طاہر علاؤالدین
۱۶ - سیرت غوث اعظم: مولانا محمد داؤد فاروقی - ۱۷ - سیرت غوث الثقلین: مولانا محمد ضیاء اللہ قادری - ۱۸ - غوث اعظم: مولانا محمد احتشام الحسن - ۱۹ - سیرت غوث اعظم: مولانا نور بخش توکلی
۲۰ - حضرت غوث الاعظم: پروفیسر محمد عنایت اللہ - ۲۱ - مقدمہ غنیۃ الطالبین: شمس بریلوی
۲۲ - تحفہ میراں: حضرت میاں محمد بخش - ۲۳ - تحفۃ القادریہ: حضرت ابو المعالی محمد بن سلمی قادری
۲۴ - خزینۃ الاصفیاء: علامہ غلام سرور لاہوری

Marfat.com

Marfat.com

تاجدارِ اقلیمِ معرفت

حضرت میاں میرؒ

بالا پیر قادری لاہوری

رحمۃُ اللہ علیہ

Marfat.com

حضرتِ شیخ میاں میرؒ ولی
ہر خفی از نورِ جانِ اُو جلی
بر طریقِ مُصطفٰے محکم پئے
نغمۂ عشق و محبّت را مئے
تُربتش ایمانِ خاکِ شہرِ ما
مشعلِ نُورِ ہدایت بہرِ ما
بر درِ اُو جبہ فرسا آسماں
از مریدانش شہِ ہندوستاں

(علاّمہ اقبالؒ)

Marfat.com

برصغیر پاک و ہند میں جن اولیائے کرام نے روحانی عظمتوں کے چراغ روشن کیے ہیں۔ ان میں سلطان الاولیا حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کا نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔ آپ نے اس وقت دلوں کو ذوقِ معرفتِ خداوندی سے آشنا کیا۔ جب مغل ملوکیت کا دور دورہ تھا اور عوام الناس ملوکیت کی چوکھٹ پر جبین سائی کو اپنے لیے سعادت تصوّر کرتے تھے۔ حضرت میاں میر قادری وہ درویش خدا آگاہ تھے۔ جنھوں نے عوام کو بتایا کہ جو پیشانی خدا کے حضور جھکتی ہے، وہ کسی کجکلاہ کے حضور خم نہیں ہو سکتی۔ اُنھوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ اصل سلطانی اس بوریا نشین کی ہوتی ہے جس کے سامنے تاج و تخت کے وارث جھکتے ہیں۔ آپ کی پوری زندگی اس حقیقت کی شاہد تھی کہ اصحابِ فقر کی عظمت و جلالت کا نقش کبھی بھی مٹ نہیں پاتا کیونکہ ان کا احترام ارادت مندوں کے دلوں میں نقش ہوتا ہے۔ حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ نے برِصغیر پاک و ہند کے اہلِ یقین کے دلوں پر عظمتِ توحید و رسالت کا نقش ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یوں اُجاگر کر دیا کہ آج جب تاریخ تصوّف کا تذکرہ چھڑتا ہے حضرت میاں میرؒ کی تعلیماتِ قدسیہ کی خوشبو پھیلنے لگتی ہے۔ سچ ہے کہ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

خاندان

آپ کا اسمِ گرامی شیخ میر محمد ہے۔ دُنیائے طریقت میں آپ حضرت میاں میر اور

Marfat.com

شاہ میر کے القاب سے مشہور ہیں۔ عقیدت و احترام سے ارادتمند آپ کو میاں جی بھی کہتے تھے۔ آپ کا پیدائشی علاقہ ٹھٹھہ اور بھکر کے درمیان سیوستان ہے۔ آپ کے والدِ ماجد قاضی سائیں دتہ تھے جب کہ دادا کا نام قاضی قلندر تھا۔ آپ فاروقی نسب ہیں۔ آپ کے اور سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان اٹھائیس واسطے پائے جاتے ہیں۔ والدہ محترمہ کا نام بی بی فاطمہ ہے۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ چار بھائیوں کے نام یہ ہیں: قاضی یونس، قاضی عثمان، قاضی طاہر اور قاضی محمد۔ ہمشیرگان کے نام جمال خاتون اور بی بی بادی ہیں۔ حضرت میاں میر کے نانا قاضی قارن اپنے دَور کے نامور عالم دین اور صاحبِ ولایت بزرگ تھے۔

ولادتِ باسعادت

حضرت میاں میر قادری کا سنِ ولادت ۹۵۷ھ بمطابق ۱۵۵۰ء ہے۔ جب آپ کی عمر سات برس کی تھی تو آپ کے والدِ محترم انتقال کر گئے۔ آپ کی پیدائش اپنے نانا جان قاضی قارن کے ہاں ہوئی۔ آپ کی والدہ محترمہ فاطمہ بی بی نے حصولِ معرفت کے لیے اپنے والد سے بیعت کی تھی۔ زُہد و تقویٰ کے لحاظ سے وہ اپنے زمانے کی رابعہ بصری تھیں۔ جب حضرت میاں میر کے بڑے بھائی پیدا ہوئے تو اُن کی والدہ نے کشف سے معلوم کر لیا کہ یہ لڑکا معرفت کے اعلیٰ مراتب کو حاصل نہیں کر سکے گا۔ پھر اُنہوں نے تہجد کی نماز کے بعد اللہ کریم سے دُعا کی کہ یاالٰہی مَیں ایسا بیٹا مانگتی ہُوں جو عارف، عبادت گزار اور شب و روز تیری یاد میں محو رہنے والا ہو۔ اس دُعا کے بعد اس نیک خاتون کو آوازِ غیبی سُنائی دی کہ تُو نے ایک بیٹا مانگا ہے۔ ہم ایک بیٹا اور ایک بیٹی تجھے اس صفتِ خاص کا دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت میاں میر محمد پیدا ہوئے۔ جس بہن کے ولیہ ہونے کی خوش خبری عطا ہوئی تھی ان کا نام جمال خاتون تھا اور وہ ایک بھائی کے ساتھ

Marfat.com

توام پیدا ہوئی تھیں۔

تعلیم و تربیت

جب حضرت میاں میر کی عمر بارہ سال کی ہوئی تو آپ نے اپنی والدہ محترمہ سے علمِ باطنی سیکھنا شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں رُوحانی سربلندیوں سے ہمکنار ہوئے تو والدہ سے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجیے کہ مشاہدات اور مجاہدہ و ریاضت کے لیے دُوسرے علاقوں کا سفر کر سکوں۔ والدہ سے رخصت عطا ہوئی تو آپ سیوستان کے پہاڑوں میں کسی مردِ کامل کی تلاش میں گھومنے لگے۔ والدہ محترمہ کی جلائی ہُوئی شمعِ حق تھی جس نے آپ کو مسلسل تلاشِ حق و صداقت اور تلاشِ شیخ کامل میں مصروفِ عمل رکھا یہاں تک کہ عارف باللہ فنافی اللہ حضرت خضر سیوستانی (متوفی ۱۵۸۶ء/۹۹۴ھ) سے ملاقات ہُوئی۔ شیخ خضر سیوستانی سلسلہ قادریہ میں یگانہ آفاق اور ترک و تجرید میں منفرد تھے۔ حضرت میاں میرؒ نے فوراً بیعت کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔ حضرت خضر سیوستانی طریقت و رُوحانیت میں بے نظیر تھے۔ حضرت میاں میرؒ آپ کو غوثِ وقت کہا کرتے تھے۔ حضرت خضر سیوستانی تارک الدنیا شخصیت تھے۔ مال و دُنیا کی کوئی چیز جس پر علائق کا شُبہ ہوتا قبول نہیں کرتے تھے۔ جنگلی پھل ان کی خوراک تھی۔ لباس ایسا ہوتا تھا جو آپ کے جسم کو زانوں سے ناف تک ڈھانپتا تھا۔ سردیوں کے موسم کے لیے انہوں نے تنور بنا رکھا تھا۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور انہیں جلا کر تنور گرم کر لیتے۔ راتیں تنور ہی میں بسر کرتے۔ شہر کا رُخ نہیں کرتے تھے۔ تاہم سال میں ایک دو مرتبہ گھومنے پھرنے کے لیے شہر آیا کرتے تھے مگر اللہ کے سوائے کسی سے آشنائی نہیں رکھتے تھے۔

ایک دن سیوستان کا حاکم ملاقات کی غرض سے حاضر ہُوا تو دیکھا کہ دھوپ میں ایک پتھر کے اُوپر یادِ خدا میں مستغرق بیٹھے ہیں۔ حاکم وقت کے قریب ہونے پر اس کا

Marfat.com

سایہ ان پر پڑنے لگا۔ آپ نے سر اٹھایا تو حاکم وقت نے عرض کیا کہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ارشاد فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلی خدمت تو یہ ہے کہ اپنا سایہ مجھ سے دُور کر دو اور دھوپ مجھ تک آنے دو۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ خدا وہ وقت نہ لائے کہ اس کے سوا کسی دوسرے کا خیال دل میں پیدا ہو۔

حضرت شیخ خضر رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں آپ نے بہت جلد بلند رُوحانی مقامات حاصل کر لیے اور دل کو پُوری طرح غیر اللہ سے جُدا کر کے صرف اللہ کے ہو گئے۔ حضرت شیخ خضر سے رُوحانی فیوض آپ کو باقاعدہ مرید ہو کر حاصل ہُوئے تھے۔ جب کہ آپ کو سیدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بلا واسطہ رُوحانی فیوض و برکات حاصل ہُوئے۔ حضرت غوث الاعظمؓ نے آپ کو اپنے رُوحانی برکات سے مشرف فرما کر مرتبہ کامل پر فائز کر دیا۔ حضرت میاں میرؒ خود فرماتے ہیں کہ سیدنا غوثِ اعظم نے حضور محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسمِ پاک سے بلا واسطہ صورتِ ظاہری میں تربیت حاصل کی تھی۔

ورودِ لاہور

جب حضرت میاں میر کو شیخ خضر علیہ الرحمۃ سے رُوحانی کمالات حاصل ہو گئے، تو انہوں نے حضرت میاں میرؒ سے فرمایا کہ اب آپ جہاں جی چاہے جا کر رہیں آپ کامل ہیں چنانچہ شیخ سے اجازت حاصل کر کے حضرت میاں میر لاہور چلے آئے۔ بعض تذکرہ نویس لاہور میں آپ کی آمد کا سلسلہ آپ کے شیخ کی وفات سے ملاتے ہیں کہ حضرت خضر واصل باللہ ہُوئے تو اس وقت آپ عازمِ لاہور ہُوئے تھے۔ لاہور آ کر آپ حضرت مولانا سعد اللہ کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے جو اکبر بادشاہ کے زمانہ میں بڑے جیّد عالم اور علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ وَر تھے۔ حضرت میاں میر نے فاضل استاد کے زیر سایہ بہت جلد علوم معقول و منقول میں کمال حاصل کر لیا اور اپنے زمانے کے تمام علماء پر بازی لے گئے۔ حضرت میاں میرؒ نے مولانا سعد اللہ کے علاوہ مولانا نعمت اللہ سے

Marfat.com

بھی علوم کی تحصیل فرمائی۔ مولانا نعمت اللہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت میاں میرؒ میرے پاس کئی سال تک پڑھتے رہے۔ آپ نے ہمارے تمام علوم حاصل کر لیے لیکن ہم پھر بھی آپ کے حالات سے واقف نہ ہو سکے اور یہ کمال رازداری آپ کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔ لاہور میں آمد کے وقت آپ کی عمر ۲۵ سال تھی جب کہ بعض تذکرہ نگاروں نے اس وقت عمر ۲۸ سال بتائی ہے۔ یہ جلال الدین اکبر ۱۵۵۰ء/ ۹۶۳ھ تا ۱۶۰۵ء/ ۱۰۱۴ھ کا دورِ حکومت تھا۔

عبادت و ریاضت

حضرت میاں میرؒ قادری کی زندگی زُہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کا نمونہ تھی۔ آپ کا معمول تھا کہ لاہور میں آمد کے بعد دن کے وقت مشہور بزرگوں کے مزارات پر تشریف لے جاتے یا پھر ایسی جگہوں پر چلے جاتے جو سنسان اور ویران ہوں اور جہاں لوگوں کا گزر نہ ہو۔ اس طرح آپ دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر یادِ الٰہی میں محو ہو جاتے۔ بعض اوقات مریدین اور معتقدین بھی ہمراہ ہوتے تو وہ بھی شیخ کی تقلید میں علیحدہ علیحدہ مقامات پر محوِ عباداتِ خداوندی ہو جاتے اور ذکرِ الٰہی میں اپنا وقت گزارتے، لیکن جونہی نماز کا وقت ہوتا یہ سب حضرات ایک مقام پر جمع ہو کر نماز باجماعت ادا کرتے۔

حضرت میاں میرؒ کو تنہائی بہت پسند تھی۔ اکثر آپ رات جاگتے ہوئے گزار دیتے اور حق تعالےٰ کے ذکر میں محو رہتے۔ آپ قبلہ رُخ ہو کر بیٹھا کرتے اور یہ اشعار اپنی زبانِ مبارک سے ادا فرماتے ؎

کسے غافل از حق یک زماں است — دراں دم کافراست انا نہاں است
گزیں غفلت بجاں پیوستہ بودے — درِ اسلام بر وے بستہ بودے

ترجمہ (جو شخص ایک لمحہ بھی خدا کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو اس کا تمام وقت

Marfat.com

کافری میں گزرتا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس سے عوام غافل ہیں۔ اگر اسی غفلت میں جان نکل گئی تو اسلام کا دروازہ اس پر بند ہو جاتا ہے۔

حضرت میاں میرؒ کئی سال تک بالکل نہیں سوئے۔ رات دن اللہ کے ذکر میں بسر ہوتے۔ حضرت میاں محمد مراد مفتی کی روایت کے مطابق جب حضرت میاں میر قادریؒ کی عمر اسّی سال سے زیادہ ہو گئی تو پوری رات میں صرف چار سانس لیتے تھے۔ خدا کی ذات پر آپ کا توکّل انتہار کو پہنچا ہوا تھا۔ رات کے وقت کوزے سے پانی گرا دیتے تاکہ پانی پر سے توکّل اُٹھ جائے۔ آپ کو خطراتِ قلبی کے علاج بہت یاد تھے۔ آپ کا دل اللہ کی یاد میں ہمہ وقت مصروف رہتا تھا اس میں اتنی گنجائش ہی نہیں تھی کہ خُدا کے علاوہ کوئی اور سما سکے۔ جب نگاہوں کے سامنے اور قلب و جان میں اللہ اللہ ہی کی تکرار ہو اور ماسوا اللہ سے مکمّل لاتعلقی ہو تو پھر اس دل میں توکّل کی عملی تفسیر جس قدر دکھائی دے کم ہے۔

خزینۃ الاولیار کے مطابق آپ عابدِ شب زندہ دار تھے۔ ساری ساری رات عبادت میں گزُر جاتی۔ تحقیقاتِ چشتی میں لکھّا ہے کہ حضرت ایسے قابل فقیہہ تھے کہ کوئی ہمعصر آپ کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔

شہنشاہی فقیر کی چوکھٹ پر

تاریخ شاہد ہے کہ جن شاہانِ وقت نے اولیار اللہ کی چوکھٹ پر حاضری کو اپنے لیے سعادت سمجھا ہے، وہی بقائے دوام کے حقدار ٹھہرے ہیں۔ مختلف اوقات میں کئی سلاطین، شہنشاہ اور امرائے سلطنت آپ کے حضور حاضر ہوتے رہے ہیں آپ نے کبھی آنکھ اُٹھا کر بھی ان سلاطین کے کرّ و فر کو نہیں دیکھا اور ایک لحظہ کے لیے بھی ان کے جاہ و حشمت اور شان و شوکت سے مرعوب نہیں ہوئے۔ بلکہ جب

Marfat.com

بھی ضرورت پیش آئی، آپ نے ان بادشاہوں کے سامنے اعلانِ حق کیا۔ انہیں خلقِ خدا کی خدمت اور حقوق العباد پہچاننے کی تلقین کی۔

دارا شکوہ سکینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے کہ:

جہانگیر بادشاہ اولیاء صوفیا کا معتقد نہ تھا۔ اس نے حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ سنا تو آپ سے اپنے ہاں تشریف لانے کی گزارش کی۔ آپ نے دعوت قبول فرمائی اور چلے گئے بادشاہ نے کمال عزت و تعظیم سے آپ کا استقبال کیا اور وعظ و نصیحت کا خواستگار رہا۔ آپ نے دُنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی عظمت پر اس قدر موثر وعظ فرمایا کہ وہ مال و دولت، شہنشاہی سب کچھ چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا اے بادشاہ اپنے دل کی طرف توجہ کرو حکومت اہم نہیں دل اہم ہے۔ اگر دل فقیر ہو جائے تو تصوف کا علم عطا ہو جائے گا۔ بادشاہ نے بیعت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ پہلے آپ عدل و انصاف اور اپنے جانشین پر توجہ دیں پھر دیکھا جائے گا۔ بادشاہ نے عرض کیا حضور میرے لائق کوئی خدمت؟

آپ نے فرمایا کہ کیا میں جو کچھ مانگوں گا تم دے دو گے؟

بادشاہ نے عرض کیا ہاں جناب ——— اس پر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور شانِ استغنا سے فرمایا کہ:

"اب مجھے اجازت دو، آئندہ مجھے تکلیف نہ دینا۔"

آپ تو یہ فرما کر چلے آئے مگر جہانگیر بادشاہ کے دل میں آپ کی عقیدت دوچند ہو گئی اور اس نے حضرت میاں میر قادری کو خطوط لکھے جن میں ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا اور اپنے لیے دُعا کی بطورِ خاص درخواست کی تاکہ وہ دشمنوں اور فسادیوں کے شر سے محفوظ رہے۔

اور اسی طرح علامہ محمد اقبال نے حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ نظم کیا ہے کہ آپ کے ارادت مندوں میں ہندوستان کا ایک بادشاہ جب دکن میں مصروفِ جنگ تھا تو کامیابی کی دُعا کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپ نے اسکی درخواست

Marfat.com

سُن کر خاموشی اختیار کرلی۔ تھوڑی دیر بعد ایک مرید نے چاندی کے کچھ سکے آپ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ ایسے لوگوں کے لیے خصوصاً قابلِ توجہ ہے، جو حصولِ دُنیا کو منزلِ مراد سمجھتے ہیں۔ مرید سے ارشاد ہوا کہ یہ سکے اُس بادشاہ کو دے دو جو بادشاہی کے لباس میں گداگر ہے۔ سُورج چاند ستاروں پر حکومت کرتا ہے مگر اپنی حرص کی بدولت دُنیا کے مفلس ترین لوگوں میں سے ہے۔ یہ دوسروں کے دسترخوان پر اپنی نظریں جمائے ہُوئے ہے۔ اس نے اپنی فکرِ خام کی وجہ سے لُوٹ مار کا نام تسخیر رکھا ہے۔ خود اس کا لشکر اور اس کے غنیم کا لشکر اس کی بھوک کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے ہیں۔ فقیر کی بھوک کی آگ تو اسی تک محدُود رہتی ہے، لیکن بادشاہ کی بھُوک کی آگ ملک و ملت کو فنا کردیتی ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ جو غیر اللہ کے لیے تلوار اُٹھاتا ہے وہ خود اپنے سینے میں خنجر مارتا ہے۔

سُلطان نورالدین جہانگیر کے بعد شہاب الدین محمد شاہ جہاں بھی آپ کے آستانہ پر حاضری کی سعادت حاصل کرتا رہا۔ شاہجہان دو مرتبہ آپ کے حجرہ پر حاضر ہُوا۔ دونوں مرتبہ اس کا بیٹا دارا شکوہ (مصنف سکینۃ الاولیا) اپنے باپ کے ہمراہ تھا۔ حضرت میاں میرؒ نے ہر بار شاہجہان کو عدل و انصاف، خلق و مروّت، صلہ رحمی، صُلح جوئی اور انسانیت نوازی کی تلقین فرمائی۔ شاہجہان کہا کرتا تھا کہ مَیں نے حضرت میاں میر جی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کا درویش اس دُنیا میں عبادت گزار ہوتے نہیں دیکھا۔ ایک بار جب شاہجہان ملاقات کو حاضر ہوا تو حضرت نے نصیحت کرتے ہُوئے فرمایا:

> "بادشاہ عادل کا فرض ہے کہ رعایا کے حالات سے باخبر رہے۔ ملک کو ہر طرح کے دشمنوں سے بچاتے اور سرحدوں کی خبر گیری رکھے۔ اپنی تمام ہمّت رعایا کی بھلائی اور مُلک کو آباد کرنے پر صرف کرے۔"

اس کے علاوہ حضرت نے معرفت، طریقت اور دینِ اسلام کی تعلیمات ارشاد فرمائیں۔

Marfat.com

حضرت نصیحت فرما چکے تو بادشاہ نے دارا شکوہ کی چار ماہ کی پُرانی بیماری کا تذکرہ کیا اور بڑی عاجزی اور منت سماجت سے بیماری کو دُور کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ دارا شکوہ کی بیماری ایسی پختہ تھی کہ ملک کے اعلےٰ درجہ کے حکیموں اور معالجین کے علاج کے باوجود بھی جان نہیں چھوڑتی تھی۔ حکیموں نے دارا شکوہ کو لاعلاج قرار دے دیا تھا۔ بادشاہ کی درخواست کے جواب میں حضرت میاں میر قادری نے دارا شکوہ کا ہاتھ پکڑا اور ایک پیالہ مٹی کا پانی سے بھرا ہوا منگوایا۔ اور اپنے ہاتھ میں پکڑ کر دم فرمایا اور دارا شکوہ کو پینے کو کہا اِس پانی کو پینے سے ایک ہفتہ میں بیماری بہت حد تک جاتی رہی، کامل شفا کے لیے آپ نے فرمایا کہ فلاں وقت، فلاں دن اور فلاں ساعت کامل شفا ہو گی اور واقعی اس دن اور ساعت کو دارا شکوہ کو کامل شفا نصیب ہُوئی۔

دُوسری مرتبہ ملاقات پر شاہجہان نے عرض کی کہ آپ توجہ فرمائیں تاکہ ہمارے دل سے دُنیا کی محبت ختم ہو جائے۔

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: "بادشاہ نیک عمل کرو اور مُسلمانوں کے دلوں کو خوش رکھو۔ نیک اعمال کے بعد اپنے لیے دُعا کیا کرو اور خُدا تعالےٰ سے خُدا ہی کو مانگو۔ خدا سے غیر خدا کو نہ مانگو۔"

ہم خدا خواہی و ہم دُنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں"

بادشاہ نے ایک دستار مبارک اور تسبیح پیش کی۔ حضرت میاں میر قادری نے دستار تو واپس کر دی اور تسبیح رکھ لی اور پھر وہی تسبیح دارا شکوہ کی عقیدت مندی کے پیشِ نظر اسے عطا کر دی۔

دارا شکوہ کی عقیدت مندی

دارا شکوہ کی حضرت میاں میر سے عقیدت اِنتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ بالمشافہ ملاقات سے

Marfat.com

قبل بھی دارا شکوہ آپ سے غائبانہ عقیدت رکھتا تھا۔ جب بادشاہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حضرت جی سے ملاقات کے لیے بالاخانہ کی طرف چڑھنے لگا تو دارا شکوہ نے آپ کے آستانہ کو وادیٔ مقدّس جان کر اپنے جُوتے اُتار دیے اور ننگے پاؤں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دورانِ گفتگو میں حضرت میاں میر صاحب لونگ چبا چبا کر تھوک رہے تھے اور درباریوں کو تو یہ ادا ناگوار گزری، لیکن دارا شکوہ کو حضرت کے دہن مبارک کے چبائے ہوئے لونگ اس قدر پسند آئے کہ کمال ارادت سے اُٹھا اُٹھا کر کھانے لگا۔ لونگ چباتے ہی دارا شکوہ کی عقیدت و اخلاص میں اضافہ ہونے لگا۔ رُوحانی برکات عطا ہونے لگیں حتیٰ کہ دارا شکوہ خود کہتا ہے کہ

"مَیں نے جو پایا، سو پایا، یہ چیز بیان سے باہر ہے کہ مَیں نے کیا حاصل کیا۔ ان لونگوں کو چبانے سے میری زبان کو بیان کی قوت عطا ہُوئی اور طبیعت کو کلام میں موزونیت حاصل ہوگئی اور مَیں اُمید رکھتا ہُوں کہ قیامت کے روز حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے دربار کے گداگروں میں اُٹھایا جاؤں گا۔"

بعد میں دارا شکوہ تنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا، اور اپنے سر کو آپ کے مبارک قدموں پر رکھ کر انہیں چُومتا رہا۔ آپ نے اپنا دستِ شفقت اس کے سر پر رکھا اور اسے اپنی عنایات اور فیوض سے نوازنے لگے۔ دارا شکوہ کا یہ رشتۂ عقیدت زندگی بھر آپ سے استوار رہا۔ آپ کے دَر کی گدائی کو اس نے ہمیشہ اپنے لیے دُنیا کی بہت بڑی سعادت تصوّر کیا۔ یادگار تصنیف سکینۃ الاولیا بھی دارا شکوہ کے اسی حسنِ عقیدت کا شاہکار ہے۔

اصلاح و تربیت

آپ کے دَور میں اُمتِ مسلمہ اخلاقی و روحانی طور پر انحطاط کا شکار ہو چکی تھی۔ دُنیا

Marfat.com

کی محبت میں عاقبت کا تصور رخصت ہو چلا تھا۔ اکبرِ اعظم کا دینِ الٰہی اگرچہ ایک قصۂ پارینہ بن چکا تھا لیکن بعض مادیت زدہ ذہنوں پر ابھی تک اس کے اثراتِ بد غالب تھے۔ آپ نے اپنے کردار کی شمع روشن کر کے دلوں کو خدا آشنا کر دیا اور اہلِ طلب کو معرفتِ خداوندی کی دولت سے بہرہ ور فرمایا۔ آپ نے غیر شرعی رسوم اور جاہلانہ عادات و اطوار کو ختم کرنے کے لیے عوام کو شریعتِ محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم پر چلنے کی سختی سے تلقین کی۔

ایک مرتبہ آپ نے خُدا شناسی کے ضمن میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سے فرمایا کہ اللہ تک پہنچنے کے دو طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ جذب ہے کہ اللہ تعالےٰ یک لخت اپنی جانب کسی کو کھینچ لے اور اپنے فضل سے کسی بندہ کو اپنا عرفان عطا فرما دے۔ دُوسرا طریقہ سلوک ہے جس میں بندہ ریاضت و مجاہدہ کے علاوہ کسی صاحبِ نظر سے ارادتمندی کا رشتہ جوڑتا ہے اور اس طرح طویل واسطوں سے اللہ تعالیٰ کا وصل حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ پیرانِ طریقت کا فرض ہے کہ اپنے ارادتمندوں کو مخلوق سے علیحدگی، خلوت گزینی اور دُنیاوی لذّات سے دستکش ہونے کی ترغیب دیں۔

آپ ریاکاری کی عبادت اور تصنّع سے نفرت فرماتے تھے۔ اپنے نیازمندوں کو بھی یہی نصیحت فرماتے کہ عبادت و ریاضت محض خدا کے لیے ہوتی ہے، خلقِ خدا میں ناموری حاصل کرنے کے لیے نہیں ہوتی۔ آپ کا لباس بھی عام درویشوں اور فقیروں کی طرح نہیں ہوتا تھا۔ گدڑی یا پیوند لگے ہُوئے لباس نہیں پہنتے تھے کہ اس طرح فقیری کا غرور آتا ہے۔ کم قیمت دستار مبارک زیبِ سر رکھتے تھے۔ کھدر کے موٹے کپڑے پہنتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے کہ ہمارے زمانے میں بہت سے لوگوں نے گودڑی کا استعمال اور کرامات کے اظہار کو مخلوق میں عزّت و جاہ اور حصولِ مال کا ذریعہ بنا رکھا ہے کہ لوگ دیکھتے ہی کہیں کہ وہ درویش ہے۔ یہ محض خودستائی اور ریاکاری ہے۔

آپ بہت کم لوگوں کو بیعت کیا کرتے تھے، لیکن جو ایک بار آپ کے دامانِ رشد و

Marfat.com

ہدایت سے وابستہ ہوگیا، اسے ذرہ سے آفتاب بنا دیا۔ آپ فرماتے تھے کہ صوفی وہ ہے جس کا وجود فنا ہو جائے۔ کسی وزیر نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور جب خاص وقتِ قبولیت ہو تو ایسے عالم میں مجھے بھی اپنی دعا میں یاد فرمائیے گا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اس وقت پر خاک پڑے کہ جب وقت ماسویٰ اللہ کا خیال کروں اور خدا کی یاد دل میں نہ ہو۔

آپ خود بھی سنّتِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلّم پر سختی سے عمل پیرا تھے اور مریدین پر بھی سختی سے توجہ فرماتے تھے۔ شریعت کے خلاف ایک قدم بھی باہر نہ نکالتے اور جلوت وخلوت میں کسی وقت بھی اپنی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہ نکالتے جو شریعت کے خلاف ہوتا۔ اپنے مریدین کو مرید کہہ کر نہیں بلکہ دوست اور رفیق کہہ کر بلاتے۔

حضرت میاں میر قادری علیہ الرحمۃ نے عوام الناس کی اصلاح اور روحانی تربیت کے لیے انہیں سمجھایا کہ تمہاری نجات اسی صورت ہے کہ تم دینِ اسلام پر اس طور کاربند ہو جاؤ کہ تمہاری زندگیاں تعلیماتِ قرآن واسلام کا عملی نمونہ بن جائیں۔

حضرت کے حسنِ اخلاق نے عوام کے دلوں کو تسخیر کر لیا تھا۔ کوئی شخص حاضرِ خدمت ہوتا تو آپ اس پر اس قدر مہربانی فرماتے کہ وہ سوچنے لگتا کہ مجھ جیسی شفقت آپ نے کسی اور پر نہیں فرمائی ہوگی۔ حالانکہ آپ کی شفقت ایک سمندر کی صورت تھی کہ جس سے ایک زمانہ سیراب ہو رہا تھا۔ آپ نے جہاں حکمرانوں کو ان کے فرائض اور خلقِ خدا کی خدمت کا پیغام دیا، وہاں عوام کو ان کے فرائض اور اخلاقی و روحانی ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے فیضِ عام سے لاکھوں انسانوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا ہوگئی۔ آپ نے اہلِ ایمان کو سمجھایا کہ انسان نفس، دل اور روح کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی اصلاح مقصود ہے۔ نفس کی اصلاح شریعت سے، دل کی طریقت سے اور روح کی حقیقت سے ہوتی ہے۔

حضرت میاں میرؒ سماع بھی سنتے تھے اور ہندوستانی زبان میں کہے گئے تمام

Marfat.com

اشعار کو خوب سمجھتے تھے۔ اگر کوئی قوال آجاتا تو آپ قوالی سن لیتے، نہ آتا تو قوالی کا اہتمام نہ کرتے تھے اور نہ ہی قوالوں کو ہمیشہ ساتھ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ بطورِ خاص سماع سننے کے لیے بھی کہیں نہیں جاتے تھے۔ جب قوالی سنتے تو شریعت کی اتباع میں کوئی وجد، رقص وغیرہ نہیں فرماتے تھے۔ جب کسی شعر پر طبیعت میں خوشی آتی تو اس خوشی کا اظہار آپ کے چہرے پر اس طرح ظاہر ہوتا کہ چہرہ نور کا ٹکڑا معلوم ہوتا۔

کرامات

حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ جب کوئی صاحبِ ایمان رضائے خداوندی میں ڈھل جاتا ہے اور اس کی زندگی مکمل طور پر منشائے ربانی کی تصویر بن جاتی تو پھر اس کی زبان قدرت کی ترجمان بن جاتی ہے اور اس کی تدبیر تقدیر کا پرتو لے لیتی ہے۔ حضرت میاں میر قادری کی پوری زندگی رضائے الٰہی کے تابع تھی اس لیے خدا نے آپ کو اس قدر نوازا کہ آپ جو کچھ زبان سے کہتے وہ رضائے الٰہی سے ہو جاتا۔ حضرت میاں میر قادری کرامتوں کے اظہار کو مناسب نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اسے درویشی کی تشہیر خیال کرتے تھے۔ آپ حتی الامکان کرامتوں کو پوشیدہ رکھتے تھے پھر بھی وہ ظاہر ہو کر رہتی تھیں۔

ایک مرتبہ آپ مرزا کامران کے باغ کے سامنے دریا کے کنارے لیٹے تھے اور خدام پاؤں دبا رہے تھے۔ اچانک سامنے سے ایک بڑا سانپ آتا ہوا دکھائی دیا۔ آپ نے فرمایا اسے آنے دو۔ سانپ قریب آیا تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ سانپ آپ کے حضور میں بلند ہو کر بیٹھ گیا اور کچھ کہا۔ آپ نے جواب میں فرمایا: "خوب ایسا ہی سہی"۔ سانپ اٹھا، تین مرتبہ حضرت کے گرد پھرا اور چلا گیا۔ خدام کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ سانپ نے کہا کہ میں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ آپ کو دیکھوں گا تو آپ کے گرد طواف

Marfat.com

کروں گا۔ جواب میں مَیں نے کہا: "بہتر ایسا ہی سہی۔"

ایک بار آپ زین خاں کے باغ میں تشریف فرما تھے۔ اس درخت پر ایک فاختہ چہک رہی تھی جس پر آپ بہت مسرور ہُوئے۔ اسی دوران میں ایک شکاری نے آکر غلّہ پھینکا، تو فاختہ مرگئی۔ شکاری چلا گیا، تو آپ کے کہنے پر ایک مرید مُردہ فاختہ کو اُٹھا لایا۔ آپ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ زندہ ہوگئی اور درخت کی اسی شاخ پر بیٹھ کر پھر چہچہانے لگی۔ وہی شکاری پھر ادھر چلا آیا اور فاختہ کے دوبارہ شکار کے لیے ارادہ کیا تو حضرت نے منع فرمایا۔ وہ نہ مانا اور غُلہ پھینکنا چاہا تو غُلہ پُوری شدّت سے اس کی اپنی اُنگلی پر لگ گیا، اور وہ شدتِ کرب سے زمین پر گر پڑا۔ آپ ازراہِ شفقت قریب تشریف لائے اور اس شخص کو نصیحت کی اگر تو فاختہ کو دوبارہ نہ مارے تو تیری اُنگلی ٹھیک ہوسکتی ہے۔ شکاری نے فوراً توبہ کرلی۔ جس پر حضرت نے خصوصی توجہ فرمائی، تو اس کا درد ایک آن میں جاتا رہا۔

حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ کی کرامات تعداد میں کافی ہیں۔ آپ کے رُوحانی تصرفات کی شاہد کئی کرامات کا مطالعہ ذوقِ ایمانی کو تازہ کرنے کے باعث بنتا ہے۔ لیکن آپ کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ آپ نے مُردہ دلوں کو زندہ کردیا۔ گمراہوں کو جادۂ حق پر گامزن کردیا۔ بے یقینوں کو ایمان و یقین کی دولت عطا کی، جاہ پرستوں اور مال و دولت کے پرستاروں کو خدا اور رسولِ خدا کی محبت بخشی، دل و جان کو معرفت آشنا کیا۔ غرضیکہ آپ نے اپنی تعلیمات اور کردار کی بدولت ایک ایسا انقلاب بپا کردیا کہ جس کی بدولت بے شمار انسانوں کی زندگیاں ہدایت اور فوز و فلاح کے سانچے میں ڈھل گئیں۔ اصلاحِ احوال کے لیے آپ نے جو کردار ادا کیا ہے حقیقت میں یہی آپ کی سب سے بڑی کرامت ہے۔

سرہند کا سفر اور علالت

لاہور کے اندر رہتے ہُوئے جب آپ کا ذکرِ خیر عوام میں پھیل گیا اور عوام جوق درجوق

Marfat.com

آپ کی خدمت میں حاضری دینے لگے تو آپ کو خلوت گزینی کے متاثر ہونے کا خدشہ پیدا ہو گیا اور آپ سرہند چلے گئے۔ لیکن وہاں پہنچ کر آپ بیمار ہو گئے۔ پہلے گھٹنوں میں درد ہُوا پھر سخت بیماریوں نے گھیر لیا۔ ایک شب آپ نے پیرانِ پیر سیّدنا غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی مدد چاہی۔ اسی رات سیّدنا غوث الاعظم اور جناب خضر علیہ السلام کی تشریف آوری ہو گئی۔ آپ نے بیماری کی بابت عرض کیا تو حضرت غوث الاعظم نے اپنا ہاتھ میاں میر صاحب کے بدن مبارک پر پھیرا اور کشتی نما پیالہ جو پانی سے بھرا ہوا تھا آپ کو پینے کو دیا۔ آپ نے پی لیا تو (مکاشفہ کے بعد) آپ صحت یاب ہو گئے۔ بیماری کے ان طویل دنوں میں کوئی شخص آپ کی عیادت کے لیے حاضر نہ تھا۔ سرہند شریف میں ایک بزرگ حاجی نعمت اللہ رہتے تھے۔ ان کو آپ کی صورت میں ایک مردِ کامل کی تشریف آوری کا احساس ہُوا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور حضرت میاں میر کی تیمارداری میں مصروف رہنے لگے۔

حاجی نعمت اللہ نے اس توجہ سے آپ کی تیمارداری کی کہ آپ کے فضلات اور بول براز اپنے ہاتھوں سے اٹھایا کرتے تھے۔ جب حضرت میاں میر صحت یاب ہو گئے تو حاجی نعمت اللہ کی عقیدت اور محبت دیکھ کر دریائے رحمت جوش پر آ گیا اور ان پر خصوصی توجہ فرمائی اور ایک ہفتہ میں اعلےٰ مقام اور بلند درجہ پر پہنچا دیا۔

جب آپ سرہند شریف سے لاہور واپس آئے تو اہلِ شہر کو یُوں معلوم ہُوا کہ جیسے موسمِ بہار کی شادابیاں لوٹ آئی ہیں۔

کہتے ہیں کہ غوث الاعظم کا نامِ نامی بے وضو نہیں لیتے تھے۔ یہ آپ کی سیّدنا غوث الاعظم سے عقیدت کا کمال تھا اور اسی عقیدت کا اثر تھا کہ سیّدنا غوث الاعظم نے آپ کو بلاواسطہ روحانی سربلندیوں سے بھی نوازا اور جب آپ سرہند شریف میں بیمار ہُوئے تو یہاں بھی آپ کی صحت یابی سیّدنا غوث الاعظم کی خصوصی توجہ کے باعث ہُوئی۔

وفات۔ جب لاہور شہر میں رہتے ہُوئے آپ کو ساٹھ سال ہو گئے تو اسہال کی

Marfat.com

تکلیف شدت سے شروع ہوگئی - یہ تکلیف آپ کو پانچ دن تک برابر رہی - پانچویں دن ربیع الاول ۱۰۴۵ھ مطابق ۱۶۳۵ء کو آپ کی رُوح مقدس نے جسم ناسوتی کی قید سے آزادی حاصل کرلی - اس روز منگل کا دن تھا اور محلہ خانی پورہ آبادی میاں میرؒ کے جس حجرہ میں آپ کی سکونت تھی وہیں آپ کا وصال ہُوا - ایک عظیم المرتبت درویشِ کامل کی روح اپنے مقامِ حقیقی کی جانب پرواز کرگئی - قطرہ سمندر سے ہم آغوش ہوگیا -

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

دورانِ علالت میں لاہور شہر کا حاکم وزیر خاں ایک نامور طبیب کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عیادت کے بعد علاج کے لیے عرض کیا - آپ نے ارشاد فرمایا کہ حکیم مطلق اللہ کریم کافی ہے - یہ کہہ کر وزیر خاں کو رخصت کردیا - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرض الموت میں بھی آپ کے پیشِ نظر اللہ ہی اللہ تھا -

آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے میرے دوستوں کے درمیان دفن کرنا - یہ جگہ ہے جہاں میاں صاحب نتھا اور حاجی سلیمان اور بعض دوسرے حضرات کو دفن کیا گیا تھا - چنانچہ اسی جگہ آپ کے وجودِ اقدس کو سپردِ خاک کردیا گیا - آپ کے جنازہ میں عوام وخواص اور شہر واطراف کے بے شمار مسلمانوں نے شرکت کی -

مزارِ مُبارک

آپ کا مزار علاقہ میاں میر میں ہے - آپ کے مزار پر ایک خوبصورت گنبد ہے مغرب کی جانب مسجد ہے - احاطہ مزار کافی کھلا ہے اور احاطہ کے اردگرد چار دیواری ہے - آپ کے مزارِ مقدس کو دارا شکوہ نے بنوانا شروع کیا تھا کہ وہ اس دارِ فانی سے کوچ کرگیا - کچھ عرصہ تک مزار کی عمارت نامکمل رہی، لیکن بعد میں اورنگ زیب عالمگیر ایک مرتبہ آپ کے مزار پر حاضر ہُوا تو اس نے عمارت کو مکمل کروادیا - آپ کے گنبد کے دروازے پر

Marfat.com

یہ تاریخ درج ہے۔

سفر جانب بشہر جاوید کرد — چوں زیں لحنت آباد دلگیر شد
خرد بہر سالِ وفاتش نوشت — بفردوسِ والا میاں میر شد

آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ اہلِ دل یہاں حاضر ہوتے اور اپنی حاجت براری کا اہتمام کرتے ہیں۔

مآخذ

سکینۃ الاولیاء۔ سفینۃ الاولیاء : شہزادہ داراشکوہ
گلزارِ صوفیا : عالم فقری
حضرت میاں میر : سلیم حسن مرزا۔

Marfat.com

بسمہ سبحانہ

انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اُس کو

شمعِ محفل کی طرح سب سے جُدا سب کا رفیق

مثلِ خورشیدِ سحر فکر کی تابانی میں

بات میں سادہ و آزادہ معانی میں دقیق

کتبہ جمیل قریشی تنویر رقم

اقبالؒ

قطبِ یگانہ

حضرت مُلّا محمّد سعید قادری
رحمۃُ اللہ علیہ

خلیفہ خاص

حضور میاں میر بالا پیر قادری لاہوری
رحمۃُ اللہ علیہ

Marfat.com

رحمتِ خلّاقِ اکبر کا نشاں مُلّا سعیدؒ
منزلِ ایماں میں میرِ کارواں مُلّا سعیدؒ

آپ کی چشمِ کرم کا فیض ہیں شاہِ جمالؒ
رہبرِ راہِ ہدایت نُورِ جاں مُلّا سعیدؒ

آپ کو یوں پیر بالاؒ نے بنایا بے نظیر
ضو فگن ہیں مثلِ شمعِ جاوداں مُلّا سعیدؒ

شیخِ کامل نے نوازا آپ کو کچھ اس طرح
نُورِ حق ہیں مثلِ مہرِ آسماں مُلّا سعیدؒ

(محمد اکرم رضا)

Marfat.com

قطبِ زمانہ حضرت مُلّا سعید قادریؒ، حضرت میاں میر بالا پیر قادری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے مریدِ خاص اور خلیفہ تھے۔ آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ کم و بیش ساٹھ برس تک اپنے مرشدِ کامل حضور میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہِ قدس میں رہے۔ اس قدر طویل رفاقت کا اعزاز آپ کے معاصرین میں سے کسی اور کو نصیب نہ ہو سکا۔ آپ نے حضرت میاں میرؒ کی زندگی کو اپنے معاصر بزرگانِ دین اور وابستگانِ سلسلۂ قادریہ کی نسبت کہیں زیادہ قریب سے دیکھا اور آپ کے شب و روز کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دارا شکوہ اور دُوسرے مؤقر تذکرہ نگاروں نے مختلف مسائل کے بیان میں آپکی رائے کو اوّلیت دی ہے اور آپ کے ارشادات کو محترم جانا ہے۔

Marfat.com

○

حضرت میاں میر بالا پیر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت قدسیہ تھی کہ جب کوئی آپ کی بارگاہ میں بیعت کے لیے حاضر ہوتا تو آپ استفسار فرماتے کہ تم اکیلے ہو یا اہل و عیال بھی رکھتے ہو؟ اس پر اگر وہ شخص عرض کرتا کہ حضور اہل و عیال بھی رکھتا ہوں تو آپ اسے فرماتے کہ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ واپس چلے جاؤ اور بیوی بچوں کے حقوق پورے کرو۔ یہی عبادت ہے اور یہی بندگی ہے۔ بعض اصحاب آپ کا یہ فرمان سن کر واپس چلے جاتے اور خانگی مسائل میں اُلجھ جاتے، مگر جو صادق الیقین ہوتے وہ اس بات پر اڑ جاتے کہ حضور ساری زندگی آپ کے قدموں میں گزار دیں گے۔ آپ خواہ کچھ بھی کہیں، یہاں سے اُٹھ کر ہرگز ہرگز کہیں نہیں جائیں گے۔ آپ طالبانِ شوق کا جذبِ صادق دیکھتے تو فرماتے کہ:

"میاں ہم تمہاری بات مان لیتے ہیں، لیکن ہمارا حکم ہے کہ پہلے تم اپنے گھر جاؤ۔ اپنے بیوی بچوں کو کسی بزرگ کی سپرداری میں دے کر ان کے نان و نفقہ کا مناسب اہتمام کر کے آؤ۔ اس صورت میں تم ہمارے ساتھ چل سکو گے۔"

چنانچہ جو طالبانِ شوق آپ کے حکم کی تعمیل میں ایسا کرتے، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حضرت میاں میرؒ لاہوری کے ہو کر رہ جاتے۔ انہی انتہائی خوش قسمت اور برگزیدہ شخصیات میں ایک مشہور نام حضرت ملا محمد سعید قادری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جنہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اپنے شیخ کے قدموں میں نچھاور کر کے خود کو فنا فی الشیخ کے درجہ سے ہمکنار کر لیا تھا۔

Marfat.com

آپ گفتار اور کردار کے لحاظ سے اپنے شیخ عالی مرتبت کی ہُوبہو تصویر تھے۔ آپ نے قریباً ساٹھ سال سے زائد کا عرصہ حضرت میاں میرؒ لاہوری کی بارگاہِ قدسیہ میں بسر کیا۔ اس ضمن میں میاں محمد دین کلیم لاہوری حضرت میاں میرؒ کے خلفاء کا ذکر کرتے ہُوئے اپنی تصنیفِ لطیف "تذکرہ حضرت میاں میرؒ" میں یُوں رقمطراز ہیں:

"حضرت مُلّا تقریباً پچاس سال تک حضرت میاں میرؒ کی خدمتِ اقدس میں رہے اور انہیں سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کی۔ سکینۃ الاولیاء میں شہزادہ دارا شکوہ نے آپ کی زبانی بے شمار کرامات و خوارق حضرت میاں میرؒ قادری بیان کی ہیں...."

حضرت میاں میرؒ لاہوری کی یہ عادت تھی کہ اپنے جس مرید کو اپنے قربِ خاص اور خاص توجہ سے نوازتے تھے تو اسے علومِ دینیہ کی منازل سے بھی ہمکنار فرماتے تھے اور جب وہ مرید علومِ دینیہ میں کامل دسترس اور طریقت و روحانیت میں کمال حاصل کر لیتا تو آپ اسے مُلّا کے لقب سے یاد فرماتے۔ اس زمانے میں یہ لقب انتہائی معزز و محترم اور لائقِ صد ستائش تھا اور کسی کسی کو یہ سعادت نصیب ہوتی تھی کہ اُسے اس لقب سے پکارا جائے۔ اس لیے حضرت محمد سعید کے لیے یہ عظیم اعزاز تھا کہ اُن کے شیخ نے انہیں مُلّا کے لقب سے پُکارا۔ یہی وجہ ہے کہ دارا شکوہ نے بھی سکینۃ الاولیاء میں آپ کا اسی لقب اور دینی اعزاز کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔

حضرت مُلّا محمد سعید قادری صحیح النسب سادات میں سے تھے۔ مشہور علمی و روحانی شخصیت حضرت مُلّا شاہ بدخشانی سے بھی آپ کا خاص تعلق تھا اور آپ ان کے ساتھ کئی سال کشمیر میں بھی رہے۔ مُلّا محمد سعید قادری کو مختلف تذکرہ نگاروں نے مختلف اسمائے گرامی سے یاد کیا ہے۔ کہیں مُلّا محمد سعید قادری۔ کہیں آپ کو مُلّا محمد سعید خاں قادری کے نام سے یاد کیا گیا ہے تو کہیں مُلّا ابو سعید معصوم محمد سعیدؒ کے نام سے ذکر ہوا ہے۔ بہرحال یہ امر طے

Marfat.com

ہے کہ آپ ہی وہ شیخِ کامل ہیں جنہوں نے حضرت میاں میر قادریؒ کے مریدِ خاص داتا شاہ گِل کی رُوحانی تعلیم و تربیت اس انداز سے فرمائی کہ آپ آنے والے ادوار میں آسمانِ علم و حکمت پر مہرِ تاباں کی صُورت جگمگاتے رہے۔

حضرت مُلّا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کو بہت زیادہ عرصہ تک حضرت میاں میرؒ قادری کی صحبت میں رہنا پڑا تھا۔ اس لیے آپ اپنے قول و عمل سے اپنے شیخ کی تصویر بن گئے تھے۔ آپ کی زندگی اپنے شیخ کے زہد و ریاضت کی تفسیر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت میاں میر قادریؒ کی جس قدر کرامات اور ایمان افروز واقعات حضرت مُلّا سعیدؒ سے روایت ہوئے ہیں، اتنے اور کسی خلیفہ میاں میرؒ سے روایت نہیں ہُوئے۔ دارا شکوہ سے لے کر آج تک جُملہ مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے حضرت محمد سعید کے بیان کردہ واقعات کو احترام اور عقیدت کے جذبات کے ساتھ اپنے دل و جان میں جگہ دی ہے۔ اب ہم سکینۃ الاولیاء کے حوالے سے چند اہم واقعات کا ذکر کرتے ہیں جو حضرت مُلّا سعید سے روایت ہیں۔ حضرت میاں محمد میر قادریؒ کس طور عبادت کرتے تھے، اس سلسلہ میں دارا شکوہ مُلّا محمد سعیدؒ کے حوالے سے سکینۃ الاولیاء میں رقمطراز ہیں:

"مُلّا محمد سعید خانؒ سے میں نے سُنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ جناب حضرت میاں میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لاہور شہر کے باہر ایک ویران مکان میں پندرہ روز تک ذکر و فکر میں مشغول رہا تھا، لیکن مجھے اطمینان قلبی نصیب نہ ہُوا تھا۔ تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں اس مکان سے کسی دوسری جگہ کو منتخب کر لوں۔ قریب ہی ایک کنواں تھا جس کے قریب ایک سقّہ رہتا تھا اور وُہ یہ بھی جانتا تھا کہ میں نے پندرہ دن اس ویران مکان میں گزارے ہیں۔ یہ سقّہ میرے پاس آکر مجھے پُوچھنے لگا کہ آپ کس لیے یہاں سے چلے گئے ہیں۔ مَیں نے کہا بھائی اس مکان میں میرے

Marfat.com

دل کو اطمینان حاصل نہیں ہو سکا۔ یہ سُن کر وہ کہنے لگا کہ آپ کے قیام سے ایک دن پہلے کی بات ہے کہ ایک بارات کہیں باہر سے شہر کی طرف آ رہی تھی کہ اس مقام پر ان کو رات ہو گئی۔ اس لیے یہ براتی اس مکان میں رات رہے اور تمام رات کھیل تماشا کرتے رہے۔ یہ بات سُن کر مَیں نے اندازہ لگایا کہ ان لوگوں کے کھیل کھیلنے اور لہو و لعب کی وجہ سے اس مکان میں نحوست کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ یعنی لہو و لعب کا اثر اس مکان پر پڑ گیا ہے جس کی وجہ سے مجھے اطمینان حاصل نہ ہو سکا۔ مَیں نے اپنے لیے ایک اور جگہ کا انتخاب کیا اور وہاں جا کر اپنے ذکر و فکر میں مشغول ہو گیا۔"

اس طرح ایک اور مقام پر مُلا محمد سعید خاں قادری فرماتے ہیں:

"ایک دن مَیں نے "نفحات الانس" میں سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پڑھتے ہُوئے یہ واقعہ پڑھا اور تعجب ہُوا کہ اہلِ ارادت کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ جب ایک مرید حضرتِ بغدادی کے خلیفہ اور جانشین ہو گئے تو ہر روز لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ مَیں نے کامل تیس سال تک حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے فُضلے کو اپنے ہاتھوں سے اُٹھایا ہے۔ میرے دل میں آیا کہ عجب قسم کی عاجزی اور کسرِ نفسی ہے کہ آں جناب کی خدمت کرتے رہے ہیں اور اس پر اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ آپ نے جناب حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے فُضلے کو اُٹھایا ہے۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ واقعہ نفحات الانس کا جناب میاں میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سُنایا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے جو اس نے کیا۔ بلکہ یہ آسان ہے

Marfat.com

جو شخص چاہے کر سکتا ہے، اور اس طرح کی خدمت بجا لا سکتا ہے، لیکن مشکل کام تو وہ ہے جو کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خادم کے ساتھ کیا ہے کہ اپنے مرید کا دل غیر اللہ کے گند سے پاک کر دیا ہے اور یہ تمام نظام تعلقاتِ دُنیادی کے چھوڑنے سے ہی کامل ہو سکتا ہے۔ اور جناب میاں میرؒ کے طریقے میں پہلے تجرید (قطعِ تعلقاتِ دنیوی) کا سبق دیا جاتا تھا کہ طالب جلدی اپنا حقیقی مقام حاصل کرنے کی قابلیت حاصل کر لے۔" (بروایت سکینۃ الاولیاء)

اسی طرح مُلّا محمد سعیدؒ اپنے مُرشد حضرت قبلہ میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور کرامت بھی بیان کرتے ہیں۔ مُلّا سعیدؒ عقیدت کے ساتھ حضرت کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ مولانا صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ میں حضرت کی بارگاہ میں حاضر تھا آپ نے ارشاد فرمایا:

"مولانا گھر کی کیا خبر ہے؟"

مَیں نے عرض کیا کہ دو بیٹیاں توام پیدا ہو گئی ہیں۔ ایک فوت ہو گئی ہے اور دوسری زندہ ہے۔ اب میری بیوی حاملہ ہے۔ سَر سے چادر اُتار کر سجدہ میں رکھ کر روتی ہے کہ اے اللہ تو مجھے بیٹا دے۔ حضرت میاں میرؒ نے فرمایا کہ: وہ خدا کے لیے بچّہ دینے کا کام مشکل سمجھتی ہے کہ وہ ایک بچہ دے دے۔ اللہ کریم دو بچّے عنایت فرمائے گا۔" چند ماہ کے گُزرنے کے بعد مُلّا سعید کے گھر دو لڑکے توام پیدا ہوئے جنھوں نے طویل عمر پائی۔ (بروایت سکینۃ الاولیاء)

حضرت مُلّا سعید بیان کرتے ہیں کہ شیخ میاں میر قادریؒ کی بارگاہ سے جملہ حاجتمندوں کی حاجات پُوری ہوتی تھیں۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"نام مخدوم محمد اعظم شیخ محمد زاہد حاجی کے تھے اور بلخ سے آکر لاہور قیام

کر لیا تھا۔ اکبر بادشاہ کے ساتھ مراسم پیدا کر لیے اور سُلطان اکبر نے ایک اشرفی روز کا خرچ مقرر کر دیا۔ اب دو ماہ گزر گئے اکبر بادشاہ کی طرف سے روزینہ بند ہو گیا۔ صوفی محمد ناصر نے حضرت میاں جی کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہو کر تمام واقعہ بیان کر دیا۔ اور عرض کیا کہ اب تو میرے دوستوں کو فاقے ہیں۔ آپ سے دُعا کی اُمید لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نا اُمید نہ فرمائیں اور دُعا کریں کہ روزینہ مقرر ہو جائے۔ آپ نے فرمایا صُوفی آپ خود صاحب صلاح اور متقی ہیں خود کیوں دُعا نہیں فرماتے۔ عرض کیا اگر میری دُعا قبول ہوتی تو میں آپ کو زحمت کیوں دیتا۔ فرمایا آپ جائیں آج رات آپ کے روزینہ کا فیصلہ ہو جائے گا اور آپ کو روزینہ مل جائے گا۔ اسی رات اکبر بادشاہ نے صوفی ناصر کو بُلایا اور پُوچھا کہ کیا وظیفہ باقاعدہ مل رہا ہے۔ صُوفی صاحب نے سارا حال بیان کر دیا بادشاہ نے دو ماہ کا وظیفہ اکٹھا دلوایا اور آئندہ کے لیے باقاعدہ روزینہ دینے کا وعدہ کر کے صُوفی صاحب کو رخصت کیا۔" (بروایت سکینۃ الاولیا)

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے فیضِ عام کی ایک اور داستان مُلا محمد سعید کی زبانی سُنیے۔ مُلا صاحب فرماتے ہیں کہ :

"مَیں نے دربار میں نماز ظہر کے بعد حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ جب قبلہ حضرت میاں صاحب کے مکان پر پہنچا تو خیال آیا کہ حضرت میاں میرؒ اس وقت آرام کرتے ہیں اور اکثر حضرت میاں جی فرماتے ہیں کہ گرمیوں کی دوپہر سردیوں کی آدھی رات کی طرح ہوتی ہے۔ اور اس وقت لوگوں پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے ؛ لہٰذا نمازِ ظہر کے بعد آپ آرام فرما رہے ہوں گے۔ یہاں ہی بیٹھ جاتا ہوں تاکہ اس وقت آپ کو پریشان نہ کروں اور ساتھ ہی یہ احتیاط کی کہ اپنی آواز وغیرہ کو بند کر لیا کہ حضرت پریشان نہ ہوں۔ اسی حالت میں ایک خادم دوڑا ہوا آیا

Marfat.com

اور آکر عرض کی قبلہ حضرت صاحب آپ کو بُلاتے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی کہ مَیں آیا ہوا ہوں۔ خادم نے جواب دیا مَیں خود حیران ہوں کہ حضرت تو سو رہے تھے، ناگہاں آنکھیں کھول کر دیکھنے لگے اور مجھے بُلا کر فرمایا' باہر جاؤ دالان میں ملّا سعید خاں بیٹھے ہیں، ان کو بُلا لاؤ۔ میں اس کرامت کو دیکھ کر حیران تھا کہ حضرت کو کس طرح پتہ چل گیا کہ مَیں باہر بیٹھا ہُوا ہُوں۔ دربار میں حاضر ہو کر قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔" (بروایت سکینۃ الاولیا)

حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کس طرح اپنے نیاز مندوں کی دستگیری فرماتے تھے اس کی ایک جھلک حضرت ملّا محمد سعید خاں کی زبان سے ملاحظہ کیجیے:

"ایک دن حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے الہامی زبان میں ارشاد فرمایا کہ ایک پٹھان میرے پاس آیا اور وہ بڑا بے قرار تھا اور مجھ سے دُعا کی درخواست کی۔ مَیں نے دُعا کر دی اور مَیں نے کہہ دیا کہ ننگے کو کپڑے پہناؤ اور بھوکے کو کھانا کھلاؤ تو ساری مشکل کا میں ضامن ہُوں۔ وہ جب وہاں سے چلا گیا تو ایک بھوکا اس کو راستے میں مِل گیا اس کو اپنی انگوٹھی دے کر کہا کہ کھانا کھا لے آگے چند ننگے آدمی ملے، ان کو کپڑے پہنا کر پٹھان اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا تو اس کو ایک آدمی گھر کی طرف سے آتا ہُوا ملا۔ پٹھان نے خیال کیا شائد مرنے کی خبر لایا ہے لیکن جب وہ مِلا تو اس نے بیمار کے تندرست ہونے کی خبر دی۔ گھر جا کر اس نے حلوہ بنایا اور تھالوں میں بھر کر لایا اور ساتھ نقدی پیش کی۔ مَیں نے کہا یہ حلوہ کیا اور یہ رقم کس لیے لائے ہو۔ پٹھان نے کہا کہ کل آپ نے فرمایا تھا کہ بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور ننگے کو کپڑے پہناؤ میں تمہارا ضامن ہُوں۔ مَیں نے اسی طرح کیا اور آپ کی دُعا سے بیمار کو صحت حاصل ہو گئی۔ یہ حلوہ اور یہ نقد حاضر ہے آپ قبول فرمائیں۔ آپ

Marfat.com

نے حلوہ تو یہاں کے درویشوں میں تقسیم کر دیا اور نقد رقم اس کو واپس کر دی اور فرمایا اپنی ذات پر خرچ کر لو۔" (بروایت سکینۃ الاولیاء)

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کس حد تک دُنیاوی محفلوں سے کنارا کشی کرنے کا حکم دیتے تھے مُلّا محمد سعید اس طرف یُوں اشارا کرتے ہیں:

"مُلّا محمد خاں آصف خاں کے اُستاد تھے۔ تین بار حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور پہلی دو ملاقاتوں میں حضرت نے ارشاد فرمایا مُلّا جی بہتر ہے کہ دُنیا سے تعلقات کو کم کر دو اور حق تعالےٰ سے دل کو لگا دو اور جب مُلّا محمد خاں تیسری مرتبہ حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہُوئے تو آپ نے فرمایا کہ مولانا ہم نے آپ کو آزما لیا ہے۔ آپ دُنیا کو نہیں چھوڑ سکتے، تعلّقاتِ دنیاوی کو ختم کرنا آپ کے لیے مشکل ہے۔ یہ ہمت کا کام ہے، جو آپ نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ ضرور کرو کہ آصف خاں کی دوستی چھوڑ دو۔ آصف خاں کی دوستی آپ کو سخت نقصان دے گی۔ مُلّا نے حضرت میاں جی کی نصیحت کو چھوڑ دیا اور کوئی پَروانہ کی اور آصف خاں کے ساتھ کابل روانہ ہو گئے۔ دریائے کابل کے کنارے آصف خاں کے دُشمن نے آپ کو قتل کر دیا اور اس دوستی کا نتیجہ ہلاکت نکلا۔" (بروایت سکینۃ الاولیاء)

اِسی طرح ایک مرتبہ مُلّا محمد سعید کے اکبر آباد چلے جانے پر مشہور ہو گیا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں۔ مگر حضرت میاں میرؒ نے لاہور میں بیٹھ کر اس غلط خبر کی بذریعہ کشف تردید فرمائی۔ اس کی روداد مُلّا محمد سعید سے سُنیے۔ کہتے ہیں:

"مَیں اکبر بادشاہ کے ساتھ اکبر آباد چلا گیا اور وہاں بیمار ہو گیا۔ لاہور میں اِطلاع اس طرح آئی کہ میں فوت ہو گیا ہُوں۔ ایک حضرت میاں جی نے میرے متعلق لوگوں سے دریافت فرمایا کہ ملا محمد سعید کا کیا حال ہے۔ لوگوں نے

Marfat.com

کہا حضور ہم نے سُنا ہے وہ فوت ہو گئے ہیں۔ فرمایا یہ خبر غلط ہے مَیں
دیکھ رہا ہُوں کہ مُلّا محمد سعید زندہ ہیں اور صحیح سلامت ہیں۔ اللہ کی شان
کہ مَیں نے اکبر آباد سے لاہور آنے کا ارادہ کیا۔ جب لاہور آیا تو حضرت کی
غلامی کی خاطر حاضرِ دربار ہُوا، تو فرمایا کہ یہاں لوگوں نے آپ کے متعلق غلط
بات مشہور کر رکھی تھی، لیکن مَیں آپ کو زندہ و سلامت دیکھتا تھا۔ چنانچہ سچ
وہی ہُوا جو حضرت کی نگاہِ باطن نے دیکھا تھا۔" (بروایت سکینۃ الاولیاء)

حضرت مُلّا محمد سعید کے حالات و افکار کے ضمن میں سکینۃ الاولیاء میں داراشکوہ
نے اور بھی کئی بزرگانِ دین کا تذکرہ کیا ہے جو زبردست رُوحانی قوت کے حامل تھے۔
ان میں سے ایک حضرت ملّا شاہ صاحب تھے، جو ترکِ دُنیا۔ فقر و غنا، توکّل اور تسلیم و رضا
میں اپنے ساتھیوں سے کہیں آگے بڑھ گئے تھے۔ سکینۃ الاولیاء میں حضرت مُلّا محمد سعید
حضرت مُلّا شاہ کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ:

"حضرت میاں میر جیؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ مُلّا شاہ صاحب بھی
اس مجلس میں رونق افروز تھے۔ مَیں نے اس موقع پر یہ بات عرض کی کہ شاہ شجاع
کرمانیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ تیس سال تک نہیں سوئے اور نہ پہلو کے بَل
لیٹے۔ ایک دفعہ ایک لمحہ کے لیے سو گئے تو اس ساعت میں خواب میں اللہ تعالےٰ
کو دیکھا اور اُٹھ کر اللہ کریم کی بارگاہ میں دُعا کی کہ الٰہی اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ سو جانے
اور نیند کرنے میں تیرا دیدار ہوتا ہے تو میں زیادہ عرصہ سویا رہتا۔ فرشتہ غیبی نے آواز
دی کہ یہ تیس سال کی بیداری کا انعام ہے۔ مولانا شاہ صاحب نے اپنا منہ میری طرف
کر لیا اور فرمایا کہ حضرت میاں میر جیؒ کی خدمت میں ایسے درویش بھی ہیں جو پانچ سال
سے نہ سوئے ہوں اور نہ پہلو کے بَل لیٹے ہوں۔ جب ملّا شاہ صاحب چلے گئے تو
حضرت میاں میرؒ نے فرمایا کہ یہ بات شاہ صاحب نے اپنی کتاب میں بیان کی ہے

Marfat.com

پانچ سال سے نہیں سوئے۔ ان کے رات اور دن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور یہ آپ کی پہلی حالت تھی، اب مدت گزر چکی ہے۔ آپ بیدار رہتے ہیں اور آپ کی عمر اس وقت اٹھاون برس کی تھی اور آپ نے بڑی بڑی سخت ریاضتیں کی تھیں، لیکن بدن میں تازگی اور توانائی پوری طرح موجود ہے۔"

ہم نے سکینۃ الاولیاء کے حوالے سے حضرت میاں میرؒ کے وہ احوال و افکار بیان کیے ہیں جو آپ سے روایت ہیں۔ آپ کو چونکہ حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ساٹھ سال سے زائد عرصہ گزارنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی، اس لیے آپ سے روایت شدہ واقعات کی تعداد بھی حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے خلفاء کی نسبت زیادہ ہے۔ اب ہم داراشکوہ کی روایت سے دیکھتے ہیں کہ حضرت قبلہ میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدِ صادق حضرت مولانا (مُلّا) محمد سعید قادری کے بارے میں کیا جذبات اور احساسات رکھتے تھے۔ داراشکوہ ایک خصوصی مجلس کا حال قلمبند کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اس محفل میں حضرت میاں میرؒ نے مُلّا محمد سعید کا تذکرہ یوں فرمایا:

"پہلے حضرت مُلّا محمد سعید خانؒ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ آپ صحیح النسب سیّد ہیں۔ کمال درجہ کی فضیلت رکھتے ہیں اور تیس برس ہو گئے ہم اکٹھے رہتے ہیں۔ (حضرت مُلّا محمد سعید کو اس کے بعد ایک طویل عرصہ تک حضرت میاں میرؒ کی مزید صحبت نصیب ہوئی تھی) اور کشمیر کو ہم نے اپنا وطن بنا لیا۔ اور میرا دل نہیں چاہتا کہ کسی دوسری جگہ جائیں اور طریقۂ تصوف میں آج جو شخص کامل ہے، وہ مُلّا محمد سعید خاں ہے۔ آپ عارفِ کامل ہیں۔ میں نے اپنے بعض دوستوں کو ان کے حوالے کر دیا ہے تاکہ تربیت فرمائیں اور ان کے فرزندوں کو میں اپنا فرزند جانتا ہوں۔ میں

Marfat.com

نے اپنا تمام اثاثہ ان کے سپرد کر دیا ہے۔"

حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ان اقوالِ مبارکہ سے جہاں حضرت مولانا محمد سعید قادری کی خصوصی قدر و منزلت ظاہر ہوتی ہے جو آپ کو اپنے مُرشد کے دربار میں حاصل تھی وہاں حضرت میاں میرؒ کے اس جملہ میں "کہ میں نے اپنے بعض دوستوں کو ان کے حوالے کر دیا ہے کہ تربیت فرمائیں" سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ اپنے جن نیازمندوں کو حضرت مُلّا محمد سعید قادری کے سپرد کر دیتے تھے، وہ معمولی نہیں ہوتے تھے۔ انہی خوش نصیب بزرگوں میں داتا شاہ جمال نُوری بھی ہیں کہ پہلے تو انہیں حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خصوصی باطنی توجہات سے نوازا اور پھر انہیں حضرت مُلّا سعیدؒ قادری کے سپرد کر دیا کہ شہباز ہے اس کی اُڑان لاہوتی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت داتا شاہ جمال نوریؒ ان کی نگاہِ فیض رساں سے خاص طور پر فیضیاب ہُوئے۔

حضرت مُلّا محمد سعیدؒ قادری نے طویل عمر پائی اور وفات کے بعد موضع دھرم کوٹ رندھاوا ضلع امرتسر میں مدفون ہُوئے جہاں آپ کا سالانہ عرس پُورے رُوحانی تزک و احتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ عرس کی تقاریب میں مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو غیر مُسلم بھی اس عظیم رُوحانی راہنما کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

Marfat.com

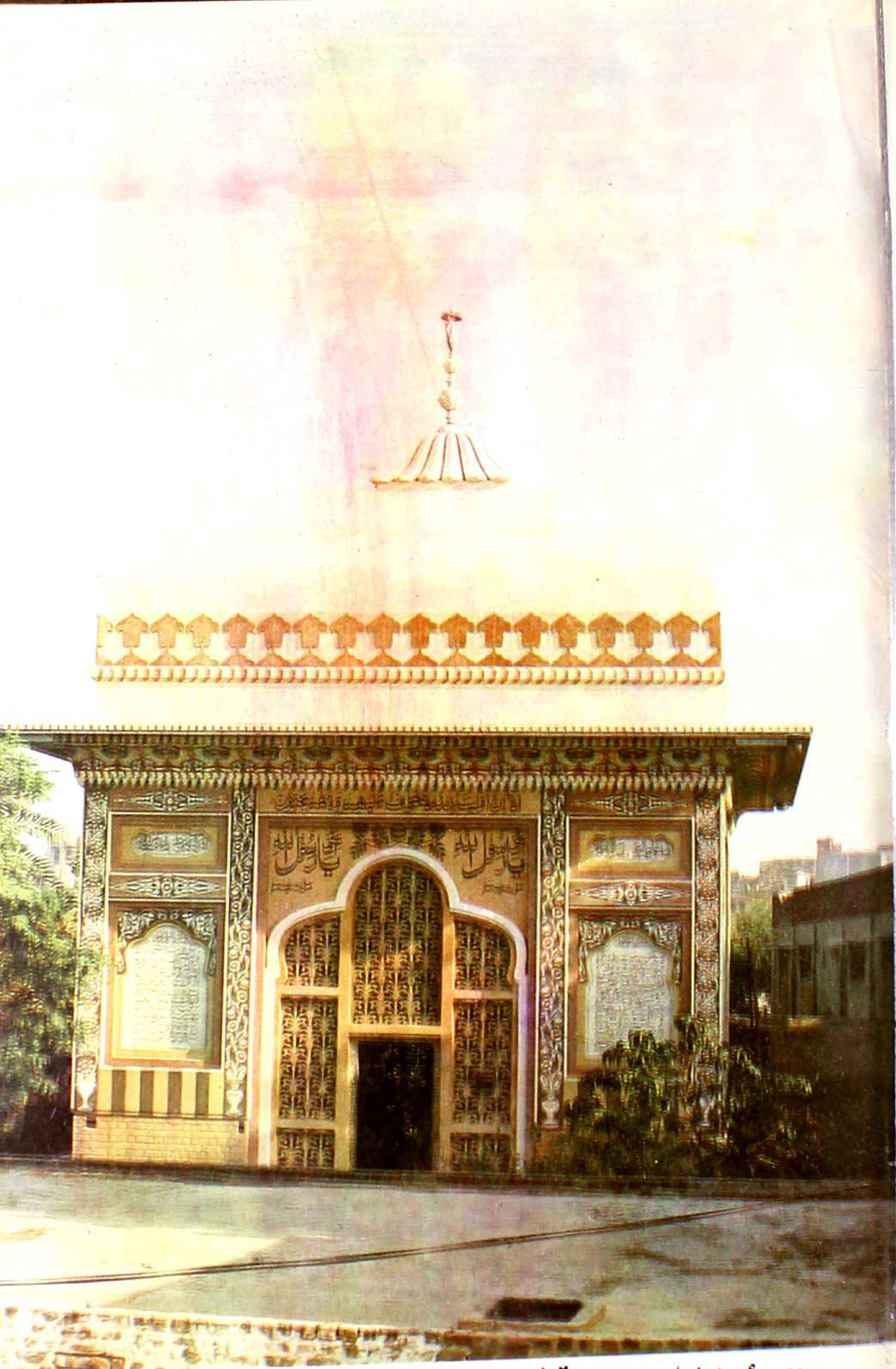

مزار پُر انوار حضرت داتا شاہ جمال نوریؒ، جس میں شاہ عبدالکریمؒ، شاہ عبدالرحیمؒ مولانا محبوب عالمؒ اور
مولانا غلام جیلانی بھی آسودہ لحد ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

سلطان الاولیاء

حضرت داتا شاہ جمال نوری قادری

رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

افتخارِ علم و عرفاں، حضرتِ داتا جمالؒ
مرجعِ اہلِ عقیدت فخرِ دیں مردِ کمال
راہ سے بھٹکے ہوؤں کے واسطے پیغامِ نُور
آسمانِ علم و حکمت کے وہ مہرِ لازوال
شوکتِ تبلیغ سے روشن کیے تاریک دِل
معرکۂ کُفر و دیں میں عظمتِ ایماں کی ڈھال
ان کے فیضِ عام کی چِٹکی ہُوئی ہے چاندنی،
عشقِ محبوبِ خُدا میں آپ تھے اپنی مثال
فیضیابِ صحبتِ حضرت میاں میرؒ و سعیدؒ
پیکرِ صدق و صفا، عالی سخن، شیریں مقال،

(محمد اکرم رضا)

Marfat.com

حضرت داتا شاہ جمال نوریؒ سرزمین گوجرانوالہ پر حضرت میاں میرؒ قادری لاہوری کی تعلیمات کے آفتابِ لازوال کی اوّلین کرن بن کر جلوہ فگن ہوئے۔ عابد و زاہد، پیکرِ رُوحانیت، اصحابِ نظر کا وقار، بزمِ شریعت و طریقت کی شان۔ آپ نے اپنے اسوۂ عالی سے اسوۂ میاں میرؒ کی یاد تازہ کردی۔ دیکھنے والے دیکھتے تو یوں محسوس ہوتا کہ جیسے حضرت میاں میرؒ اس سرزمین پر جلوہ گر ہوں۔

آپ خانقاہ قادریہ نُوریہ کے پہلے ولیِ کامل تھے جنہوں نے اس خطۂ ظلمات کو انوارِ عظمتِ اسلام سے ضوبار کردیا۔ ولیِ کامل، رہنمائے کاملاں، رہنمائے رفعت نشان سرزمینِ گوجرانوالہ کو اپنا مرکز بنا کر یہاں سے اصحابِ شوق کی ایک ایسی جماعت تیار کی جس کا ہر فرد مطلعِ تبلیغِ اسلام کا درخشندہ ستارہ تھا۔ خدا کی لاکھوں رحمتیں ہوں اس مردِ کامل کی تُربتِ اقدس پر جس نے محبّتِ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خوشبو بکھیر کر اس خانقاہ قادریہ کو آنے والے ادوار میں گہوارۂ رشد و ہدایت بنا دیا۔

Marfat.com

تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ اولیائے کرام نے ہر عہد میں ہر علاقے میں عظمتِ اسلام کے چراغ روشن کیے ہیں ۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلام تلوار کے زور نہیں بلکہ اولیاء ۔ وصوفیا کے کردار کی سر بلندیوں اور ان کے اخلاقِ عالیہ کی تاثیر سے پھیلا ہے ۔ سلاطین اور شہنشاہوں نے انسانی جسموں پر حکومت کی ہے جبکہ اولیائے کرام کی لازوال حکمرانی عوام الناس کے دل و دماغ پر رہی ہے اور حکمرانی وہی اَبدی ہوتی ہے جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے ۔ اس لیے ان صُوفیائے عظّام کی حکومت دائمی ہے ۔ کائناتِ انسانی کے دُوسرے علاقوں کی طرح برِّصغیر پاک و ہند میں کروڑوں مسلمانوں کا وجود انہی اولیائے کرام کی مقدّس تعلیمات اور ان کی رُوحانی مساعی کا مرہونِ منّت ہے ۔ ان صوفیائے عظّام نے شہروں ، بستیوں ، جنگلوں ، ویرانوں غرضیکہ ہر علاقے اور خطّے میں خُدا اور رسولِ خدا حضرت محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام سرمدی سنایا ۔ علم و حکمت کے جواہر تقسیم کیے ۔ رشد و ہدایت کے انعامات لٹاتے اور کُفر و ضلالت میں گھرے ہُوئے انسانوں کے دلوں کو اسلام کی روشنی اور ایمان کی تابندگی عطا کر دی ۔

سلسلہ عالیہ قادریہ ، چشتیہ ، نقشبندیہ ، سہروردیہ سمیت تمام سلاسلِ معرفت کے صُوفیا کی خدمات اس ضمن میں ہماری تاریخِ ایمان و یقین کا اعزاز ہیں ۔ سلسلہ قادریہ کے عظیم رُوحانی پیشوا اور سلطنتِ فقر کے تاجدار حضرت میاں میر بالا پیر لاہوری قادری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور آپ کی مساعیٔ جمیلہ کا تذکرہ ہم گزشتہ باب میں کر چکے ہیں ۔ اس باب میں ہم

آپ ہی کے سلسلے کے روشن ضمیر ولی حضرت داتا شاہ جمال نوری قادری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ مقصود ہے جنہوں نے حضرت میاں میر قادری لاہوری کے حکم کی تعمیل میں سرزمین گوجرانوالہ کو قادریت کے سدا بہار فیوض کی نعمت سے بہرہ ور کر دیا۔

ولادت

حضرت داتا شاہ جمال نوری قادری کی پیدائش موضع حضرت والا ضلع ڈیرہ غازی خاں میں ہوئی۔ آپ کا وطن مالوف قبلۂ عالم حضرت میاں میرؒ قادری لاہوری کے علاقہ پیدائش سے قریب ہی ہے۔ حضرت میاں میر قادری سیوستان کے رہنے والے تھے۔ حضرت داتا شاہ جمال نوریؒ کے حالاتِ زندگی بہت کم دستیاب ہیں۔ بیشتر حالات کا دارومدار دو چار کُتبِ تذکرہ اور ان کے خاندان میں سینہ بسینہ منتقل ہونے والی روایات پر ہے۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے خاندان کے مورثِ اعلیٰ فاتح سندھ عماد الدین محمد بن قاسم کے ہمراہ فتوحات اور تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں سندھ تشریف لائے۔ چونکہ مسلم فاتحین اپنے ساتھ مبلّغینِ اسلام اور فقہا و علما کو لے کر چلتے تھے کہ مفتوحہ علاقہ کو اسلام کی روشنی سے جگمگا سکیں۔ اس لیے شاہ جمال نوریؒ کے مورثِ اعلیٰ کا فاتح فوج کے ساتھ برِ صغیر میں آنا قرینِ قیاس اور تاریخی حقیقت کے عین مطابق نظر آتا ہے۔

اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ نے پہلے پہل اوچ شریف میں قیام کیا اور پھر ڈیرہ غازی خاں میں مقیم ہوئے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہ خاندان ڈیرہ غازی خاں کے قریبی گاؤں حضرت والا میں آ کر مقیم ہو گیا۔ معلوم نہیں اس گاؤں کا پہلا نام کیا تھا مگر چونکہ حضرت داتا شاہ جمال نوری کی ولادت تک اس گاؤں میں اس خاندان کے کئی بزرگ یکے بعد دیگرے رشد و ہدایت کا سلسلہ پھیلا چکے تھے، اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ اس گاؤں کو اس خاندان کی عالی نسبی اور علمی و روحانی حیثیت کی بنا پر "حضرت والا" کہا جاتا تھا۔

Marfat.com

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں اپنے والدِ بزرگوار اور دوسرے بزرگوں سے حاصل کی۔ اب اگرچہ آپ علمی طور پر اس قابل تھے کہ دینی بلندیوں کی جانب پرواز کر سکیں مگر آپ کے دل و دماغ میں اعلیٰ دینی و روحانی تعلیم کا جذبہ سمایا ہوا تھا۔ چنانچہ آپ کے دل میں یہی دھن سمائی کہ شہر لاہور کا رُخ کیا جائے۔ وہ لاہور کہ جو علماء و فقہا کا مرکز اور اہلِ ولایت کا مخزن تھا۔ جب آپ حصولِ علم کی آرزو لیے لاہور پہنچے تو ایک محتاط تاریخی اندازے کے مطابق آپ کی عمر اس وقت ۲۵ سال تھی۔ کچھ عرصہ آپ حضرت میاں وڈا کے درس میں شریک رہے۔ اور ایک طویل عرصہ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہِ اقدس میں بسر کیا۔ آپ کی تاریخِ ولادت اندازاً ۹۸۱ھ بمطابق ۱۵۷۳ء بنتی ہے۔

حسب و نسب

حضرت شاہ جمال نوریؒ حسب و نسب کے لحاظ سے قریشی صدیقی تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب ۱۷ واسطوں سے خلیفۂ اوّل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ رُوحانی سلسلے سے آپ قادری تھے۔ اس طرح آپ کا سلسلہ مختلف شیوخِ قادریت کی وساطت سے خلیفہ چہارم سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ سے ۲۳ واسطوں سے جا ملتا ہے۔ ہم آپ کے خاندانی اور رُوحانی سلاسل درج کر رہے ہیں۔

شجرہ بلحاظ خاندان (صدّیقی قریشی)

حضرت داتا شاہ جمال نوری بن حضرت شاہ مریدالدین بن حضرت شاہ حسام الدین بن حضرت شیخ محمد شریف بن حضرت شیخ محمد حاجی بن حضرت شیخ محمد احمد بن حضرت شیخ عبدالرحمٰن بن حضرت شیخ محمد شریف بن حضرت شیخ معروف بن حضرت شیخ داؤد بن حضرت شیخ وجہ الدین

Marfat.com

بن حضرت شیخ نجم الدین بن حضرت شیخ محمد سلیمان بن حضرت شیخ ابراہیم بن حضرت شیخ عبدالشکور بن حضرت شیخ علاؤ الدین بن حضرت شیخ مودود بن حضرت شیخ قاسم بن حضرت شیخ عبداللہ درمی بن حضرت شیخ عبدالمجید بسطامی بن حضرت شیخ ابوالحسن گادزونی بن حضرت شیخ محمد راضی بن حضرت شیخ محمود بغدادی بن حضرت شیخ جعفر بغدادی بن حضرت شیخ محمد قاسم بن حضرت شیخ ابو محمد مکی بن سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شجرہ بلحاظ طریقت (سلسلہ عالیہ قادریہ)

حضرت داتا شاہ جمال نوری صدیقی قادری مرید حضرت شاہ ابوسعید معصوم مرید شیخ العالم حضرت میاں محمد میر بالا پیر قادری لاہوری مرید حضرت خضر ابدال بیابانی مرید حضرت سید احمد مرید حضرت سید عابد کبیر مرید حضرت شیخ ابوالقاسم مرید حضرت موسیٰ حلبی مرید حضرت خواجہ ابوبکر مقتول مرید حضرت ابوداؤد مرید حضرت شاہ سلیمان مرید حضرت حفص ابوبکر مرید حضرت خواجہ حسن قرشی مرید حضرت عبدالرزاق مرید غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی مرید حضرت شیخ ابوسعید مرید حضرت شیخ ہنکاری مرید حضرت شیخ ابوالفرح طرطوسی مرید حضرت شیخ عبدالواحد یمنی مرید حضرت شیخ شبلی مرید سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی مرید حضرت سری سقطی مرید حضرت خواجہ حبیب عجمی مرید حضرت خواجہ حسن بصری مرید شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

شیخ کامل کے حضور حاضری

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے ہی موضع میں اپنے دادا شاہ حسام الدین سے حاصل کی۔ اور پھر مزید دینی تعلیم کے لیے لاہور چلے آئے۔ آپ ہی کے علاقہ کے حضرت میاں میر قادری اس سے قبل لاہور آ کر زمانے بھر کو علمی فیضان بخش رہے تھے۔ جس طرح سے

Marfat.com

حضرت داتا شاہ جمال نوریؒ حضرت میاں میرؒ قادری کی تقلید میں اپنے علاقہ سے لاہور چلے آئے اور پھر جس طرح آپ کی حضرت میاں میرؒ قادری سے مُلاقات ہُوئی اُس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ پہلے سے ایک دُوسرے کو جانتے ہوں گے اور کچھ بعید نہیں کہ ان میں آپس کی رشتہ داری بھی ہو۔

جب داتا شاہ جمال نُوری طلبِ علم کی آرزو لیے لاہور پہنچے تو آپ نے تحصیلِ علومِ دینیہ کے لیے اُس دَور کے مختلف مدارسِ علمیہ سے رجُوع کیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ میاں وَڈا کی درسگاہ میں دینی علوم کی تحصیل کرتے رہے۔ تحصیلِ علم کے اسی عرصے کے دوران میں آپ کی ملاقات حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ سے ہُوئی۔ اور یہی مُلاقات آپ کو زندگی کی آخری سانس تک ان کا حلقہ بگوش بنا گئی۔ ایک روز حضرت شاہ جمال نوریؒ اپنے مدرسہ سے کچھ فاصلہ پر کھڑے تھے کہ ادھر سے حضرت میاں میرؒ قادری کا گزر ہُوا۔ آپ نے اس سعید بخت نوجوان کو دیکھا تو طبیعت میں ذوقِ سخاوت مچل اُٹھا اور پُوچھا:

"نوجوان! تم نے کیا پڑھا ہے؟

حضرت شاہ جمال نوری نے آپ کے سوال کے جواب میں عرض کیا:

"حضرت مَیں نے علومِ دینیہ پڑھے ہیں۔"

حضرت میاں میرؒ قادری نے فرمایا:

"نہیں، نوجوان تم کچھ بھی نہیں پڑھے۔"

شاہ جمالؒ نوری نے اپنی عرض پر اصرار کرتے ہُوئے کہا:

"یا حضرت! مَیں دینی علم پڑھ رہا ہُوں۔"

حضرت میاں میرؒ قادری نے بدستور فیصلہ کُن لہجہ میں فرمایا:

"نوجوان تمہارا اصرار غلط ہے، ہمارے حساب سے تم بالکل نہیں پڑھے۔"

Marfat.com

حضرت میاں میرؒ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے اس فیصلہ کُن جواب نے نوجوان شاہ جمالؒ نوری کی نگہِ باطن شناس روشن کردی۔ دل پر خرد کی بے بسی اور علم کی بے بصری واضح ہوگئی، فوراً اظہارِ ندامت میں عرض کیا:

"حضور! آپ سچ فرماتے ہیں کہ مَیں نے کچھ نہیں پڑھا مگر اب میں پڑھنے کا متمنی ہوں۔ نگاہیں بے اختیار آپ کی جانب اُٹھ رہی ہیں، للہ کرم فرما دیجیے۔"

حضرت میاں میرؒ قادری نے ایک شانِ استغنا سے نوجوان شاہ جمال نوری کی طرف دیکھا اور چپکے سے اپنی خانقاہ کی طرف ہو لیے۔ نوجوان شاہ جمال نُوری کہ جن کے قلب و نظر میں محشر بپا تھا بصد منت وزاری آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ جب حضرت میاں مِیرؒ قادری خانقاہ میں جا پہنچے تو شاہ جمال نُوری نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور خرد کی گتھیاں تو سلجھا چکا ہوں، اب آپ کے فیضانِ نظر کا منتظر ہُوں۔ خدارا مجھے اپنے دامانِ کرم سے وابستہ کر لیجیے۔ حضرت میاں میرؒ قادری کا بحرِ کرم تو پہلے ہی مَوّاج تھا۔ وہ تو اس جوانِ رعنا کی پیشانی سے اُبھرتے ہُوئے آثارِ سعادت کو پہلے ہی ملاحظہ فرما چکے تھے۔ فوراً اپنا دامانِ لطف دراز کر دیا، اور اس بلند قسمت نوجوان طالب علم شاہ جمال نُوری کی رُوحانی و باطنی تربیت کا مرحلہ شروع کر دیا۔

روحانی تربیت

شاہ جمال نوری دینی علوم کی تحصیل تو کر چکے تھے۔ رُوحانی و باطنی فیوض کی بارانِ رحمت نے انھیں مسِ خام سے کُندن بنا دیا۔ حضرت میاں میرؒ قادری کی خانقاہ ان کے لیے دبستانِ معرفت ثابت ہُوئی۔ کہتے ہیں کہ زمین جس قدر زرخیز ہو اتنا ہی زیادہ نم قبول کرتی ہے۔ شاہ جمال نوری کی کشتِ آرزو تو مدّتوں سے ایسے ہی ابرِ گوہر بار کے برسنے کی منتظر تھی اس لیے آپ نے حضرت میاں میرؒ قادری کے چشمۂ معرفت سے جی بھر کر سیرابی حاصل کی حضرت

Marfat.com

میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو روحانی گداز، باطنی مشاہدات اور روحانی سوز و ساز سے بہرہ ور کر دیا۔ عبادت و ریاضت میں اوقات بسر ہونے لگے۔ مجاہدے اور ریاضتیں ان کا معمول بنتی گئیں اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ حضرت میاں میرؒ قادری آپ کی رُوحانی کاوشوں کو اپنی پسندیدگی سے نوازنے لگے۔

حضرت میاں میرؒ قادری رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ کسی طالبِ راہِ حق کو خصوصی عنایات سے نوازنے تو اُسے مجاہدوں اور ریاضتوں سے گزار کر اپنے کسی خلیفۂ خاص کے سپُرد کر دیتے تاکہ بہرہ نوردِ راہِ حق منزلِ حق و صداقت پر فائز ہو سکے۔ شاہ جمال نُوریؒ کی رُوحانی تربیت کی تکمیل کے لیے حضرت میاں میرؒ قادری نے انھیں اپنے مریدِ خاص اور خلیفہ حضرت شاہ ابوسعید معصومؒ[1] رحمۃ اللہ علیہ کے سپُرد کر دیا۔ اور انھیں تاکید فرمائی کہ اس صاحبِ ذوق و شوق کی باطنی تربیت میں کوئی کمی واقع نہ ہونے پائے۔ ایک تو مُرشد کا حکم تھا اور دوسرے شاہ جمال نوریؒ کی طبعِ رسا کا کمال تھا کہ حضرت شاہ ابوسعید معصومؒ نے ان پر باطنی توجّہ کو بطورِ خاص مرکوز کر دیا اور یہ نہایت تیزی سے فکری و نظری فیوض سے بہرہ یاب ہونے لگے۔

اگرچہ شاہ جمال نوری کی باقاعدہ بیعت حضرت ابوسعید معصومؒ سے تھی لیکن آپ کو حضرت میاں میرؒ قادری کے انعامات بھی مسلسل حاصل ہوتے رہے۔ اپنے مرشدِ کامل کے ارشادات کی روشنی میں شاہ جمال نُوری کا مقدر ہر آن سنورتا رہا۔ ان کی کتنی بڑی خوش نصیبی تھی کہ ان پر ایک طرف تو مرشدِ کامل کی نوازشات برس رہی تھیں اور دُوسری طرف حضرت میاں میر قادری بھی انھیں مسلسل اپنی باطنی توجہ کا حقدار بنائے ہُوئے تھے۔

ع یہ نصیب اللہ اکبر لُوٹنے کی جائے ہے

---

[1] حضرت شاہ ابوسعید معصومؒ عظیم المرتبت ولی اللہ تھے۔ آپ کا مزارِ اقدس موضع گوٹ رندھاوا ضلع امرتسر میں ہے۔

Marfat.com

حضرت ابو سعید معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہِ کیمیا اثر نے حضرت میاں مِیرؒ قادری کے حکم کی تعمیل میں اس صالح نوجوان کو رُوحانی طور پر وہ سَربلندیاں عطا کیں کہ دوسرے مریدین اس پر رشک کرنے لگے۔ جب شیخِ کامل نے دیکھ لیا کہ صاحبِ دل مرید نے اس کے حلقۂ تربیت سے پُورا پُورا استفادہ کر لیا ہے تو انہوں نے حضرت شاہ جمال نوریؒ کو خرقۂ خلافت عطا کیا۔ حضرت شاہ جمال نُوری تو خرقۂ خلافت سے زیادہ اپنے شیخ کی صحبت میں رہنا پسند کرتے تھے۔ انہیں اپنے شیخ سے دُوری گوارا نہ تھی، مگر حضرت ابو سعید معصومؒ نے شفقت سے سمجھایا کہ:

"شمع کا کام روشنی پھیلانا ہے۔ اسلام کا مقصود بھی یہی ہے کہ ہدایت کی روشنی پھیلتی رہے۔ ہم نے حق و صداقت کی جو شمع تمہارے سینے میں روشن کی ہے، تمہارا فرض ہے کہ اس کی روشنی سے زیادہ سے زیادہ خلقِ خدا کو فیضیاب کرو اور اپنے علم و حکمت سے ان علاقوں کو فیضیاب کرو جو تعلیماتِ اسلامی کی روشنی سے محروم ہیں۔"

اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل میں آپ نے اپنے سر کو جھکا لیا، تو حضرت ابو سعید معصومؒ حضرت میاں میرؒ کے ایماء پر فرمانے لگے:

"ہم نے گوجرانوالہ کی ولایت تمہارے سپرد کی ہے۔ جاؤ اور اس علاقے میں عظمتِ اسلام کے پیغام کو عام کر دو۔ اس علاقہ کی مخلوقِ خدا کو اسلام اور قرآن کی تعلیم سے آشنا کرو۔ ظلمتوں میں ایمان کے چراغ روشن کرو اور تاریک دلوں کو نُورِ ہدایت سے جگمگا دو۔"

گوجرانوالہ میں آمد

آپ نے اپنے شیخ عالی مقام کے حکم پر آمنّا و صدّقنا کہا اور حکم کو بجا لاتے ہوئے

Marfat.com

گوجرانوالہ کو روانہ ہو گئے۔ اس دور میں گوجرانوالہ شہر کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔ اس نام کا ایک گاؤں جی۔ٹی روڈ کے کنارے آباد تھا۔ آپ گوجرانوالہ کے نواحی گاؤں کھیالی میں مقیم ہو گئے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ تبلیغ و اشاعتِ دین کے لیے گاؤں کی فضا تنگ محسوس ہوئی تو کھیالی گاؤں سے شمال کی جانب اپنی خانقاہ قائم کی۔ آج تو گوجرانوالہ اور کھیالی کے درمیان آبادی کی کثرت کی بنا پر فاصلہ نظر نہیں آتا۔ اس دور میں آپ کی خانقاہ اس راستے پر قائم تھی جو کھیالی سے گوجرانوالہ کو جاتا تھا۔ آنے والے ادوار میں جب گوجرانوالہ کی حدود وسیع ہوئیں تو شہر گوجرانوالہ کی آبادی آپ کی خانقاہ تک آپہنچی اور آپ کی خانقاہ کے محلِ وقوع کو بیرون کھیالی دروازہ کہا جانے لگا۔

جس طرح خوشبو پھول کے بطن سے پھوٹتی اور ماحول کو معطر کر دیتی ہے اسی طرح اولیاء اللہ کا پیغام بھی ان کے دلوں سے اُبھر کر عوام الناس کے دلوں میں اپنا مقام بناتا ہے۔ حضرت شاہ جمال نوری کا پیغام فی الحقیقت محبت و خلوص کی خوشبو کا پیغام تھا۔ یہ پیغام معرفتِ الٰہی اور جذب و شوق کا پیغام تھا۔ یہ تو دُکھ درد کے مارے ہوؤں کے لیے امن و راحت کا پیغام تھا۔ یہ تعلیماتِ قرآنی کی اشاعت اور عشقِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام تھا۔ آپ کا پیغام دلوں میں گھر کرنے لگا۔ اہلِ نظر آتے اور دامانِ مراد بھر کر لے جاتے۔ جو ایک بار آپ کے حلقہ صحبت میں آتا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کا ہو کر رہ جاتا۔ آپ کی صحبت دلوں کو رُوحانی گداز اور ایمانی تب و تاب بخش دیتی۔ غمِ حیات کے مارے ہوئے آپ کے دامن میں پناہ لیتے تو انھیں آلامِ روزگار کی سختیوں سے رہائی کا احساس ہونے لگتا۔ آہستہ آہستہ آپ کے نام کے ساتھ "داتا" کا لفظ مختص ہو گیا اور ارادت مند آپ کو داتا شاہ جمال نوریؒ کے نام سے پکارنے لگے۔ یہی نام آج تک نیاز مندوں کے لیے پیغامِ سکون بنا ہوا ہے۔

Marfat.com

کے نامور رہنمائے طریقت تھے۔ آپ کو غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے غیر معمولی عقیدت تھی اور سلسلہ عالیہ قادریہ کے روحانی معمولات نہایت پابندی سے ادا فرماتے۔ جس دَور میں آپ نے خانقاہ قادریہ کے ذریعہ روحانی فیوض لٹانے شروع کیے تھے اس دَور میں یہ علاقہ اسلامی تہذیب و تمدّن کی روشنی سے بڑی حد تک محروم تھا۔ اس علاقہ میں ہندو سکھ کثرت سے آباد تھے اور بیشتر زمینوں پر بھی وہی قابض تھے۔ مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور ہندوؤں، سکھوں کی دیکھا دیکھی کئی غیر اسلامی رسوم مسلمانوں میں رواج پذیر ہو گئی تھیں۔ حضرت داتا شاہ جمال نوریؒ نے عظمتِ اسلام کا پرچم اس شان سے لہرایا کہ چاروں طرف اسلامی تعلیمات کا دَور دورہ ہونے لگا۔

آپ نے جہاں غیر مسلموں کو اسلام کی عظمت و حقانیت کی طرف مائل کیا وہاں ان مسلمانوں کو جو جادۂ حق سے بھٹک چکے تھے پھر سے صراطِ مستقیم پر گامزن کیا۔ ہندو سکھ آپ کی خدمت میں حاضری دیتے اور آہستہ آہستہ ان پر اسلام کی حقانیت کا رنگ غالب آنے لگتا اور وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتے۔ وہ مسلمان جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے غافل ہو چکے تھے آپ نے انھیں پھر سے شعائرِ ایمان کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔

حضرت داتا شاہ جمالؒ نوری کا اندازِ تبلیغ نہایت سادہ اور مؤثر تھا۔ آپ بحث و مباحثہ سے گریز کرتے اور پُر تاثیر انداز سے وعظ و نصیحت فرماتے۔ یہی وجہ تھی کہ جس کے کانوں میں ایک بار آپ کے کلمۂ حق کی صدا پہنچ جاتی پھر وہ آپ کی خانقاہ عالیہ کے فیضان سے مستقل سیراب ہونے لگتا۔ آپ کی نگاہ میں غضب کی تاثیر تھی اور کیوں نہ ہوتی کیونکہ یہ تاثیر حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ جیسے ولیٔ کامل کی عنایتِ خاص تھی کہ جن کی چوکھٹ پر سلاطینِ وقت حاضری دینا اپنے لیے اعزاز تصور کرتے تھے۔ اس علاقے میں شورشوں نے سر اٹھا رکھا تھا۔ قتل و رہزنی اور غارت گری عام تھی۔ جملہ آوروں کے لشکر گزرتے اور بستیوں کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے۔ اس دَور

Marfat.com

پُرآشوب میں آپ نے جس طور خلقِ خدا میں امن وسکون اور تسکینِ حیات کی دولت تقسیم کی اور جس طرح حالات کے ستائے ہُوئے انسانوں کو قرار عطا کیا اُس نے آپ کو مرجعِ خلائق بنا دیا۔

سیرت وکردار

آپ کی زندگی سُنّتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کا عملی نمونہ تھی۔ آپ نہ صرف خود سیرتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم کے عملی تقاضوں پر سختی سے کاربند تھے بلکہ اپنے مریدین اور ارادتمندوں کو بھی ارشاداتِ مصطفوی پر عمل پیرا ہونے کی شدید تلقین کیا کرتے تھے۔ آپ نے نہایت سادگی اور توکّل سے زندگی بسر کی۔ فقر و استغنا کو اپنا معمول بنائے رکھا۔ درویشِ بے ریا کی صورت خدا کے بھروسے پر اشاعتِ اسلام کی شمع روشن کی اور پھر بہت جلد اس شمعِ ایمانی کی روشنی پورے علاقہ کا ظلمت زدہ ماحول منوّر کرنے لگی۔

شاہ جمال نوریؒ نے اپنے اخلاصِ عمل، بے ریائی، جذبۂ خدمتِ خلقِ خدا، معرفتِ الٰہی اور تزکیۂ نفس کا جو بیج صدیوں پیشتر بویا تھا اس سے پھوٹنے والے شجرِ سایہ دار نے مدّتوں اصحابِ علم و فضل کو اپنے وقار کا احساس دلائے رکھا۔ آپ نے بیرون کھیالی دروازہ میں ایک خانقاہ کے قیام کی صُورت میں ایک ایسا دبستانِ معرفت قائم کیا تھا جس سے زمانہ صدیوں اکتسابِ فیض کرتا رہا۔ آنے والے برسوں میں یہ خانقاہ اہلِ نظر کے لیے بیش بہا سرچشمۂ معرفت ثابت ہوئی۔

حضرت شاہ جمال بلاشبہ اس علاقہ کے رہنمایانِ طریقت میں مرکزی حیثیت کے حامل تھے۔ علمائے کرام اور شیوخ آپ کی خدمت میں حاضری دینا باعثِ سعادت تصوّر کیا کرتے تھے۔ آپ قطبِ یگانہ اور غوثِ وقت تھے۔ آپ کی حیاتِ ظاہری میں بھی اولیائے عظام آپ کی خانقاہ میں حاضری باعثِ فخر سمجھتے تھے اور آپ کی وفات کے بعد

Marfat.com

بھی اولیائے کرام آپ کے دربار میں اسی حسنِ عقیدت کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔ آپ کی خانقاہ میں اولیاء کی حاضری ایک معمول کے طور پر صدیوں سے جاری ہے۔ جب کسی صاحبِ ولایت کو اس علاقہ میں تبلیغ و ارشاد کا فرض سونپا جاتا ہے تو وہ آپ کے مزار پر حاضر ہوتا ہے گویا اپنے فرائض کو بجالانے کے لیے اجازت طلب کرتا ہے۔ اور جب وہی صاحبِ ولایت اس علاقہ سے رخصت ہوتا ہے تو پھر وہ سلام کے لیے آپ کے مزار پر حاضر ہوتا ہے گویا وہ رخصت ہونے کی اجازت طلب کر رہا ہوتا ہے۔ یوں کہنا بجا ہوگا کہ اس طور ان اصحابِ معرفت کی فکری و روحانی حیثیت پر مہر تصدیق ثبت ہوتی ہے۔

آپ صاحبِ کرامات کثیرہ تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب بندہ رضائے الٰہی میں ڈھل جاتا ہے اور اپنی زندگی مکمل طور پر خوشنودیٔ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر کر دیتا ہے تو پھر تقدیرِ خداوندی اس بندۂ خاص کی تدبیر کا مزاج سمجھنے لگتی ہے، اور یہ بندۂ خاص اپنی زبان سے جو کچھ کہتا ہے وہ پرتوِ تقدیرِ یزداں بن جاتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف ایک صاحبِ تصوف شاعر نے اشارا کیا تھا:

؎ گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

حضرت شاہ جمال کی زندگی خدا کے احکام کی تعمیل اور خوشنودیٔ خدا کے حصول میں بسر ہوئی تھی۔ اب یہ کس طرح ممکن تھا کہ ان کے فرمودات تائیدِ ربانی کی بدولت تقدیر کے تقاضوں کے امین نہ بنتے۔ آپ کی کرامات بلاشبہ اہلِ ایمان کے دلوں کو روحانی جلا بخشنے کا سبب ثابت ہوئیں لیکن ہمارے نزدیک آپ کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ آپ نے کفر و ضلالت کی تاریک راہوں پر سفر کرنے والے گنہگاروں کو توحیدِ خداوندی کی روشنی عطا کی بتوں کی پرستش کرنے والوں کو خدائے واحد کے تصور سے آشنا کیا اور تعلیماتِ اسلامی سے دُور رہنے والے مسلمانوں کو اسوۂ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی اتباع کا ذوق بخشا۔ آپ کی نگاہوں کا فیضان ایک کرامت کی صورت مدتوں جاری رہا اور ایمان کی دولت سے

Marfat.com

محروم انسان آپ کی صحبت میں کچھ وقت گزار کر دُنیاوی اور اُخروی سرخروئی کا سامان حاصل کرتے رہے۔ آپ کا یہ فیضان آج بھی جاری ہے۔ ؎

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے جس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

اہلِ ایمان تو آپ کے گرویدہ تھے ہی غیر مسلم بھی آپ کی خدمت میں حاضری دینا اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔ کتنے ہی ہندو سکھ تھے جو آپ کی خدمت میں حاضری دینے کی بدولت چوری، اچکاری، ڈاکہ زنی، لوٹ مار اور دوسری برائیوں سے اجتناب کرنے لگے۔ ہندو سکھ آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے مزار پر حاضر ہوتے اور آپ کے عُرس کی تقریب میں شرکت کرتے تھے۔ آپ کا پیغام امن و آشتی اور صُلح و محبّت کا پیغام تھا اور یہی وہ پیغام ہے جو دلوں کو مسخر کرتا اور رُوحِ انسانی کو تسلیم و رضا کے آداب سکھاتا ہے۔

وفات

آپ نے ۱۱۰۶ھ میں وفات پائی اس وقت آپ کی عمر ۷۹ برس تھی۔ وفات کے بعد آپ اسی مرکزِ رشد و ہدایت یعنی خانقاہ قادریہ بیرون کھیالی دروازہ گوجرانوالہ میں مدفون ہوئے جہاں آپ نے زندگی بھر تعلیمات مصطفوی صَلَّی اللہ علیہ وسلّم کو عام کرنے کا مقدّس فریضہ انجام دیا تھا۔ آپ کی وفات کو صدیاں بیت چکی ہیں، لیکن آپ کا روحانی فیض اسی انداز سے جاری ہے جس طرح آپ کی حیاتِ ظاہری میں تھا۔ اہلِ نظر آپ کے مزار پر حاضر ہو کر اس عظیم المرتبت ولی اللہ کو سلامِ عقیدت پیش کرتے ہیں ؎

تُو دِلوں میں معرفت کا نُور بن کر زندہ ہے
مہر کی صُورت ترا ذوقِ عمل رخشندہ ہے

حضرت داتا شاہ جمال نُوری کی یادگار خانقاہ قادریہ آج بھی آپ کے ایمان افروز جلووں سے

Marfat.com

آباد ہے۔ آپ کے خاندان میں یکے بعد دیگرے ایسے فرزندانِ حکمت مطلعِ علم وعمل پر اُبھرے جنہوں نے آپ کے پیغام کو چار جانب پہنچانے کے لیے اپنا مشن جاری رکھا۔ آپ کے اہلِ خاندان نامور خلفاء اور ذوقِ یقین سے بہرہ ور ارادتمندوں نے آپ کی تعلیمات کی عظمت کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور نہ صرف اس علاقہ میں بلکہ دور دراز کے معروف اور گمنام علاقوں میں اپنے عظیم مُرشد کے رُوحانی سلسلہ کو آگے بڑھانے کا مقدس فریضہ انجام دیتے رہے۔

عظمت و احترامِ ولایت

حضرت شاہ جمال نوریؒ کی حیاتِ مُبارکہ ہی میں آپ کا شہرہ چاروں طرف پھیل چکا تھا اور فقط عوام الناس ہی نہیں بلکہ اصحابِ ولایت و معرفت بھی آپ کے فیوض سے استفادہ کرنے کے لیے دُور دُور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے چونکہ آپ کو گوجرانوالہ کی ولایت حضرت میاں میرؒ کے دربارِ عالیہ سے حاضر ہوئی تھی[1] اس لیے علاقہ بھر کے بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ آپ سے استفادہ کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے

آپ کے صاحبزادگان والا شان حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ اور حضرت شاہ عبدالکریمؒ

---

[1] مؤرخ لاہور محمد دین کلیم قادری رقمطراز ہیں: حضرت شاہ میرؒ نے آپ (داتا شاہ جمال نوری) کو اپنے ایک مرید شاہ ابو سعید معصوم قادری کے حوالے برائے ریاضت و مجاہدہ کر دیا۔ چنانچہ خلافت آپکو حضرت شاہ ابوسعید معصوم قادری سے ملی۔ بعد ازاں حضرت میاں میرؒ نے گوجرانوالہ کی خلافت آپ کے حوالے کر دی اور آپ کو وہاں بھیج دیا۔

تذکرہ مشائخ قادریہ از محمد دین کلیم قادری

ص ۱۶۳، اشاعت ۱۹۸۵ء

مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔ لاہور

(جو یکے بعد دیگرے آپ کے وصال کے بعد خانقاہِ عالیہ میں مسند نشین ہوتے رہے) کی بدولت یہ روحانی مرکز مختلف ادوار میں طالبانِ معرفت کو مرادِ شوق عطا کرتا رہا ۔ اطراف واکناف سے شیدائیانِ طریقت پروانہ وار داتا شاہ جمال نوری کے مرکزِ روحانیت پر حاضر ہو کر توفیقِ ہدایت ڈھونڈتے رہے ۔ شمعِ عقیدت کے پروانوں کی حاضری صدیاں بیت جانے کے بعد آج بھی اسی ذوق وشوق سے جاری ہے ۔

Marfat.com

مَردِ کامل

حضرت شاہ عبدالکریمؒ

رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

راحتِ قلبِ پریشاں حضرتِ شاہ کریمؒ
نازشِ اصحابِ ایماں حضرتِ شاہ کریمؒ
دردمندِ قلبِ غمگیں، رہبرِ راہِ عمل
فقر و فخری کا ہیں عنواں حضرتِ شاہ کریمؒ
چارہ سازِ فکرِ بےکس، شانِ ایماں جانِ دیں
پرتوِ تقدیرِ یزداں حضرتِ شاہِ کریمؒ
ظلمتِ حالات میں شمعِ حقیقت آفریں
ترجمانِ نورِ قرآں، حضرتِ شاہ کریمؒ
عظمتِ توحید سے ہر سُو اُجالا کر دیا
ہیں مثالِ مہرِ تاباں حضرتِ شاہ کریمؒ

(محمد اکرم رضا)

Marfat.com

ذخیرہ
جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی
لاہور پاکستان

حضرت داتا شاہ جمال نوریؒ کے دو صاحبزادے تھے۔ حضرت شاہ عبدالرحیمؒ اور حضرت شاہ عبدالکریمؒ دونوں ہی صاحبِ حال اور صاحبِ قال بزرگ تھے۔ حضرت شاہ عبدالکریمؒ حضرت داتا شاہ جمال نوریؒ سے بیعت تھے۔ عظیم باپ نے انہیں علومِ دینیہ کے ساتھ ساتھ علومِ روحانیت میں بھی طاق کر دیا تھا۔ داتا صاحب کی وفات کے بعد آپ کے کندھوں پر بہت بڑا بوجھ آ پڑا تھا۔ ایک عظیم المرتبت ہستی کا اُٹھ جانا قیامت سے کم نہیں ہوتا۔ حضرت شاہ عبدالکریم نے اس نازک موقع پر نہ صرف اپنے والدِ محترم کے مریدوں کی دلداری کی بلکہ اس سلسلہ کو مزید آگے بڑھانے کے لیے پوری رُوحانی توجہ صرف کر دی۔

آپ کا شمار اپنے دَور کے نامور اولیائے کرام میں ہوتا ہے۔ اہلِ دل دُور دُور سے آتے اور آپ کی رُوحانی توجہ سے فیضیاب ہوتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالکریم کا وجود ان اصحابِ نظر کے لیے باعثِ رحمتِ خداوندی تھا جو حقائق کے جویا اور رحمتِ خداوندی کے متلاشی ہوتے ہیں۔ آپ صاحبِ جذب و استغراق تھے۔ عالمِ سرمستی میں ہوتے تو بھی شریعت کا دامن ہاتھوں سے نہ چھوٹنے پاتا۔ آپ کے فیوض کا سلسلہ بڑھا تو بڑھتا ہی چلا گیا۔ آپ کی نگاہ پُر تاثیر تھی اور آپ کا کردار دلوں کو موہ لیتا تھا۔ آپ کی بھرپُور کوشش یہی تھی کہ اس خانقاہ کی رِوایاتی تب و تاب ماند نہ پڑنے پائے اور آپ بلاشبہ اس میں کامیاب بھی ہُوئے۔ ایک عرصہ تک اہلِ نظر کے دلوں کو

Marfat.com

عقیدت آشنا کرنے کے بعد بالآخر آپ وصال فرما گئے اور اپنے والد محترم داتا شاہ جمال نوریؒ کے مزار کے پاس ہی مدفون ہوئے۔

آپ کی پیدائش ۱۰۲۶ھ مطابق ۱۶۱۷ء میں ہوئی۔ جب کہ آپ ۱۰۷۲ھ مطابق ۱۶۶۱ء میں واصل بالحق ہوئے۔

Marfat.com

حضرت شاہ عبدالرّحیم

رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

صاحبِ تقدیسِ انساں ، بزمِ ہستی کا وقار
نورِ چشمِ شہ جمالؒ، و قلبِ بسمل کا قرار
حسنِ تسلیم و رضا وہ حضرتِ شاہ رحیمؒ
زینتِ دُنیائے ایماں، رحمتِ پروردگار
بھولے بھٹکوں کو ملایا خالقِ کونین سے
کر دیے بندوں پہ اسرارِ حقیقت آشکار
دہر کو انوارِ ایماں سے منوّر کر دیا
اولیاء کے لاڈلے اہلِ نظر کے تاجدار
ایک مدّت سے ہیں آغوشِ لحد میں جاگزیں
آج تک چھائی ہوئی ہے ان کی یادوں کی بہار

(محمد اکرم رضا)

Marfat.com

○

ولادت ۱۰۲۲ھ مطابق ۱۶۱۳ء

وصال ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۸ء

حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت داتا شاہ جمال نوریؒ کے چھوٹے بیٹے تھے۔ آپ کی تربیت اپنے والدِ محترم اور برادرِ بزرگوار کے ہاتھوں ہوئی۔ دونوں کی باطنی اور رُوحانی توجہ نے آپ کو میدانِ معرفت کا شہسوار بنا دیا تھا۔ آپ نے دینی علوم کی تکمیل اپنے بڑے بھائی شاہ عبدالکریم سے کی۔ آپ اپنے بھائی سے ہی بیعت تھے اور حضرت شاہ عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ سے ہی خلافت حاصل کی۔ اس خاندان کا امتیازِ خاص ہی یہی ہے کہ اس کے تمام فرزندانِ روزگار علومِ شریعت کے ماہر اور ان پر سختی سے کاربند ہونے کے ساتھ ساتھ رُوحانی علوم میں بھی یکتا ہوتے تھے۔

اس علاقہ میں سلسلہ عالیہ قادریہ کو آگے بڑھانے میں آپ کا خاص حصہ ہے۔ آپ کے فیوض کا سلسلہ بے اندازہ تھا۔ گوجرانوالہ اور اس کے گرد و نواح ہی سے نہیں بلکہ تمام پنجاب اور دُوسرے علاقوں کے حق و صداقت کی روشنی کے متلاشی آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضری دینا وجہِ صد افتخار سمجھتے تھے۔ آپ کے مریدین کی کثیر تعداد تھی جو صرف گوجرانوالہ ہی سے تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ مریدین کا سلسلہ گجرات، شیخوپورہ، سیالکوٹ اور دُوسرے اضلاع تک دراز تھا۔

Marfat.com

اپنے بھائی کی طرح آپ نے بھی دل و جان سے اس خانقاہ کے فیوض کا سلسلہ آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ آپ صدق و صفا کے پیکر اور اعلیٰ انسانی اقدار سے بہرہ ور تھے۔ آپ کے زمانے میں اس خانقاہ کا نام دُور دُور تک پھیل چکا تھا اور اطراف اکناف سے یہاں حاضری دینے والے حضرات سلسلۂ عالیہ قادریہ کے اس بطلِ جلیل کے لطف و کرم کی چھاؤں میں ایمانی عظمتوں سے ہمکنار ہو رہے تھے۔ وصال کے بعد آپ کو اپنے والد اور بھائی کے قُرب میں دفن کیا گیا۔

Marfat.com

فخرِ مردانِ حق

حضرت شاہ شیر محمدؐ غازی

رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

رہِ حق کے رہبر، رہِ دیں کے غازیؒ
خدا ان پہ خوش تو خدا پر یہ راضی
تصوّف طریقت، محبّت کے مرکز
سکھائی خدا نے انھیں دل نوازی
رسولِ خدا کی محبّت کے مخزن
زمانے سے ہر پل رہی بے نیازی
دِلوں کو دیا ذوقِ عرفانِ خالق
ہمیں بخش دی لذّتِ خود گدازی
نمود و نمائش سے تھا کچھ نہ مطلب
نہ دی ہاتھ سے عظمتِ دیں کی بازی
لٹا دی بنامِ خدا زندگانی
"شہیدِ محبّت" نہ ترکی نہ تازی

○

Marfat.com

شاہ شیر محمد غازی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بزرگانِ دین میں ہوتا ہے۔ آپ قطب الاولیاء حضرت داتا شاہ جمال نوری کے پوتے تھے۔ ولی کامل اور زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے اپنی خداداد علمی و رُوحانی صلاحیتوں کی بدولت خود کو داتا شاہ جمال نوری کی مقدس خانقاہ کے روحانی ورثہ کا صحیح معنوں میں جانشین ثابت کر دیا۔ آپ کی طبیعت خلوت پسند تھی۔ جب احباب جمع ہوتے تو پھر ان کے درمیان بیٹھ کر وعظ و نصیحت کی باتیں کرتے اور مواعظ حسنہ کے ذریعے ان کی اصلاح فرماتے۔

آپ کا زمانہ سکھوں اور جٹھوں کی آویزش کا زمانہ تھا سکھ حکومت اپنے دامنِ استبداد کو چاروں طرف پھیلا رہی تھی اور اپنے قدم پنجاب سے نکال کر پشاور تک لے جا رہی تھی۔ سکھ بیک وقت انگریز حکومت اور مسلمانوں کے لیے خطرہ تھے۔ انگریز حکومت کے لیے اس لیے کہ سکھ بھی پوری طرح سے اقتدار کی ہوس میں مبتلا ہو کر انگریزوں سے ٹکرانے کے بہانے ڈھونڈتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کے لیے اس لیے کہ سکھ مسلم تشخص کو اپنے لیے بہت بڑا خطرہ تصوّر کرتے تھے اور انہیں احساس تھا کہ جب تک مسلمانوں کے سینوں میں عشقِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ روشن ہے۔ اس وقت تک وہ سکھوں کو چین نہیں لینے دیں گے اور مسلمانوں نے سکھوں کا مقابلہ کر کے واقعی ان کے خدشات کو برحق ثابت کر دیا تھا۔

حضرت شاہ شیر محمد غازی رحمۃ اللہ علیہ شروع ہی سے مجاہدانہ طبیعت لے کر پیدا ہوئے تھے ان کے دل میں دینی حمیت از حد بیدار تھی اور قولاً و فعلاً سکھوں کی مخالفت کر کے اپنی اسلامی

Marfat.com

حمیت کا ثبوت بہم پہنچایا کرتے تھے، چھٹوں کا بھی آپ سے گہرا رابطہ تھا۔ اور برابر آپ سے صلاح مشورہ کرتے تھے۔ سکھوں کو یہ گوارا نہیں تھا کہ گوجرانوالہ جو کہ ان کے اقتدار کا مرکز ہے وہاں کے ایک متقدر رُوحانی خانوادہ کا سربراہ سکھوں کے حریفوں یعنی چھٹوں کی امداد کرے۔ جب بات ڈھکی چھپی نہ رہ سکی تو آپ نے علی الاعلان چھٹوں کا ساتھ دینا شروع کر دیا اور صرف زبانی ساتھ دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ عملی طور پر بھی چھٹوں کی افواج میں شریک ہو کر سکھوں کے خلاف جہاد کرنے لگے۔ سکھوں نے ان دنوں اسلامی سلطنت کو کمزور اور غیر مستحکم کر رکھا تھا۔ یہ طوائف الملوکی کا زمانہ تھا اور سکھ خود کو مغل سلطنت کا قائم مقام سمجھنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔

چونکہ حضرت شیر محمد غازیؒ نے بذاتِ خود چھٹوں کے ساتھ مل کر سکھوں کے خلاف جنگ لڑی تھی، اس لیے "غازی" کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ یہ لفظ اس قدر زبان زد عام ہوا کہ آپ کے اسمِ گرامی کا مستقل حصّہ بن گیا۔ سکھوں کے مظالم اس حد تک بڑھے کہ انہوں نے مسلمانوں کو چُن چُن کر شہید کرنا شروع کر دیا۔ مساجد میں تالے لگانے لگے۔ حتیٰ کہ بادشاہی مسجد لاہور کی بے حرمتی سے بھی گریز نہ کیا گیا۔ ایسے عالم میں حضرت غازی شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ولولہ انگیز شرکت چھٹوں اور مسلمانوں کے لیے بے پناہ تقویت کا باعث بنی۔

آپ کی دیکھا دیکھی آپ کے مریدین متعلقین اور رُوحانی سلسلہ سے وابستہ افراد بھی اس جہاد میں شرکت کو اپنے لیے اعزاز تصوّر کرنے لگے۔ اور چھٹوں کی جمعیت اور قوّت میں خاطر خواہ اضافہ ہُوا۔ سکھوں نے جب مسلمانوں پر دشمنی کی انتہا کر دی تو آپ نے خانقاہ قادریہ نوریہ کی طرف سے جہاد کا فتویٰ شائع کرا دیا کہ سکھوں کے خلاف لڑائی عین اسلام اور یہ جنگ عین جہاد ہے۔ آپ کے اس فتویٰ نے مُسلمانوں کے موقف کو بہت مضبُوط کر دیا اور مسلمان پہلے سے کہیں زیادہ کھل کر چھٹوں اور دیگر مسلمان گروہوں کی امداد کرنے لگے۔

تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے سکھوں کے خلاف کئی جنگوں میں حصّہ لیا۔ آپ کے سینکڑوں مریدین بھی ہمراہ ہوتے تھے۔ خاص طور سے علی پُور کے نواح میں آپ کا

Marfat.com

سکھوں سے معرکہ ایک یادگار معرکہ تھا۔

بہرحال آپ نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ مردانِ حق جب میدانِ عمل میں اُتر آتے ہیں تو پھر اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ زندگی عطا ہوتی ہے یا شہادت کی دولت سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔ ایک شاعر نے اسی مفہوم کو خوبصورت انداز سے قلمبند کیا ہے۔

ے غلامانِ محمد جان دینے سے نہیں ڈرتے
یہ سر کٹ جائے یا رہ جائے کچھ پروا نہیں کرتے

آپ کی تاریخِ پیدائش ۱۰۵۴ھ بطابق ۱۶۴۴ء ہے اور آپ کی وفات ۱۱۴۳ھ مطابق ۱۷۳۰ء کو ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک موضع کھیالی میں ہے۔

Marfat.com

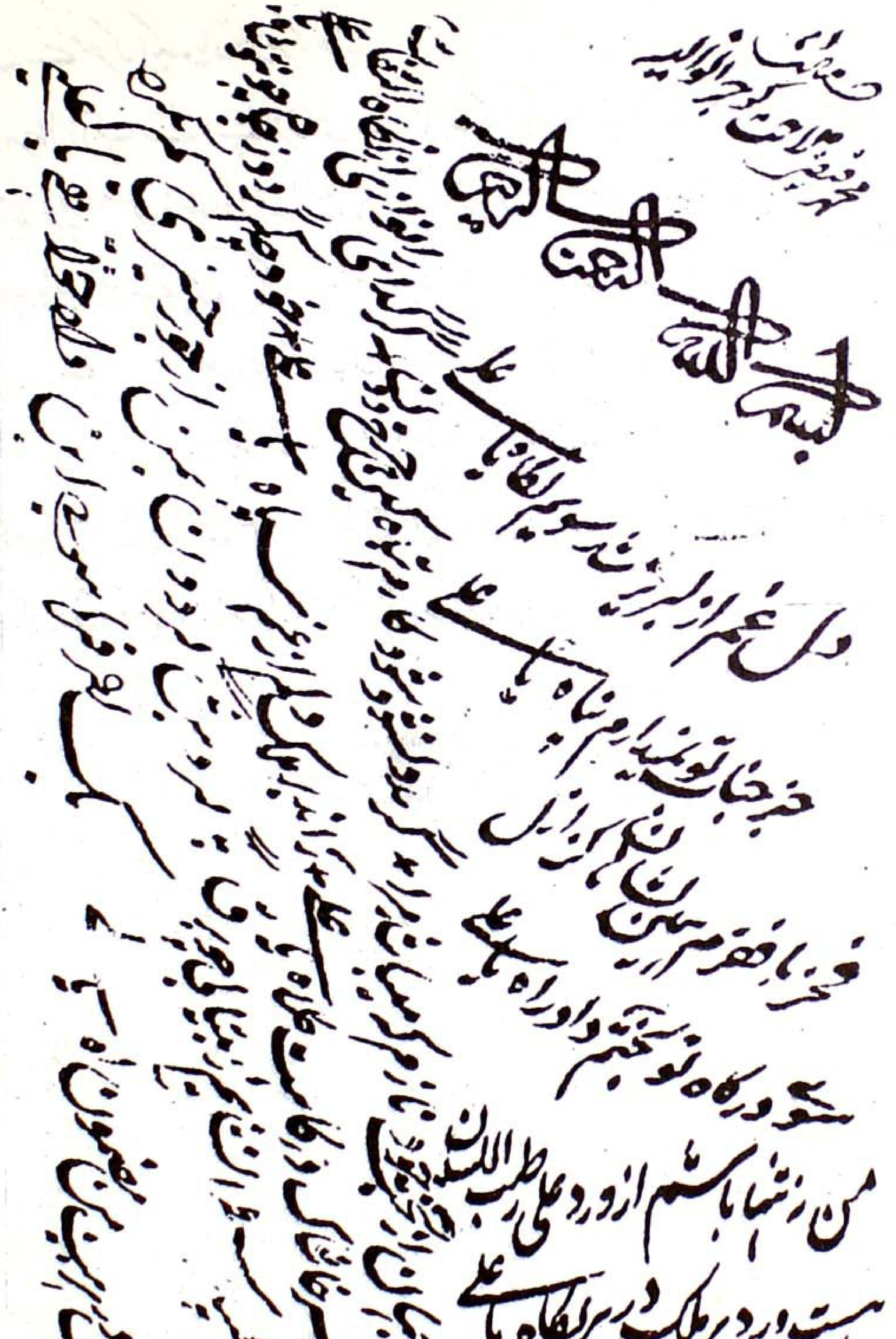
بسم اللہ الرحمن الرحیم

نمونۂ تحریر

حضرت مولانا مولوی محمد فیض رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

بحر العلوم

حضرت مولانا مولوی محمد فیض

رَحمۃُ اللہ عَلَیہِ

Marfat.com

مردِ ایماں ، نورِ قرآنی کے مظہر فیضؒ تھے
بحرِ ایماں کے حقیقت میں شناور فیضؒ تھے

آپ نے بخشا دلوں کو نورِ عرفانِ خدا
منبعِ علم الیقیں، حکمت کے پیکر فیضؒ تھے

گمرہوں کو آپ نے بخشا شعورِ ذاتِ حق
شوکتِ اہلِ نظر، روحِ تدبّر فیضؒ تھے

آپ کی ہر بات تھی وجہِ قرارِ قلب وجاں
جانِ فطرت، جادۂ ایماں کے رہبر فیضؒ تھے

آپ نے بانٹے شریعت اور طریقت کے فیوض
جن کا سکّہ جان و دل پہ ہے وہ سرور فیضؒ تھے

(محمد اکرم رضا)

Marfat.com

○

تاریخ ولادت ۱۱۲۵ھ مطابق ۱۳؍۱۷ء — وصال ۱۷ ر رمضان المبارک ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ء

بحر العلوم مولانا مولوی محمد فیضؒ، صاحب ولایت حضرت شیر محمد غازی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔ حضرت شیر محمد غازیؒ نے آپ کو خصوصی توجہ سے نوازا، اور بچپن ہی سے آپ کی تربیت اس انداز سے کی کہ بڑے ہو کر اس عظیم خانقاہ کا نظام سنبھال سکیں۔ حضرت شیر محمد غازیؒ خود بڑے عالم دین اور صاحبِ تقویٰ بزرگ تھے، اس لیے اُنھوں نے اپنے لختِ جگر کو جہاں علومِ دینیہ کی دولت عطا کی وہاں رُوحانی لحاظ سے بھی مسلسل نوازتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب مولانا محمد فیضؒ عنفوانِ شباب کو پہنچے تو نہ صرف علومِ دین میں طاق ہو چکے تھے بلکہ رُوحانیت اور طریقت میں بھی منفرد مقام حاصل کر چکے تھے اور اس اعزاز کے مستحق ٹھہر چکے تھے کہ خانقاہ قادریہ نوریہ کے رُوحانی اور دینی سلسلہ کے نظم و نسق کو سنبھال سکیں۔

جب حضرت شاہ شیر محمد غازیؒ کو شہادت کا رُتبہ نصیب ہُوا تو مسندِ ارشاد پر انکے صاحبزادے مولانا مولوی محمد فیض متمکن ہُوئے۔ حضرت مولانا محمد فیض اپنے وقت کے جید عالمِ دین، صُوفیٔ کامل اور نغز گو شاعر تھے۔ شاعری میں آپ ملاحت تخلّص کرتے تھے۔ آپ نے بہت کثرت سے فارسی کلام لکھا۔ ایک مُمتاز اُستاذِ علُومِ دینیہ، ایک نامور شاعر اور جلیل القدر فقیہ کی حیثیت سے ان کا مقام اس قدر بلند ہے کہ ہر صاحبِ نظر آپ کے سوانح حیات کی ایک جھلک دیکھ کر ہی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ علم و حکمت میں غیر معمولی دسترس رکھنے کی بنا پر آپ بحر العلوم کہلائے جانے کے مستحق تھے۔ مشہور کتاب "چہار باغ[1] پنجاب" کے مصنف گنیش داس وڈیرہ

---

[1] "چار باغ پنجاب" مصنفہ گنیش داس وڈیرہ، مرتبہ: پروفیسر کرپال سنگھ ایم۔ اے ناشران سکھ ہسٹری ریسرچ ڈیپارٹمنٹ خالصہ کالج امرتسر۔

Marfat.com

نے آپ کا تذکرہ یُوں کیا ہے :

" میاں محمد فیض ملامت تخلص کہ کتاب مراۃ الحساب تصنیف لطیف و شرحِ مکاتباتِ علامی ابوالفضل و گل گشتی خوب کردہ است "

مولوی محمد صالح کنجاہی کتاب " سلسلۃ الاولیاء " میں حضرت مولانا محمد فیض کے شاگردوں کے حوالے سے رقمطراز ہیں :

" شیخ محمد ابراہیم طیب اللہ ثراہ جعل الجنّتہ مثواہ عالم و عامل و زہد و تحمل رفیع الشان بُود ۔ علم ظاہری بسیار اساتذہ حاصل نمودہ بُود ۔ چنانچہ از خدمتِ حضرت میاں محمد فیض (کھیالی والا) و حضرت مرزا مقصود بیگ ، و حضرت حافظ محمد یونس و حضرت میاں محمد صالح گوجراتی رحمۃ اللہ علیہم دَر علم باطنی مرید حضرت سید شاہ میر است "

اِن حقائق کے اظہار سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ اہلِ نظر کو باور کرایا جا سکے کہ مولانا محمد فیض کس پائے کے اُستاد اور عالم دین تھے اور آپ سے ظاہری و باطنی فیوض حاصل کرنے والوں نے کس درجہ بلند مقام حاصل کیا ۔ جس طرح شاگرد کو دیکھ کر اُستاد کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اسی طرح پیش کردہ اقتباس سے مولانا محمد فیض کے غیر معمولی تبحّرِ علمی کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے ۔

مولانا محمد فیض اپنے والدِ بزرگوار اور عظیم اسلاف کی بخشی ہُوئی رشد و عرفان کی روشنی میں خانقاہ قادریہ نوریہ میں درس و تدریس کو مُستقل طور پر اپنا شعارِ حیات بنا کر عوام النّاس کو حکمت کی روشنی سے فیضیاب کرنے لگے ۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب پُرانی علمی یادگاریں ایک ایک کر کے مٹتی جا رہی تھیں کھیالی دروازہ (گوجرانوالہ) کی یہ خانقاہ قادریہ اس وقت علم و حکمت کے عظیم مرکز میں تبدیل ہو چکی تھی ۔ دور دراز سے طالبانِ شوق آتے اور مولانا محمد فیض کی بارگاہِ علمی میں بیٹھ کر علم کی پیاس بجھاتے اور رشد و ہدایت کی دولت سے مالا مال ہوتے ۔ اس دَور میں عوام النّاس ہی نہیں بلکہ اکابر علمائے کرام بھی اس درسگاہ سے فیضیاب ہُوئے جس کا ذکر مختلف تذکاریں ملتا ہے ۔ اس زمانہ میں آج کل کے سکولوں اور کالجوں کی طرح رجسٹر حاضری تو نہیں ہوا کرتے تھے جن سے اس

Marfat.com

زمانہ میں مولانا کے شاگردوں کی تعداد دیکھی جا سکے۔ اس دور کے علماء وفضلاء کو طلبہ کے اعداد و شمار یا ان کی تعداد کے کم اور زیادہ ہونے سے کوئی غرض نہیں ہوتی تھی۔ تمام محنت علومِ اسلامیہ کی ترویج کے لیے کی جاتی تھی۔ اس لیے مولانا محمد فیض کے شاگردوں کی فہرست پیش نہیں کی جا سکتی۔ البتہ ان کے ایک شاگرد کا تذکرہ نمونہ کے طور پر شامل کیا جاتا ہے جس سے اس دینی و رُوحانی درسگاہ کی اہمیت اور نمایاں ہو جاتی ہے۔

مولوی محمد ابراہیم کنجاہی اپنے وقت کے صُوفی کامل اور بہت بڑے عالمِ دین تھے کسی وقت انہوں نے مولانا محمد فیض سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ اس سلسلہ میں مولوی محمد صالح کنجاہی نے اپنی کتاب میں جو اقتباس دیا ہے اس کا اُوپر تذکرہ ہو چکا ہے۔

عملی طور پر درس و تدریس کے ساتھ ساتھ مولانا محمد فیض نے ابدی و دائمی تدریس کا بھی اہتمام کیا۔ ہمارا اشارا ان تصانیف کی طرف ہے جو آپ کی وفات کے بعد بھی اہلِ تحقیق کی رہنمائی کرتی ہیں۔ حضرت مولانا محمد فیض نے متعدّد اہم تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جنہیں ظالم وقت کے بے رحم ہاتھوں نے وقت کی گرد میں گُم کر دیا ہے۔ منشی گنیش داس وڈیرہ نے اپنی کتاب چہار باغ پنجاب میں آپ کا ذکر کرتے ہُوئے آپ کی تحقیقی کاوشوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ جس کا حوالہ ہم پہلے ہی نقل کر چکے ہیں۔

ان تصانیف میں سے مرات الحساب اور شرح گل گشتی دستیاب نہیں البتہ شرح مکاتباتِ علامی کے دو نسخے پروفیسر احمد حسین قلعداری کے کُتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ شرح نویسی آسان کام نہیں ہوتا بلکہ شارح کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اصل متن کے حقیقی جزئیات تک رسائی رکھتا ہو اور یہ خوبی مولانا محمد فیض کی سراپا فضیلت شخصیت میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔

حضرت مولانا محمد فیض کا زمانہ سکھا شاہی کا بھرپُور زمانہ تھا جس سے سوائے تباہی و بربادی کے اور کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ اس مردِ کامل کا کمال یہ ہے کہ اس نے سکھا شاہی کے ہاتھوں ہراساں اہلِ ایمان کو خانقاہی ماحول میں لا کر رُوحانی سکُون عطا کیا اور ہر قسم کے انقلابات

Marfat.com

دہر سے بیگانہ ہو کر خدمتِ علم و ادب میں مصروفِ عمل رہے۔ آپ کے زمانہ میں پنجاب میں اور بھی علماء و فضلاء موجود تھے مگر افسوس کہ آپ کے معاصرین کی خاص فہرست تیار نہیں کی جا سکتی جس سے اندازہ ہو سکے کہ آپ نے کن کن صاحبانِ علم و حکمت کے درمیان رہ کر عقل و دانش کے گلاب مہکائے ہیں۔ آپ کے شاگردِ عزیز مولوی محمد ابراہیم کنجاہی کے احوال کے سلسلہ میں مولوی محمد صالح کنجاہی نے مرزا مقصود بیگ والا نوالیہ، مفتی محمد یونس شادیوالیہ اور حضرت مولوی محمد صالح گجراتی کا ذکر کیا ہے کہ ان کی معاصر درسگاہوں سے مولوی محمد ابراہیم کنجاہی نے اکتسابِ فیض کیا ہے۔

شرح مکاتباتِ علامی میں مولوی محمد امین سوہدرے والا اور مولوی محمد افضل ساکن تلونڈی موسیٰ خاں کے گاؤں کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ مولوی غلام رسول ساکن قلعہ، قاضی فضل حق وزیر آبادی، حافظ خاں احمد قلعداری بھی سنین کے لحاظ سے ان کے معاصر تھے۔

مولوی محمد فیض اولیاء اللہ و صوفیاء کے از حد قدر شناس تھے۔ جب بھی علم ہوتا کہ فلاں مقام پر کوئی صاحبِ ولایت تشریف لائے ہیں تو فوراً ان کی زیارت کو چلے جاتے۔ وہ مردِ فقیر ان کو پہچانتے ہی فرطِ عقیدت سے اُٹھ بیٹھتا۔ آپ کی علم نوازی اور فقر و درویشی کو دیکھ کر آپ کی رُوحانی شہرت سے متاثر ہو کر پنجاب اور بلادِ ہند کے دُوسرے علاقوں سے درویش اور صوفیاً آپ کی خدمت میں حاضری دینا وجہِ سعادت سمجھتے تھے۔ آپ کی رہائش موضع کھیالی میں تھی اور روزانہ علی الصباح کھیالی سے خانقاہ قادریہ نوریہ (بیرون کھیالی دروازہ گوجرانوالہ) تشریف لایا کرتے اور شام کو بعض اوقات رات گئے گھر کو واپسی ہوتی تھی۔ عمر بھر یہی معمول جاری رہا۔ کھیالی سے گوجرانوالہ کی جانب آتے تو مردِ درویش حضرت مبارک شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ضرور رُکتے۔ فاتحہ خوانی کرتے اور پھر وہاں عرصے سے مقیم ایک صُوفی نُور احمد سے مُلاقات کرتے اور بعض اوقات یہ مُلاقات بہت طویل ہو جاتی۔ اس محبت اور خلوصِ باہمی کا ہی نتیجہ تھا کہ جب آپ کے ہاں بیٹے کی ولادت ہُوئی تو آپ نے اس کا نام نُور احمد ہی کے کہنے پر اور

Marfat.com

اظہارِ محبت کے طور پر نُوراحمد رکھا ۔ یہ نوراحمد تھے جو بعد میں مولانا نوراحمد کے نام سے غیر معمولی رُوحانی شہرت کے حقدار قرار پائے ۔ اس واقعہ کا تفصیلی تذکرہ مولانا نُوراحمد رحمۃ اللہ علیہ کے باب میں آئے گا ۔

غیر معمولی علمی مہارت اور فقہی دسترس کی بنا پر معاصر علماء کی نظروں میں آپ کی رائے کو قولِ فیصل کا درجہ حاصل تھا اور جید علماء و فضلاء آپ کی علمی آراء اور فقہی فیصلوں کو قدر و قیمت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے ۔ بلادِ ہند کے عوام مختلف اسلامی و فقہی امور پر آپ کی رائے دریافت کرنے کے لیے آپ سے رجوع کرتے اور آپ سے فقہی مسائل کے حل کے لیے فتاویٰ کے طالب ہوتے ۔ آپ اس ضمن میں فتویٰ جاری کرتے تو اس فتویٰ کو معاصر علماء کی نگاہوں میں توقیر و احترام کا مقام حاصل ہوتا اور بہت سے علماء آپ کے فتویٰ پر مہرِ تصدیق ثبت کرکے آپ کی فقہی عظمت کی بالاتری کا اعتراف کر لیتے ۔ مختلف علمی و تحقیقی تذکروں میں آپ کی فتویٰ نویسی اور اس سلسلہ میں قبولیتِ عام کا سراغ تو ملتا ہے مگر فتاویٰ کے سلسلہ میں ہم مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہیں ۔ فتویٰ نویسی اور اس کی قبولیتِ عام آپ کی علمی عظمتوں کی دلیل ہے ۔ آپ نے فتویٰ نویسی کے ضمن میں جس قابلِ فخر روایت کی بنیاد رکھی اس کی نشان آپ کے صاحبزادے مولانا نُوراحمد رحمۃ اللہ علیہ اور پھر مولانا محبوب عالم کے فتاویٰ اور علمی رفعتوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے ۔ آپ کے فتاویٰ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ قرآن مجید، احادیثِ نبویہ اور اقوالِ ائمہ کرام کا غیر معمولی علم رکھتے تھے ۔ ان علوم کی سربلندیوں کا ادراک کیے بغیر علومِ دینیہ میں قولِ فیصل کا درجہ حاصل نہیں کیا جاسکتا اور مولانا محمد فیض رحمۃ اللہ علیہ کو بلاشبہ اس میدان میں قولِ فیصل کا درجہ حاصل تھا ۔

قدرت نے آپ کو بہت سے دوسرے صوفیائے کرام کی طرح شاعرانہ ذوق سے بھی نواز رکھا تھا ۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ قدرت کی طرف سے صوفیاء کو طبعِ موزوں عطا ہوتی ہے جس کی بدولت وہ اپنی شاعرانہ صلاحیتوں سے اہلِ نظر کی اصلاح کا کام لیتے ہیں ۔ مولانا محمد فیض شاعری میں ملاحت تخلص کرتے تھے ۔ فارسی اور عربی زبان پر بھرپور گرفت تھی ۔ آپ کا بیشتر کلام فارسی میں ہے ۔ آپ نے اپنے کلام کا کوئی باقاعدہ مجموعہ نہیں چھوڑا، بلکہ مختلف بکھرے ہوئے اوراق پر آپ

Marfat.com

کی شعری صلاحیتیں جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ شعر و سخن کا یہ ذوق آپ کی ادبی و علمی رفعتوں کا عطیہ تھا۔ افسوس کہ ان کے شعر و سخن کا تمام کا تمام قیمتی سرمایہ دستبُردِ زمانہ کی نذر ہو گیا۔ معروف شاعر اور صوفی بزرگ مولانا غلام قادر شائق کی بیاضِ خطی سے آپ کا درج ذیل قطعہ دستیاب ہوا ہے جو شاملِ کتاب کیا جاتا ہے:

بعد زیں در عوضِ آہ و اشک دل آید بروں
آب چوں زاں کم شود از چشمہ گل آید بروں
عِشق آمد بہرِ دل بُردن دُرِ سینہ نیافت
دُزد از خانۂ مفلس چُوں خجل آید بروں

ایک اور قطعہ میں یُوں شعری جواہر پارے بکھیرتے ہیں:

در مدرسۂ کہ بر سرِ کارم من
چُوں لالہ بداغ دل بگلزارم من
من خود نہ مدرسم دریں مدرسہ بل
دیوانہ بطفلگاں گرفتارم من

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں یوں ارمغانِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

دل غم از لبریز شُد سویم نگاہ یا علیؓ
جُز جنابِ تو نمیدارم پناہ یا علیؓ
من نہ تنہا باشم از وردِ علیؓ رطب اللساں
ہست وردِ ہر ملک در ہر پگاہ یا علیؓ
فخر با فقرم ہمیں بشاہاں کز ازل
سُوئے درگاہِ تو بخشتم داد راہ یا علیؓ
درجہاں از بختِ خود نازم کہ می باشد مرا
بر سرِ خاشاک درکاہست کلاہ یا علیؓ

Marfat.com

گر مدد نشود شود کارم تباہ کین چرخِ دُوں
راند بر ملکِ دلم از غم سپاہ یا علیؓ
گر گدائے را نوازی از نگاہِ التفات
خود چہ کم گردد زجاہ چُوں تُو شاہ یا علیؓ
می طپد ہر سطر انشایم زبے تابی چُو برق
ہست در ہر بیتِ مضمون آہ یا علیؓ
گردشِ گردوں بمن از جور چیزی کم مکن
یک نظر فرما سُوئے ایں داد خواہ یا علیؓ

مشہور شعری تصنیف سکندر نامہ کے اختتام کی تاریخ یوں کہتے ہیں :

چُوں از فیضِ فضلِ خداوند عالم
شُد ایں نامہ در وقت اسعد مختتم
سروشم بفرمود تاریخ سالش
شرف نامہ در درجِ مجبوبِ عالم
۱۲۸۸ھ

تاریخ نویسی کے سلسلہ میں ان کا ایک اور قطعہ ملاحظہ ہو :

از روزِ نقل حضرتِ ما نورِ احمد
بگریست آسمان و مہ و مہر و ماہ و میغ
تاریخش از خرد چُو بجستم گریست زار
در عین گریہ آہ زد و گفت بس دریغ
۱۲۷۶ھ

مولانا محمد فیضؒ کی ایک فارسی غزل کے چند اشعار نذرِ قارئین ہیں :

Marfat.com

کیست کارم پیشِ اُو فریاد از دستِ شما
اے شلانیاں ظالم داد از دستِ شما
کس نہ دیدم در جہاں بسیار کس را دیدہ ام
شاد از دستِ شما، ناد شاد از دستِ شما
ما ہماں بینیم شیریں لبان تلخ گور
آنچہ آمد بر سرِ فرہاد از دستِ شما
باعث اعزازِ ما باشد گر آبِ رُوئے ما
پیش ہمچشمہ نہ رُو برباد از دستِ شما
گرچہ یار دتیغ دَر کُوئے شماہاں لاتخف
سر نہادم ہر چہ بادا باد از دستِ شما

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ شرح مکاتیبات علامی مولانا محمد فیض کے غیر معمولی علمی فضیلت کا منہ بولتا ہے شرح وہی کر سکتا ہے کہ جو موضوعِ متعلقہ پر مکمّل دسترس رکھتا ہو۔ جس کی جزئیات اور کلیات پر گہری نظر ہو جو علمی تقاضوں اور فقہی اُمور سے آشنا ہو۔ جو مختلف النّوع علوم پر حاوی ہو۔ جس کا مطالعہ وسیع اور جس کی علمی حیثیت بجائے خود سند کا درجہ رکھتی ہو۔ مولانا محمد فیض ان تمام علمی و فکری تقاضوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شرح آپ کے علمی کمالات اور گہرے مطالعہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ شرح مکاتباب علامی سے ایک اقتباس پیش کر رہے ہیں تاکہ قارئین اس کی روشنی میں حضرت مولانا کا علمی و فقہی مقام متعیّن کر سکیں:

"برآنکہ نفس ہر چہار قسم است۔ اوّل مطمئنہ کہ قرار گرفتہ است بر ذاتِ حق و مشاہدہ و معائنہ و ایں نفس پیغمبراں علیہم السّلام است۔ دوم لوّامہ کہ صاحبِ خود را ملامت کنندہ است و ایں نفس مومناں است۔ سوئم ملہمہ کہ الہام کنندہ است یا الہام کرد

شدہ است و ایں نفس اولیا است قدس سرہٗ ۔ چہارم امارہ کہ صاحب خود را امیری می کشد و ایں نفس کافراں است علیہم اللعنۃ ۔

اس طرح کی مختلف العلوم کی تشریحات شرح مکاتیابِ علامی میں درج ہیں جو حضرت میاں محمد فیض کے پایۂ علمی کی وضاحت کرتی ہیں کہ آپ کن کن علوم کے ماہر استاد تھے۔ یہ شرح اُنہوں نے کسی مولوی سلطان احمد کے کہنے پر تحریر کی۔ اس سلسلہ میں ان کی تحریر کا ترجمہ درج ذیل ہے :

" ابوالفیض محمد ملاحت کہتا ہے کہ اس نے یہ کتاب بعض ادب و انشاء کے آشناؤں کی فرمائش پر رقم کی۔ خصوصاً فضیلت پناہ، عالم بے نظیر مولوی سُلطان احمد جو کہ اعلےٰ درجہ کے سخن شناس ہیں، ان کی فرمائش کو مدِّ نظر رکھا ہے "۔ پھر آپ ایک قطعہ رقم کرتے ہیں۔

از کلکِ ملاحت ایں سواد دلکش
در وقتِ نکو چہ نقش تربیت بَست
سر لبکہ بجیب فکر ہر دم چُوں صدف
تا لعمیہ سال چُوں در افتاد بدست
گر چشم بہم زنی ز آہو سالش
ایں شرح مکاتاب نہامی دست

شرح مکاتیاب علامی کے دیباچہ میں ایک شعر حمدیہ اور ایک شعر نعتیہ درج ہے ۔

حمد باری تعالیٰ کا شعر ملاحظہ ہو :

تعالیٰ اللہ زہے بے شُبہ و بے چوں — زہر چون و چرا کی عقل بیروں

سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صَلّی اللہ عَلیہ وَسَلّم کی نعت یُوں بیان کرتے ہیں :

در اسم احمد آں میمی کہ پیدا است
یکی آئینہ رُوئی احد را است

Marfat.com

غرضیکہ مولانا محمد فیض ایک صاحبِ عمل صُوفی، درویشِ باصفا، عالمِ نکتہ داں اور محققِ دوراں تھے۔ آپ کے شاگردوں نے بہت نام کمایا۔ آپ اپنے معاصرین کی نگاہوں کا تارا تھے۔ اصحابِ علم وفضل کے دلوں کا قرار تھے۔ آپ نے ایک طویل عرصہ تک خانقاہ قادریہ نُوریہ کو اپنا مرکز بنا کر رشد وہدایت کی شمع جلائے رکھی۔

آپ نے ۱۷ رمضان المبارک ۱۲۱۵ھ میں وفات پائی اور موضع کھیالی میں مدفون ہُوئے۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ ترے گھر کی نگہبانی کرے

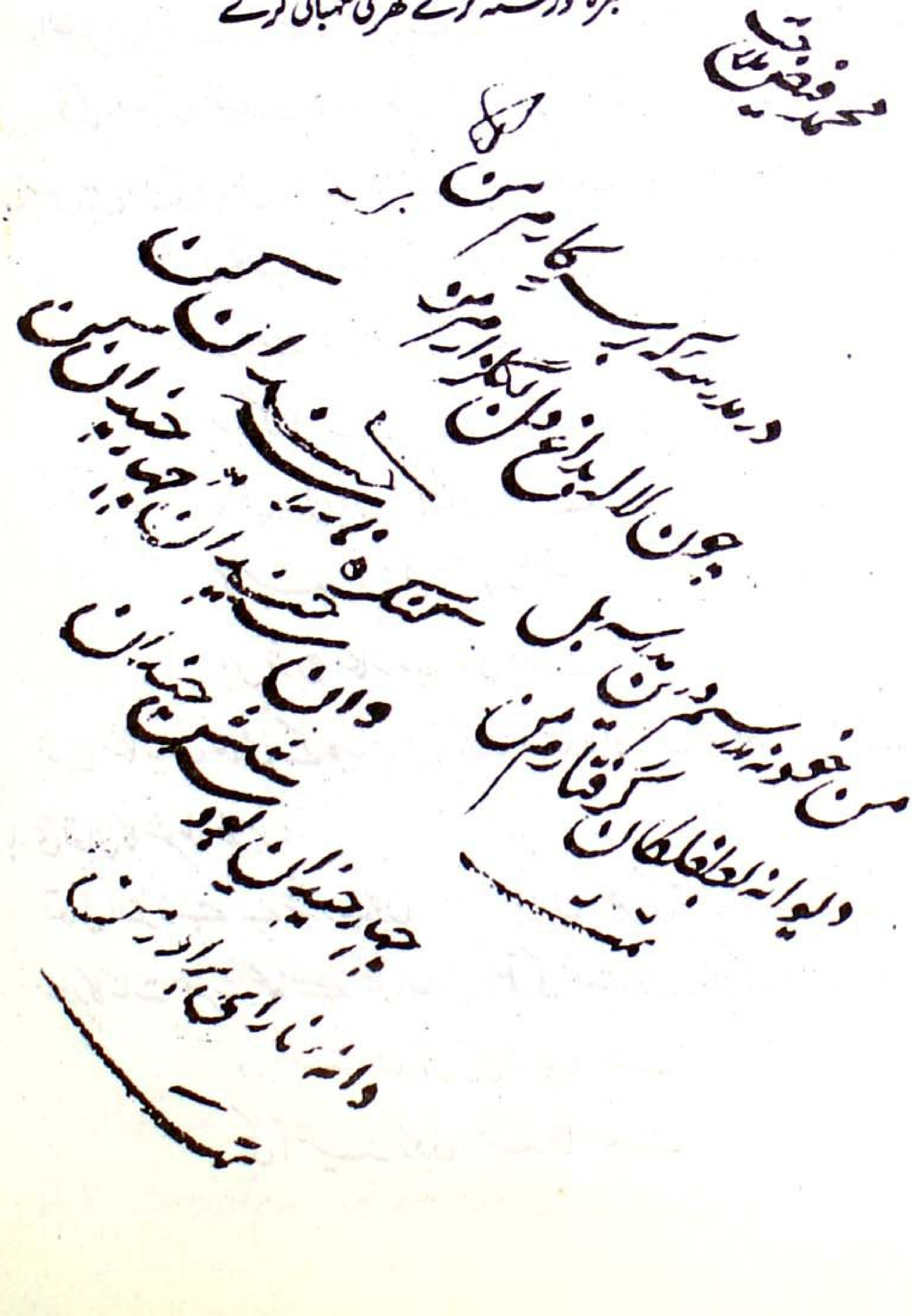

سراج الصّوفیاء

حضرت مولانا

مولوی نُور احمدؒ

رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

کمالِ علم و عرفاں نورِ احمدؒ
چراغِ راہِ ایماں نورِ احمدؒ
مثالِ صبح روشن نام اُن کا
دِلوں میں ہیں درخشاں نورِ احمدؒ
جبینِ زندگی خم ان کے در پر
وقارِ بزمِ ایقاں نورِ احمدؒ
حقیقت آفریں ہر قول ان کا
علومِ دیں کا عرفاں نورِ احمدؒ
ہیں جس کی روشنی سے دل منوّر
وہ قندیلِ فروزاں نورِ احمدؒ

(محمد اکرم رضا)

Marfat.com

○

قدرت کو جب کسی علاقہ اور خطہ کی بہتری مقصود ہوتی ہے تو وہاں کے عوام الناس کی بہبود اور فلاحِ دارین کے لیے ایسی شخصیات کو میدانِ عمل میں پیش کرتی ہے جن کا مرنا اور جینا رضائے الٰہی کے لیے وقف ہوتا ہے۔ یہ شخصیات ہر آن خوشنودئ خدا و رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے وقف رہتی ہیں۔ معرفتِ الٰہی کی خاطر یہ اپنی زندگیاں تبلیغ و اشاعتِ دین کی نذر کر دیتی ہیں ۔۔۔ کہتے ہیں کہ جو خدا کا ہو جائے، خُدا بھی اس کا ہو جاتا ہے۔ جب یہ برگزیدہ نفوس خود کو رضائے الٰہی کے بحرِ بے کنار میں دفن کر دیتے ہیں تو پھر انہیں بقائے دوام عطا ہوتی ہے اور یہ مرنے کے بعد حیاتِ جاوید کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ سراج الاصفیاء حضرت مولانا مولوی نور احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے ہی یگانہ روزگار رہنمائے طریقت و شریعت تھے۔

خاندان

مولانا مولوی نور احمد کا تعلق بیرون کھیالی دروازہ کی اس خانقاہِ داتا شاہ جمال نوریؒ سے ہے جہاں آسمانِ علم و حکمت کے کئی تابندہ ستارے آسودۂ خواب ہیں۔ مولانا نُور احمد صدیقی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد نے مدّتوں پیشتر اشاعتِ اسلام کے جس عظیم کام کا بیڑا اُٹھایا تھا، آپ نے عمر بھر اس فرض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی واقع نہ ہونے دی۔ آپ نے اپنے اسلاف کے عظیم مشن کو غیر معمولی تقویت بخشی اور زندگی بھر تعلیماتِ اسلامی کو عام کرنے کے لیے کوشاں رہے۔

Marfat.com

آپ حضرت مولانا مولوی محمد فیض رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید تھے اور ان کی وفات کے بعد خانقاہ عالیہ میں سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ مولانا محمد فیض اپنے دور کے عالم متبحر اور نامور شیخ طریقت تھے۔ آپ کی رہائش اپنے بزرگوں کی طرح موضع کھیالی ہی میں تھی اور روزانہ وہاں سے خانقاہ میں تشریف لایا کرتے اور شام کو خانقاہ سے گھر چلے جاتے۔

ولادت

مولانا نور احمدؒ کی ولادت کے بارے میں ایک صاحب نظر درویش کی خصوصی دُعا کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ مولانا محمد فیض روزانہ کھیالی سے خانقاہ کی طرف آتے ہوئے دربار حضرت مبارک شاہ کے پاس سے گزرا کرتے۔ ان دنوں دربار مبارک شاہؒ[1] میں ایک درویش خدا مست حضرت صوفی نور احمد تن بیاد اللہ میں مصروف رہا کرتے تھے۔ حضرت صوفی نور احمد کا تعلق موضع حاصلاں والی ضلع گجرات سے تھا۔ آپ وہاں کے زمیندار خاندان کے چشم و چراغ اور اپنے گاؤں کے نمبردار تھے طبیعت

---

[1] حضرت مبارک شاہ کے صحیح حالات دستیاب نہیں۔ آپ کا زمانہ حضرت میاں میرؒ لاہوری سے پہلے کا ہے۔ حضرت داتا شاہ جمال نوری جب کھیالی سے گوجرانوالہ تشریف لاتے تو ان کے کچے مزار پر رُک جاتے اور فاتحہ پڑھ کر آگے جاتے۔ آپ نہایت برگزیدہ ولی تھے۔ ایک عالم نے آپ سے فیض اٹھایا ہے۔ آپ کا پختہ مزار اور گنبد راجہ رنجیت سنگھ نے تعمیر کروایا تھا۔ ایک مرتبہ راجہ رنجیت سنگھ جان لیوا بخار میں مبتلا ہوا، بچنے کی اُمید نہ رہی تو اس نے حضرت مبارک شاہ کے مزار کے قریب بکھرے ہوئے سنگریزے منگوائے تو انہیں چھوتے ہی بخار یکدم اُتر گیا۔ رنجیت سنگھ کے دل میں عقیدت نے گھر کر لیا۔ خود حاضر دربار ہوا، اور آپ کی قبر پر نہایت خوبصورت پختہ گنبد والا مزار بنوایا آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ آپ کے عرس کی تقریب ۲۱ اسوج کو سیٹھ محمد بوٹا سجادہ نشین کے زیر انتظام روحانی وقار کے ساتھ منعقد ہوتی ہے۔

Marfat.com

بچپن ہی سے خدا کی طرف مائل تھی اور ہر آن خدمتِ خلقِ خدا کے لیے سرگرم رہتے تھے۔ جب گاؤں کا مالیہ اکٹھا کر لیتے تو اس میں سے حاجتمندوں کو تقسیم کر دیتے اور پھر اپنی گرہ سے پورا کر کے خزانے میں جمع کراتے۔ یہ سکھ حکومت کے عروج کا زمانہ تھا۔ طبیعت میں سخاوت اور استغنا کا جذبہ اس قدر تھا کہ اپنی جائیداد میں جو کچھ تھا راہِ خدا میں بانٹتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ جب انہوں نے مالیہ جمع کر کے ضرورتمندوں میں تقسیم کر دیا اور پھر خزانے میں جمع کرانے کے لیے اپنی جائیداد کی طرف دیکھا تو جائیداد نام کی کوئی چیز نظر نہ آئی۔ اِدھر سکھ حکومت کا تقاضا بڑھا تو وہاں سے چلے اور گوجرانوالہ کے دربار حضرت مبارک شاہ کے ایک گوشے میں مقیم ہو کر یادِ خداوندی میں مصروف ہو گئے۔

صوفی نور احمد برہ مرحوم کو حضرت مبارک شاہ سے عقیدت تھی اور پہلے بھی یہاں حاضری دیا کرتے تھے کہ یہاں سے مرتے دم تک جدا نہیں ہوں گا اور پھر آپ برس ہا برس تک یہیں مقیم رہے۔ دربار شریف کی صفائی کرتے، زائرین کی خدمت کرتے اور باقی وقت عبادت میں مصروف رہتے۔ رفتہ رفتہ ان کی شہرت ایک صاحبِ نظر مردِ درویش کی حیثیت سے پھیلنے لگی۔ جب حضرت مولانا محمد فیض اپنی خانقاہ کو آتے ہوئے دربار مبارک شاہ کے پاس سے گزرتے تو اس مردِ درویش صوفی نور احمد کو عبادتِ حق میں مشغول پاتے دل خود بخود کھنچنے لگا۔ چنانچہ آپ کچھ وقت صوفی نور احمد برہ کے پاس بھی گزارنے لگے صوفی نور احمد بھی مولانا محمد فیض جیسے عالمِ اجل اور عابد و پرہیزگار شخصیت سے مل کر از حد خوش ہوتے اور دونوں کی ملاقاتیں روحانی تعلقِ خاطر کی استواری کا باعث بنتی گئیں۔

اس وقت تک مولانا محمد فیض اولادِ نرینہ سے محروم تھے۔ ایک روز آپ نے دورانِ ملاقات میں حضرت صوفی نور احمد برہ سے اس سلسلہ میں خصوصی دعا کی درخواست کی تو انہوں نے دعا کرتے ہوئے انہیں اس خوشخبری سے نوازا کہ:

"مولانا اللہ تعالیٰ آپ کو ایک فرزند صالح اور ایک دختر نیک اختر عطا کرے گا

Marfat.com

آپ کا فرزند علم و حکمت میں بے نظیر اور صاحبِ رُوحانیت ہوگا اور آپ کی دُختر زُہد و تقویٰ کے لحاظ سے اپنے دَور کی رابعہ بصریہ ثابت ہوگی ۔"

اور پھر اس درویشِ حق آگاہ کی نوید درست ثابت ہُوئی۔ خدائے کریم نے مولانا محمد فیض کو ایک صاحبزادہ اور پھر ایک صاحبزادی عطا کی۔ حضرت صوفی نور احمد بڑہ سے حسنِ عقیدت کے نام پر آپ نے اپنے صاحبزادے کا نام نور احمد رکھا۔ یہی مولانا مولوی نور احمد رحمۃ اللہ علیہ تھے جو آنے والے دَور میں آسمانِ رشد و ہدایت پر ایک نجم کامل کی صُورت جلوہ گر ہُوئے۔ مولانا محمد فیض کی صاحبزادی زہد و تقویٰ اور ریاضت و عبادت کے لحاظ سے بے مثل خاتون ثابت ہُوئیں اور انہوں نے خواتین کی اصلاح اور ان میں اسلامی قدروں کے فروغ کے لیے قابلِ فخر کردار ادا کیا۔

تعلیم و تربیت

آپ کی ولادت ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۷۵۳ء کی ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ محترم حضرت مولانا شاہ محمد فیض رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ شاہ محمد فیض نامور عالمِ دین اور سربلند رُوحانی شخصیت تھے۔ آپ مفتی تھے، نامور استادِ علمِ دین تھے آپ کا فتویٰ ہر جگہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ شاہ محمد فیض نے اپنے ہی درس میں اپنے بیٹے حضرت نُور محمد کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا اور ان کی علمی و رُوحانی تربیت پر خصوصی توجہ صرف کرنے لگے۔ شروع میں تو نور محمد نے پُوری توجہ سے علومِ شریعت اور کُتبِ دینیہ پڑھیں مگر جب فقہ کی بڑی بڑی کتابوں کی تدریس شروع ہُوئی تو ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں جتنا اب تک پڑھ چکا ہوں وہی کافی ہے اور مجھ سے مزید نہیں پڑھا جاتے گا۔ یہ سوچا اور ان کُتب کی تدریس سے انکار کر دیا۔

حضرت شاہ محمد فیض نے بیٹے کو سمجھایا کہ ایک نہ ایک دن تمہیں اس علم میں کمال

حاصل کرنا ہی ہے لہٰذا دیر کیسی؟ میری اولاد میرے دینی و رُوحانی ورثہ کی امین ثابت نہ ہو یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ لیکن والد محترم کی تاکید کے باوجود نورِ محمد کے دل میں یہی دُھن سمائی رہی کہ مَیں یہ کُتب یہاں سے نہیں پڑھ سکتا۔ اس لیے مجھے علوم دینیہ کی تکمیل کسی اور جگہ سے کرنی چاہیے۔ چنانچہ اُنھوں نے والد محترم حضرت شاہ محمد فیض کا مدرسہ چھوڑا اور کسی دُوسرے شہر کو جانے کے بارے میں سوچنے لگے۔

اس وقت مدینۃ الاولیا، ملتان کی حیثیت ایک بہت بڑے رُوحانی مسکن ہونے کے ساتھ ساتھ علومِ دینیہ کی تحصیل کے قابلِ فخر مرکز کی تھی۔ اس لیے نورمحمد بھی ملتان کی جانب روانہ ہُوئے۔ ملتان پہنچے تو شہر کے ایک کونہ پر واقع خانقاہ میں قیام کیا۔ اس خانقاہ میں ایک عابدہ زاہدہ پرہیزگار رولیہ خاتون مقیم تھیں۔ اُنھوں نے نُورمحمد سے دریافت کیا: بیٹے! تم کس مقصد کے لیے مُلتان آئے ہو۔"

حضرت نورمحمد نے عرض کیا: "محترم خاتون! مَیں حصولِ علم کا شوق لیے مُلتان چلا آیا ہُوں۔"

اس بزرگ خاتون نے اس نوجوان کی پیشانی پر جگمگاتی ہُوئی علم و عرفان کی تنویر دیکھی اور فوراً کہا: "بیٹے! تم تو پڑھے ہُوئے ہو۔ تمھیں کوئی کیا پڑھائے گا۔"

حضرت نُورمحمد کہتے تھے کہ اس نیک مائی کی یہ بات سُن کر مجھے یُوں محسوس ہُوا جیسے میرے سینے میں علم و حکمت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ پھر آپ مُلتان کے مختلف مدارس میں گئے۔ جس دینی مدرسہ میں جاتے وہاں کے اساتذہ آپ کا علمی جائزہ لیتے اور کہتے کہ "نوجوان! تم تو پہلے ہی پڑھے ہُوئے ہو تمھیں ہم کیا پڑھائیں؟"

جب کئی مدارس سے ان کو ایک ہی جواب مِلا تو آپ واپس کھیالی (گوجرانوالہ) تشریف لے آئے۔ جب والد محترم حضرت شاہ محمد فیض رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے مُسکراتے ہُوئے فرمایا:

Marfat.com

"نورِاحمد! تم نے گھوم پھر کر دیکھ لیا اور پھر وہیں آ گئے جہاں سے چلے تھے اب تو نہیں احساس ہو گیا ہو گا کہ تمہارے علم کی سربلندیاں یہیں سے مقدر ہو چکی ہیں" حضرت نور احمد نے والد محترم کے حضور فرطِ عقیدت سے سر جھکا دیا۔ سینہ پہلے ہی سے روشن ہو چکا تھا، حضرت شاہ محمد فیض کی نگاہ باطنی سونے پر سہاگہ ثابت ہوئی۔ آپ نے مولانا نور احمد کی رُوحانی تربیت ایک نئے ہی انداز سے شروع کی۔ جن علوم کی تکمیل میں کمی کا احساس ہوا ان پر خصوصی توجہ صرف کی اور روحانیت کے مدارج طے کرانے کے لیے عرفانِ ذات سے عرفانِ خداوندی کی منزلِ حقیقی کی جانب گامزن کیا۔

اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں مولانا نور احمد دینی و رُوحانی علوم میں اس قدر طاق ہو گئے کہ دُنیا ان کی طرف رجوع کرنے لگی اور وہی مولانا نُور احمد جو تحصیلِ علم کی تمنا دل میں لیے مُلتان کو روانہ ہُوئے تھے مفتیٔ وقت کی حیثیت سے علم و حکمت کی گتھیاں سلجھانے لگے۔ آپ کا فتویٰ پُورے شہر ہی میں نہیں بلکہ دُور دراز کے علاقوں میں بھی قابلِ قبول اور باعثِ ترجیح سمجھا جاتا تھا۔ شرعی امور میں آپ کی رائے کو فوقیت دی جاتی تھی اور علمی و فکری حلقے مختلف مسائل دینیہ کا حل ڈھونڈنے کے لیے آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ دینی معاملات میں آپ کی رائے سند کی حیثیت رکھتی تھی اور آپ کے پند و نصائح اور مواعظ دلوں میں بہت جلد گھر کر جاتے تھے۔

نامور شیخِ طریقت

حضرت مولانا نور احمد ایک بڑے عالمِ دین اور ماہرِ علومِ دینیہ ہی نہیں تھے بلکہ آپ نامور شیخِ طریقت اور محرمِ اسرارِ معرفت تھے۔ حقائق فطرت پر آپ کی گہری نظر تھی۔ آپ کا حلقۂ فیض نہایت وسیع تھا۔ آپ کو حضرت داتا شاہ جمال نُوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ محمد فیض کی رُوحانی مسند ورثہ میں ملی تھی۔ آپ کے اسلاف صرف دینی علوم

Marfat.com

میں ہی غیر معمولی مہارت نہیں رکھتے تھے بلکہ رُوحانی طور پر بھی مختلف ادوار میں زمانہ آن سے اکتسابِ فیض کرتا رہا۔ حضرت مولانا نور احمد نے اپنے زہد و تقویٰ، علم و فضل، رُوحانی بصیرت اور فکری بلند پروازی کی بدولت اپنے بزرگوں کی خانقاہ کو پہلے سے کہیں زیادہ آباد کر دیا۔ طالبانِ راہِ حقیقت دُور دُور سے آپ کی خدمت میں حاضری کی تمنا لیے آتے اور آپ کے دربار سے فیضیاب ہو کر جاتے۔

آپ کی خانقاہ میں ایک طرف علوم دینیہ کے حصول کی آرزو رکھنے والے طالبانِ علم آتے اور تحصیلِ علم کے ذریعہ اپنی دنیا اور آخرت کی سرخروئی کا سامان بہم پہنچاتے۔ دوسری طرف رُوحانیت کی راہوں کے مسافر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو انہیں یُوں محسوس ہوتا کہ جیسے اُنھوں نے منزلِ حق کا سراغ پالیا ہے اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے آپکے آستانہ عالیہ سے وابستہ ہو جاتے۔ آپ کی نگاہِ فیض رساں نے بے شمار گمراہوں کو راہِ ایمان پر چلنے کا شعور بخشا اور تاریک دلوں کو انوارِ خداوندی کی دولت عطا کی۔ آپ کی خانقاہ نہایت آباد اور پُر رونق تھی۔ ہر وقت متلاشیانِ راہِ عمل کا ایک ہجوم آپ کی شفقتوں کا منتظر رہتا اور آپ اپنے خزانہ حکمت سے ہر سائل کو عطا کرتے جاتے۔ حاجتمند اپنی اپنی تمنائیں لیے آپ کے حضور حاضری دیتے اور شاد کام لوٹتے۔ سچ ہے کہ ؎

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضرت سخی احمد یار کی بیعت اور رُوحانی عظمتیں

عظیم روحانی شخصیت فخر الاسخیا حضرت سخی احمد[1] بھی آپ کے خوانِ رحمت سے

---

[1] حضرت سخی احمد یار رحمۃ اللہ علیہ کا مزار کوٹ پیر شاہ ضلع گوجرانوالہ میں ہے۔ آپ کی تاریخِ ولادت ۱۱۹۳ ہجری ہے۔ جب کہ تاریخِ وصال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۹۱۲ بکرمی ہے۔

Marfat.com

سے فیضیاب ہُوئے۔ آپ کی بیعت کا واقعہ یُوں ہے کہ ایک رات حضرت سخی احمد یار نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک ندی کو عبُور کرنے کے لیے اس پر رکھے ہُوئے شہتیر پر سے گُزر رہے ہیں۔ ابھی آپ اس شہتیر کے درمیان میں پہنچے تو ادھر سے ایک بزرگ نمودار ہوئے اور وہ بھی درمیان میں آ گئے۔ سخی صاحب ازراہِ احترام شہتیر سے واپس اُتر آئے جب

آپ موضع مان ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت محمد جیون ایک خدا ترس انسان تھے۔ حضرت سخی احمد یار علوم قرآن کے ماہر اور بزرگان دین کی نگہِ فیض سے بہرہ یاب تھے۔ حضرت مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت نے آپ کو سراج الاولیاء بنا دیا آپکو حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کی سعادت بھی حاصل ہے۔ آپ زُہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں اپنی مثال آپ تھے۔ تمام زندگی لقمۂ حرام پیٹ میں نہ جانے دیا اور اُلکاسِبُ حبیب اللہ کے مطابق زندگی بھر رزقِ حلال بقوتِ بازو کما کر کھاتے رہے آپ کے غیر معمولی زُہد و تقویٰ اور خدا ترسی کے بہت سے واقعات آپکے تذکار میں منقول ہیں۔

آپ عشقِ خداوندی اور محبتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی عملی تفسیر تھے۔ آپ نے عبادت و ریاضت کی خاطر جن مشکلات کو سینے سے لگایا اُن کا تذکرہ کرتے ہُوئے صاحبِ قلم کو حیرت ہونے لگتی ہے۔ جب روحانی سربلندیوں پر فائز ہو گئے تو آپ نے کوٹ پیر شاہ کو اپنے وجُود سے نوازا اور باقی زندگی یہیں گزار دی۔ آپ کے معمولات تمام تر یادِ خداوندی میں بسر ہوتے تھے۔ خلقِ خدا آپ کی خدمت میں حاضری دیتی اور دلی آرزوؤں کی تکمیل کا سامان کرتی حق تو یہ ہے کہ جو خدا کا ہو جاتا ہے، زمانہ اُس کا ہو جاتا ہے۔ حضرت سخی احمد یار سے ایک زمانے نے فیض اٹھایا۔ آپ کے برادرِ اصغر غوث العصر حضرت خواجہ محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے رُوحانی مشن کو آگے بڑھایا اور گوجرانوالہ میں تشریف لا کر اس علاقہ کو نورِ ایمان سے منور کر دیا۔ حضرت خواجہ محمد عمر قادری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بازار خراداں والا گوجرانوالہ میں ہے۔ جو خانقاہِ قادریہ کے نام سے موسوم ہے۔

Marfat.com

اس بزرگ نے شہتیر پر سے گزر کر اس طرف قدم رکھا تو سخی صاحب نے عرض کیا "حضور میں ملاقات کو حاضر ہُوا ہوں"۔ جس پر وہ بزرگ فرمانے لگے: "تم ڈیرہ پر چلو میں آتا ہوں۔" اس کے ساتھ ہی حضرت سخی احمد یار کی آنکھ کھُل گئی۔ آپ ایک عرصہ سے حضرت مولانا نُور احمد سے مُلاقات کے متمنّی تھے اور دل میں بیعت کی خواہش بھی بسیار تھی، لیکن آپ نے مولانا کو دیکھا نہیں تھا۔

اگلے دن حضرت سخی احمد یار موضع مان سے گوجرانوالہ آئے۔ کھیالی دروازہ والی جگہ پہنچے تو یہاں ایک نالہ گزُر رہا تھا۔ اور اس پر ایک بڑا سا شہتیر بھی رکھا ہوا تھا۔ آپ اس شہتیر پر چڑھے، درمیان میں پہنچے تو دوسری طرف سے ایک بزرگ بھی شہتیر پر قدم رکھ کر آگے بڑھنے لگے۔ جب وہ بزرگ سخی صاحب کے پاس پہنچے تو سخی صاحب ازراہِ احترام نیچے اُتر آئے۔ پہلا منظر خواب کا تھا جبکہ دُوسرا منظر بیداری کا تھا۔ لیکن دونوں مواقع پر بزرگ شخصیت، نالہ، شہتیر اور اپنے عمل کی یکسانیت نظر آئی۔ دل نے فوراً آواز دی کہ یہ محض اتفاق نہیں ہے بلکہ غیبی اشارہ ہے کہ اس مردِ کامل کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ۔ چنانچہ آپ نے ان بزرگ سے ملاقات کی آرزو ظاہر کردی، تو وہ کہنے لگے: "تم ڈیرہ پر آجاؤ، مَیں ابھی ایک کام سے فارغ ہو کر آتا ہُوں۔" خواب اور بیداری میں نظر آنے والے بزرگ حضرت مولانا نُور احمد تھے۔

سخی احمد یار حضرت داتا شاہ جمال نُوری کی خانقاہ پر پہنچے تو وہاں کشمیر سے آئے ہُوئے ایک عقیدت مند سے بھی ملاقات ہُوئی۔ سخی صاحب کی طرح وہ کشمیری نوجوان بھی مولانا نُور احمد سے بیعت ہونے کے لیے آیا تھا۔ مولانا نُور احمد خانقاہ میں پہنچے تو ان دونوں نے بیعت کی خاطر عرض کیا۔ مولانا نے کشمیری نوجوان سے پُوچھا کہ تم کیوں بیعت کرنا چاہتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ مجھے خواب میں حضور سرورِ کائنات محمد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو۔ اس پر مولانا نُور احمد نے اس نوجوان کو نگاہ بھر کر دیکھا اس نگہ فیض رساں

Marfat.com

میں اس قدر تاثیر تھی کہ وہ نوجوان فوراً دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اپنے حواس سے بیگانہ ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ ہوش میں آیا تو مولانا نے دریافت کیا کہ تم پر اس دوران میں کیا کیفیت طاری ہوئی۔ اس پر اس نوجوان نے عرض کیا: "یا حضرت میں خوش بخت ہوں کہ اس بے خودی و سرشاری کے عالم میں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو گئی۔ یہ سن کر مولانا نے اس نوجوان کو بیعت کر لیا۔

اب مولانا نور احمد حضرت سخی احمد یار کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت کیا کہ "تم کیوں بیعت کرنا چاہتے ہو۔" اس پر سخی احمد یار نے عرض کیا۔

"میری بیعت کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی رہنمائی میں مجھے عالمِ بیداری میں سرورِ کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ انور کی زیارت ہو جائے۔"

اس پر مولانا نور احمد نے یہ کہتے ہوئے بیعت کر لیا کہ "اگرچہ منزل بہت کٹھن ہے، مگر انشاء اللہ یہ بھی ہو جائے گا۔"

اور پھر سخی احمد یارؒ کے حالاتِ زندگی شاہد ہیں کہ آپ کو خواب میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی اور آپ نے عالمِ بیداری میں بھی اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ یہ سرکارؐ کا کرم ہوتا ہے کہ آپ جس پر مہربان ہوتے ہیں اُسے نواز دیتے ہیں۔

ع یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔

"سیرت الفقراء" مؤلفہ حضرت خواجہ محمد بشیر عباسی قادری مرحوم میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سخی احمد یار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح خواب میں دیکھا کہ آپ گاؤں کی مسجد تعمیر کر رہے ہیں کہ معاً آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور سخی صاحب کو اپنی زیارت سے شاد کام فرمایا۔ صبح آپ اپنے مرشد مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ بیان کیا جس پر مولانا کہنے لگے کہ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خواب میں دیدار ہونا بالکل صحیح ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ:

"جو شخص مجھے خواب میں دیکھے گا یقیناً اس نے مجھے ہی دیکھا ہے کیونکہ شیطان میری صُورت نہیں بنا سکتا۔"

سخی صاحب نے عرض کیا کہ کیا مَیں پھر بھی آپ کو دیکھ سکتا ہُوں۔ اس پر مولانا کہنے لگے: "بے شک! بشرطیکہ درود شریف کی کثرت کی جائے۔ سخی احمد یار نے عرض کیا کہ کیا مَیں عالمِ بیداری میں بھی حضورؐ کو دیکھ سکتا ہوں؟" مولانا نور احمد فرمانے لگے: "ہاں عاشقوں کے لیے یہ ممکن ہے۔ اگر تم سچے عاشق ہو تو تمہاری یہ آرزو پُوری ہو سکتی ہے۔"

مولانا نُور احمد نے سخی احمد یار کو تلقین کر رکھی تھی کہ درود شریف کو کثرت سے پڑھا جائے اور ہر وقت ذکرِ اسمِ ذات کیا جائے۔ مولانا کا ارشاد سُن کر سخی صاحب نے درود شریف کو اپنی زندگی کا معمول بنا لیا حتی الامکان فاقہ کشی کی کوشش کرتے۔ صائم الدھر اور صائم اللیل ہو گئے۔ جب عرصہ بیت گیا اور عالمِ بیداری میں زیارتِ حضورؐ نہ ہُوئی۔ اس پر مولانا نُور احمد نے مزید اوراد و وظائف پڑھنے کی تلقین کرتے ہُوئے سخی صاحب سے کہا کہ پانی میں کھڑے ہو کر یہ تمام وظائف پڑھا کرو، چنانچہ آپ کئی سال پانی میں کھڑے ہو کر یہ تمام وظائف پڑھتے رہے، پھر مرشد کی جُدائی رنگ لائی تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی ناکامی کا تذکرہ کیا آپ نے مزید وظائف پڑھنے کی تلقین کی۔ جب پھر بھی زیارتِ رسولؐ نہ ہُوئی تو مولانا نُور احمد نے کسی اور درویش کی طرف رجوع کرنے کو کہا۔ اس پر سخی صاحب نے عرض کیا:

"خوشہ چینی بیوہ عورتوں کا کام ہے۔ خاوند والیاں کب یہ کام کرتی ہیں۔ آپ جیسا مردِ کامل اور کامل میری نظر میں کوئی نہیں آیا۔ مَیں نے اپنی قسمت لینی ہے۔ میری بدقسمتی کے باعث مقصود حاصل نہیں ہوا۔ ورنہ آپ کے کمال میں تو کوئی شک نہیں۔ آپ مجھ کو اپنی خدمت سے جُدا نہ فرمائیں اور میرے حق میں دُعائے خیر کرتے رہا کریں۔"

یہ عرض کر کے سخی احمد یار پھر موضع ملان تشریف لے آئے اور پانی میں کھڑے ہو کر عبادت کرنے لگے۔ بدن سے جونکیں چمٹ گئیں۔ جسم لاغر و نحیف ہو گیا۔ اس پر مولانا نور احمد کو اطلاع

Marfat.com

دی گئی - آپ خود تشریف لائے اور اس مریدِ صادق کو پانی سے نکالا اور بدستِ خود تمام جونکیں ان کے جسم سے صاف کیں - اب سخی احمد یار کی روحانی شہرت پھیل چکی تھی - جس پر آپ گمنامی کے لیے گاؤں چھوڑ کر دریائے چناب کے ساحل پر چلے گئے

حضرت سخی احمد یار رحمۃ اللہ علیہ نے قریباً بارہ سال دریائے چناب میں عبادتِ خداوندی میں بسر کیے - آپ حضرت مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات کی تعمیل میں شب و روز وظائف اور دیگر اذکار اوراد میں مشغول رہتے تھے - جب بارہ سال بیت جانے پر بھی گوہرِ مقصود ہاتھ نہ آیا اور عالمِ بیداری میں حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب نہ ہوئی تو پھر زندگی سے جی اُچاٹ ہو گیا کہ ایسی زندگی کس کام کی جو محبوبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والثناء کی زیارت سے محروم رہے - اس مایوسی کے عالم میں خود کو ہلاک کرنے کی بہت سی تدبیریں یہ سوچ کر کیں کہ مراد پوری ہوئے بغیر گھر کس منہ سے جاؤں گا - ہلاکت کی تمام تدابیر لاحاصل ہوئیں اور جب اس معاملہ میں آپ کی منت و زاری حد سے فزوں ہو گئی تو اچانک کیا دیکھا کہ محبوبِ دوجہاں، سرکارِ رحمت نشاں محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہؓ کے ہجوم میں تشریف فرما ہیں - اب کیا تھا سخی احمد یار کے گوہرِ مراد کو حاصل کرنے کی گھڑیاں آچکی تھیں - منہ مانگی مراد مل چکی تھی اور بحالتِ بیداری زیارتِ مصطفےٰ آپ کا مقدر بن چکی تھی -

حضرت سخی احمد یار نے حضورؐ سے اپنا ماجرائے غم عرض کیا جس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اقوالِ نصیحت سے نوازا - انہوں نے عرض کیا کہ آقا پھر کب زیارت ہو گی - اس پر حضورؐ نے فرمایا اس جذبے سے جب بھی پکارو گے ملاقات ہو جائے گی - حضرت سخی احمد یار اس نعمتِ عظمٰی کی جھلک آنکھوں میں بسائے حضرت مولانا نور احمد کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور تمام سرگزشت بیان کی - حضرت مولانا نور احمد نے سُن کر مبارکباد دی اور کہا کہ تمہارے جیسا عاشقِ صادق آج تک میرے پاس نہیں آیا - پھر مولانا نے یہ فرماتے ہوئے سخی صاحب کو بیعت کرنے کی اجازت عطا کی کہ "تم نے راہِ عشق کو جس خوش اسلوبی

Marfat.com

سے طے کیا ہے اس پر میں کہتا ہوں کہ جاؤ خلقِ خدا کی رہنمائی کرو۔"
چنانچہ سخی احمد یار پیرو مرشد کے حکم کی تعمیل میں طالبانِ راہِ معرفت کو بیعت کرنے لگے۔

معمولات

حضرت مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کا طریق اپنے خاندان کے روحانی سربراہ شمس الاولیاء حضرت میاں میر بالا پیرؒ قادری لاہورؒ رحمۃ اللہ علیہ کے طریق کے مطابق تھا۔ جس طرح حضرت میاں میرؒ قادری نمود و نمائش سے گریزاں تھے اور ہر قسم کے نمائشی تکلفات سے مبرّا لباس پہنا کرتے تھے، اسی طرح حضرت مولانا نور احمد کا طریقِ حیات نہایت سادہ تھا۔ آپ ایسا لباس پہنتے تھے جو دوسروں سے کسی صورت بھی ممتاز نظر نہیں آتا تھا۔

حضرت میاں میرؒ قادری لاہور کا اسلوبِ عمل تھا کہ جب کوئی انسان آپکے پاس بیعت کے لیے آتا تو آپ اسے اپنی نگاہِ باطنی سے نواز کر اپنے کسی اہم شاگرد اور خلیفہ کے سپرد کر دیتے تھے اور تاکید فرماتے تھے کہ اس کی علمی و رُوحانی تربیت میں کسی قسم کی فروگزاشت کا مظاہرہ نہ ہو۔ حضرت مولانا نور احمد بھی اسی طریقِ رُوحانیت پر کاربند تھے۔ اپنی ذات کی نفی کر کے دُوسروں کے وجود کو اُجاگر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ننھے شاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی۔ ننھے شاہ درگاہ حضرت میاں میر قادری لاہوری کے موجودہ سجّادہ نشین کے جدِّ اعلےٰ تھے۔ آپ نے ان کی بیعت کی درخواست سُنی تو آپ کو یہ کہتے ہوئے حضرت سخی احمد یار کے سپرد کر دیا کہ:

"سخی احمد یار میرا ہی رُوپ اور میری ہی تصویر ہے، یہ مجھ سے الگ نہیں ہے، اس لیے تمہاری روحانی تربیت اسی کے ہاتھوں ہوگی۔"

آپ اس قدر سادہ لباس پہنتے تھے کہ کوئی دیکھ کر اندازہ ہی نہیں کر سکتا تھا کہ

Marfat.com

یہ عظیم المرتبت شخصیت یگانہ روزگار ہستی ہے۔ سادہ اندازِ گفتگو، میانہ روی، محبت و خلوص ان سب صفات نے تمام تر سادگی کے باوجود آپ کی شخصیت کو اہلِ نظر کی نگاہوں میں نہایت دلکش اور محبوب بنا دیا تھا۔ آپ اوّل تو اپنے مریدوں کے ہاں تشریف ہی نہیں لے جاتے تھے اور اگر کہیں جانا پڑ جاتا تو جتنے دن وہاں ٹھہرنے کا ارادہ ہوتا تھا اتنا سامانِ خورد و نوش ہمراہ لے کر جاتے۔

فتویٰ نویسی

ایک وقت تھا کہ آپ علومِ دینیہ کی بڑی کتابوں کی تحصیل کے سلسلے سے راہِ فرار ڈھونڈتے ہوئے ملتان چلے گئے اور پھر بزرگوں کے روحانی فیضان کی بدولت وہ وقت بھی آیا کہ آپ علومِ دینیہ میں نہایت طاق ہو گئے۔ اور اصحابِ علم آپ کے مکتبِ ایمانی سے فیض پانے کے لیے آپ کی جانب رجوع کرنے لگے۔ لوگ مختلف مسائل کے ضمن میں آپ سے فتویٰ لیتے اور آپ کی رائے اور فکر کو علمی حلقوں میں نہایت وقعت کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔

اس ضمن میں حضرت کیسر شاہ[1] رحمۃ اللہ کا واقعہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے ایک مرتبہ ایک سور کا بچہ سردی اور زخموں سے نڈھال آپ کے ڈیرہ میں آ نکلا۔ آپ نے اس کو پناہ دی۔ حتیٰ کہ وہ تندرست ہو گیا۔ علاقہ کے علماء نے حضرت کیسر شاہ کے خلاف کفر کا

---

[1] حضرت کیسر شاہ موضع وائیاں والی تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ آپکے دادا پیر بھون شاہ کے مرید تھے۔ پیر بھون شاہ حضرت میاں میر قادری لاہوری کے مرید خاص اور خادم تھے۔ گویا حضرت مولانا نور احمدؒ اور حضرت کیسر شاہ دونوں کے خاندان حضرت میاں میر قادری کی نگاہِ ولایت کے فیض چشیدہ تھے۔ مشہور شاعر عبدی کیسر شاہی حضرت کیسر شاہ کے مرید اور اپنے پیر کے کردار کی عملی تصویر تھے۔

Marfat.com

فتویٰ دے دیا کہ یہ سؤر کو پناہ دے کر اسلامی اصولوں کی توہین کا مرتکب ہوا ہے۔ حضرت کیسر شاہ اپنی صفائی میں بہت کچھ کہتے رہے، لیکن لوگوں نے کوئی عذر قبول نہ کیا بالآخر قرعۂ فال حضرت مولانا نور احمد کے نام پڑا کہ آپ جو فیصلہ دیں گے وہ سب کو قبول ہوگا۔ جب دونوں فریق آپ کی خانقاہ میں پہنچے تو آپ نے دونوں کے دلائل سُن کر فرمایا:

"آپ کے دلائل اور اعتراضات اپنی جگہ لیکن یہ بھی تو سوچیے کہ کیسر شاہ تو ایک سؤر کو پناہ دے کر کفر اور توہینِ اسلام کا مرتکب ہوا ہے لیکن جو خدا اس مخلوق کو تخلیق کرتا اور رزق دے کر زندہ رکھتا ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔"

معترضین آپ کا یہ ارشاد سُن کر گنگ رہ گئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ

"تصوف ہمیں پیار اور رحمدلی سکھاتا ہے۔ کیسر شاہ نے سؤر پالنے کا کاروبار شروع نہیں کیا۔ وہ تو حالات کا ستایا ہُوا اِدھر آنکلا تھا۔ اگر صُوفی نے اس پر رحم اور ترس کھایا ہے تو یہ رحم کے فطری تقاضوں کا عمل ہے۔ ان کے ذہن میں شعائرِ اسلامی کی توہین کا تصور ہرگز نہیں ہے۔"

اس پر نکتہ چینی کرنے والے نہ صرف مطمئن ہوگئے بلکہ حضرت کیسر شاہ کو اسی عزت و احترام کا مستحق سمجھنے لگے جیسا اس واقعہ سے قبل سمجھتے تھے۔

شعری ذوق

حضرت مولانا نور احمد باقاعدہ شاعر نہیں تھے لیکن یہ اَمر طے شدہ ہے کہ قُدرت صُوفیائے کرام کو طبعِ موزوں فیاضی سے بخشتی ہے۔ آپ نہ صرف سخن فہم اور شعر شناس تھے بلکہ گاہے گاہے شعر فرمایا بھی کرتے تھے۔ افسوس کہ امتدادِ زمانہ اور گردشِ ایام کی بدولت آپ کا شعری سرمایہ محفوظ نہیں رہا۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلّم کی

Marfat.com

بارگاہ قدسی میں آپ کا فارسی میں لکھا ہوا سلام عقیدت دستیاب ہوا ہے جس سے آپ کے بلند شعری ذوق اور فکری راست روی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۲۷ اشعار پر مشتمل آپ کا لکھا ہوا یہ سلام سرمایۂ عقیدت بھی ہے اور روحانی لطافت کا آئینہ دار بھی۔ اس سلام میں آپ نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسنِ قدسیہ اور اوصافِ عالیہ بیان کیے ہیں۔ اور اُمید ظاہر کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگہِ رحمت انہیں بھی ضرور نوازے گی۔ آپ بجا طور پر عشقِ محمد مصطفٰے علیہ التحیۃ والثنار کی دولتِ عظمٰے سے بہرہ ور تھے۔ یہی عشقِ رسولؐ جو آپ کا سرمایۂ افتخار تھا آپ کے مریدین اور ارادتمندوں کا اعزاز بھی تھا۔ ہم یہ سوچ کر آپ کا سلام نذرِ قارئین کر رہے ہیں کہ آپ کا یہ سلام جو بوسیدہ کاغذوں پر دستیاب ہوا نہ صرف محفوظ ہو جائے بلکہ اس سے قارئین کے ذوقِ ایمانی کو جلا حاصل ہونے کا اہتمام بھی ہوتا رہے۔

السّلام اے صاحبِ خلقِ عظیم — السّلام اے معدنِ لطفِ عظیم
السّلام اے سرورِ عالی جناب — السّلام اے شافعِ یومِ الحساب
السّلام اے مقتدائے مرسلین — السّلام اے رحمتہً للعالمین
السّلام اے پیشوائے انبیاءؑ — السّلام اے رہنمائے اولیاء
السّلام اے وردِ بُستانِ ہدٰی — السّلام اے عارفاں را مقتدا
السّلام اے آنکہ کانِ نعمتی — السّلام اے آنکہ ابرِ رحمتی
السّلام اے بحرِ علمِ مَن لَدُن — السّلام اے مخزنِ اسرارِ کن
السّلام اے مشرقِ انوارِ غیب — السّلام اے ماحئِ ظلماتِ رَیب
السّلام اے مطلعِ نُور و ضیا — السّلام اے معدنِ حلم و حیا
السّلام اے نجمِ ثاقب السّلام — السّلام اے عارضت ماہِ تمام

Marfat.com

السلام اے صیقلِ مرآتِ دل　　السلام اے کاشفِ ہر غش و غل
السلام اے روئے تو بدرِ منیر　　السلام اے بوئے تو مشک و عبیر
السلام اے منبعِ جود و عطا　　السلام اے زینتِ اہلِ صفا
السلام اے قابَ قوسین مکاں　　السلام اے درگہت دار الاماں
السلام اے چشمۂ آبِ حیات　　السلام اے نورِ تو ہر شش جہات
السلام اے کور چشماں را دلیل　　السلام اے صاحبِ خلقِ جمیل،
السلام اے سرورِ ہر دو جہاں　　السلام اے رہنمائے گمرہاں،
السلام اے بیکساں را دستگیر　　السلام اے رازداں روشن ضمیر
السلام اے خستہ را مرہم نہی　　السلام اے تشنہ را شربت دہی
السلام اے ذکرِ تو غفلت ربا　　السلام اے فکرِ تو نورِ ہُدیٰ
السلام اے معطیٔ ہر آرزو　　السلام اے فیض تو ہر چار سُو
السلام اے چارۂ بے چارگاں　　السلام اے مونسِ غم خوارگاں،
السلام اے دردمنداں را دوا　　السلام اے مایۂ ہر بے نوا
السلام اے جلوہ گر در سینہ ام　　السلام اے صیقلِ آئینہ ام
السلام اے موصلِ مطلوبیاں　　السلام اے منعمِ مرغوبیاں
السلام اے نامِ تو وردِ زباں　　السلام اے حُبِّ تو دردِ نہاں

السلام اے ذکرِ تو ایمانِ من
السلام اے فکرِ تو درمانِ من،

خلفاء واحبابِ طریقت

حضرت مولانا نور احمد کے مریدین، ارادتمندوں اور شاگردوں کا بڑا وسیع حلقہ تھا۔

Marfat.com

اہلِ دل آپ کی صحبت میں بیٹھنا اور آپ کے پند و نصائح سے مستفیض ہونا اپنے لیے عظیم سعادت تصوّر کرتے تھے۔ آپ کی مجلس فی الواقعہ ایسا دبستانِ معرفت تھی جس کی بدولت بے شمار دلوں نے معرفتِ خداوندی کی دولت پائی۔ آپ کے خلفاء اور خاص اہمیت رکھنے والے اصحابِ علم و عمل بھی بڑی تعداد میں تھے۔ بسیار کوشش کے باوجود ان سب کے اسماء دستیاب نہیں ہو سکے۔ جو چند نام میسّر آئے ہیں ہم ان کا تذکرہ کیے دیتے ہیں۔

حضرت سخی احمد یار عبّاسی قادری رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ کا ذکر اس سے پیشتر بھی ہو چکا ہے۔ آپ عظیم روحانی شخصیت اور برگزیدہ شیخِ طریقت تھے۔ آپ کا مزار کوٹ پیر و شاہ ضلع گوجرانوالہ میں ہے۔ آپ نے حضرت مولانا نور احمد کے دستِ حق پرست کے بعد جو فیض پایا وہ عدیم النظیر ہے۔ آپ کو اپنے شیخ سے اس قدر والہانہ عقیدت تھی کہ ان کی خوشنودی کے بغیر زندہ رہنے کا تصوّر بھی حرام سمجھتے تھے۔ آپ نے اپنے شیخ عالی مقام کے فیوضِ روحانی کی بدولت وہ مقام حاصل کیا کہ آپ کا نام تاریخِ معرفت کے روشن باب کی حیثیت اختیار کر گیا۔ روایت ہے کہ جب حضرت سخی احمد یارؒ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا اور بیداری میں آپ کی زیارت کی تمنا لیے اپنے مرشد مولانا نور احمد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے حضرت مولانا نور احمدؒ سے سارا ماجرا عرض کرنے کے بعد پوچھا کہ :

"کیا میں کسی طرح پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ سکتا ہوں"

تو حضرت مولانا نور احمدؒ فرمانے لگے کہ "ہاں۔ انشاء اللہ اگر درود شریف کی کثرت کی جائے" اس پر انہوں نے پھر مولانا سے دریافت کیا کہ "کیا کوئی اس ماہِ عالمتاب کو حالتِ بیداری میں دیکھ سکتا ہے"۔

ے سیرت الفقراء حصّہ دوم۔ غیر مطبوعہ مرتبہ خواجہ محمد بشیر عبّاسی قادری علیہ الرحمۃ

Marfat.com

مولانا نُور احمدؒ نے فرمایا: "ہاں عاشقوں کے لیے ممکن ہے۔ حق تعالیٰ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کا وجودِ مسعود ہمیشہ کے لیے ایسا ہی محفوظ رکھے گا جیسا کہ زندگی میں۔ کیونکہ یہ متفق علیہ حدیث ہے کہ اجسادِ انبیاء علیہم السّلام کو کھانا مٹّی پر حرام ہے۔ اور یہ کہ رسولِ مکرم علیہ الصلوٰۃ والسّلام ہمارے اعمال پر بنورِ نبوّت شاہد ہیں اور اعمالِ اُمّت بروز جمعہ حضور پُرنور کے رُوبرو پیش کیے جاتے ہیں۔"

حضرت مولانا نُور احمد رحمۃ اللہ علیہ کی یہ باتیں اس عاشقِ صادق کے دل میں یُوں گھر کر گئیں کہ پھر یہ زندگی بھر محبّتِ رسولؐ میں کھوئے رہے۔ اور یہ اسی محبتِ رسولِ خدا کا فیضان تھا کہ آپ کو بحالتِ بیداری حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت نصیب ہُوئی۔ یہ وہ سعادت ہے جو قسمت ہی سے کسی کا مقدر بنتی ہے۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت سخی احمد یار کا وصال ہو گیا تو حضرت مولانا نور احمد کو اطلاع پہنچا دی گئی۔ مولانا کسی کام سے کہیں گئے ہُوئے تھے اس لیے آپ کو کوٹ پیرو شاہ پہنچتے پہنچتے کافی تاخیر ہو گئی۔ جب آپ پہنچے تو ارادتمند سخی صاحب کو پہلے ہی غسل دے کر کفن پہنا چکے تھے۔ مولانا نور احمدؒ قریب تشریف لائے تو حضرت سخی صاحب کے چہرے سے کفن سرکا دیا گیا۔ پہلے تو آپ کی دونوں آنکھیں بند تھیں اس وقت آپ کی دائیں چشم کھُل گئی اور آنسو بہنے لگے۔ مولانا نُور احمد نے جلدی سے سر کی طرف آ کر اس آنکھ کو ہاتھ سے بند کیا اور کہا:

"بس بیٹا تم نے زندگی میں حقِ تسلیم کو بخوبی ادا کر دیا ہے۔ اب کوئی ضرورت نہیں کیونکہ موجبِ فتنہ ہے۔"

یہ کہتے ہُوئے مولانا کے بھی آنسو نکل پڑے۔ پھر مولانا نے آپ کی آنکھ بند کر کے چہرہ کو پردۂ کفن میں پنہاں کر دیا اور نمازِ جنازہ ادا کر کے دفن کر دیا۔ حضرت سخی احمد یار کا مزار مدّتوں سے مرجعِ خلائق ہے۔ پہلے آپ کے مزارِ مبارک پر پالکی تھی۔ اب اس کی جگہ ایک عالیشان گنبد تعمیر کیا جا رہا ہے۔ تعمیر کی تکمیل کے بعد یہ گنبد فنِ تعمیر کا نہایت اعلےٰ نمونہ شمار ہو گا۔

Marfat.com

بابا روشن شاہ

آپ حضرت مولانا نُور احمد سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔ بابا روشن شاہ درویش خدامست اور رموزِ فقر سے آشنا شخصیت تھے۔ آپ دربار حضرت مبارک شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین تھے۔ حضرت مولانا نور احمدؒ سے آپ کی عقیدت اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ ہمہ وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ مولانا نُور احمد بھی آپ پر غایت درجہ لُطف فرمایا کرتے تھے۔ بابا روشن شاہ اپنے مرشد مولانا حضرت نور احمدؒ کی وفات کے بعد بھی زندہ رہے۔ آپ کو اپنے شیخِ طریقت کی اولاد سے بھی محبت تھی۔ اس لیے آپ حضرت مولانا نور احمدؒ کے پوتے شمس العلماء مولانا مولوی محبوب عالم رحمۃ اللہ کی خدمت میں بھی باقاعدگی سے حاضری دیا کرتے تھے۔ آپ کی اولاد بھی مولانا محبوب عالم کی مرید تھی۔ اس خاندان سے رُوحانی عقیدت کے سبب بابا روشن شاہ ممتاز رُوحانی حیثیت کے حامل ہُوئے۔ آپ کی قبر حضرت مبارک شاہ کی قبر پاک کے قریب ہے جس پر تعمیر شدہ خوبصورت گنبد اس دربار کے حُسن کو دوبالا کرتا نظر آتا ہے۔

پیر کبیر شاہ

پیر کبیر شاہ رحمۃ اللہ کا تذکرہ بیشتر بھی ہو چکا ہے۔ آپ کا سلسلۂ طریقت قادریہ تھا اور آپ حضرت میاں میر قادری لاہور کے سلسلۂ عالیہ کی ممتاز شخصیت تھے۔ اس علاقہ میں حضرت میاں میر قادری کے سلسلۂ عالیہ سے تعلق رکھنے والے جو روحانی خانوادے اہم حیثیت کے مالک بنے ان میں حضرت مولانا نور احمد کا گھرانہ اور پیر کبیر شاہ کا گھرانہ خاص طور سے قابلِ ہیں۔ قادری نسبت رکھنے کی بنا پر پیر کبیر شاہ مولانا نور احمد کے پاس تشریف لایا کرتے۔ مولانا نور احمد بھی گاہے گاہے پیر کبیر شاہ کے موضع دائیاں والی تحصیل وزیر آباد میں تشریف لے جاتے۔ ان ہردو بزرگوں کی ملاقاتیں نہایت پُرمغز، علم آفریں اور رُوحانی لطافت سے

Marfat.com

بھرپور ہوا کرتی تھیں۔

فضل احمدؒ

بابا فضل احمد بھی مولانا نور احمد کے مریدِ خاص اور منظورِ نظر ارادتمند تھے۔ آپ کے حالات کا علم نہیں ہو سکا۔ آپ شاعری بھی کیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں ایک شعر جو مشکل سے دستیاب ہوا ہے نذرِ قارئین کیا جاتا ہے۔ اس شعر سے فضل احمد کی اپنے شیخ سے غیر معمولی عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ ؎

جانئیں فضل احمد مسکین ، دو جہانیں نال یقین
حضرت نور احمد دے اگے سجدہ کرد ازاری دا

میاں رکن الدینؒ

میاں رکن الدین حضرت مولانا نور احمد کی نگاہِ فیض رساں سے مدتوں فیضیاب ہوتے رہے آپ موضع ماڑی کھنگھوریاں المعروف ماڑی کلاں ضلع شیخوپورہ کے رہنے والے تھے۔ میاں رکن الدین صحیح النسب قریشی الہاشمی تھے۔ اپنے شیخ سے حد درجہ محبت کا رشتہ استوار کر رکھا تھا۔ آپ شعری ذوق سے آراستہ طبیعت کے مالک تھے۔ آپ کا کلام روحانی مسائل وحقائق سے بھرپور ہوا کرتا تھا۔ شیخ طریقت کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے آتے اور کئی کئی روز یہاں قیام کرتے۔ آپ کا لکھا ہوا غیر مطبوعہ منظوم قصہ "شیریں فرہاد" دستیاب ہوا ہے جس میں میاں رکن الدین نے شیریں فرہاد کے مشہور عام قصے کا آغاز کرنے سے قبل اپنے پیرخانہ اور پیرِ طریقت مولانا نور احمد کا تذکرہ کیا ہے۔ ضیافتِ طبع کے لیے چند اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

اس کتاب کا سالِ تصنیف ۱۲۸۳ھ ہے۔

Marfat.com

دراوصافِ مخدومِ معظّم

بدہ ساقیا دارُوئے سرنگوں کدُورت کی جس میں پڑے ہاں نہ ہوں
تُو کر مہربانی نہ کچھ دیر کر ترو تنگ نشہ ہے نہ کچھ سیر کر
کہوں پیر اپنے کا اب ابتدا ہو جس سے کہ حقِ عقیدت ادا
کھیالی بزرگوں کا اصلی مکاں ہوا جسکے ہونے سے روشن جہاں
کہ فتوائے بہر ملک مشہور ہے بِعلم وحلم و توکّل سے مشہور ہے
بہر طور کرتے تھے وعظ و کلام شریعت کی عظمت ہے، ان سے مدام
رہیں گجرانوالے ہیں عالی جناب ہمہ شہران سے ہُوا فیضیاب
زمانے میں کامل مکمّل ہُوئے کہ عارف معارف تجمّل ہُوئے
کریں جس کو بیعت وہ والا نژاد ملی روز جلدی سے بالامراد
ولی پُشت پُشتے میں ہوتے رہے جو تھے داغ عصیاں کے دھوتے رہے
ہے صدیقی اور قادری خاندان کہ حضرت ابوبکرؓ سے دُودمان
ہُوا نورِ احمد سے دُنیا میں نُور وہ اجلاس کرتے پہ نیکی حضور
مکاں اور مسجد شہر سے جنوب عجب در عجیب اور عجائب عجوب
سے باراں سنتر سے پاکر وفات گئے جلد جلدی سے جنّت جہات
بنا جب کہ روضہ بمثلِ حرم ارم در ارم بھتا کرم در کرم
کہ پوتا ہُوا ان کا گوہرِ بے داغ وہ محبوب عالم ہے روشن چراغ
کریں پیروی جو نہی ان کی بہم کہ فی المثل فی المثل ثابت قدم

وہاں دین و دُنیا کی ہو پرورش
بہت شخص مجھ سے رہیں بر درش

Marfat.com

اولاد حضرت مولانا نور احمدؒ کی دو ازدواج تھیں۔

آپ کے چار بیٹے تھے۔ بیٹیوں کی بابت معلوم نہیں ہو سکا۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں: مولانا غلام قاسم شاہ۔ مولانا سلطان احمد شاہ۔ پیر محمد حیات شاہ۔ پیر کرم الٰہی شاہ۔ ان میں سے مولانا غلام قاسم شاہ حضرت مولانا نُور احمد کی زندگی ہی میں وفات پا چکے تھے۔ انہی مولانا غلام قاسم شاہ کے صاحبزادے مولانا محبوب عالم تھے جو آنے والے دَور میں اپنے عظیم دادا جان کی روحانی اقلیم کے تاجدار بن کر آسمانِ علم و حکمت پر بصد آب و تاب جگمگاتے رہے۔

وفات

حضرت مولانا نُور احمد نے طویل عمر پائی تھی۔ کہتے ہیں کہ آخری ایام تک تحریر پڑھ لیا کرتے تھے۔ طوالتِ عمر کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ آخری دَور میں جب آپ کچھ پڑھنا چاہتے یا کسی کی طرف دیکھنا مقصود ہوتا تو آنکھوں کے پپوٹے اپنے ہاتھ سے اُوپر اُٹھا کر دیکھتے۔ ایک طویل عرصہ تک خلقِ خدا کو صراطِ مستقیم کا شعور بخش کر اور اہلِ ایمان کو ذوقِ حضوری بخش کر بالآخر آپ ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۵۹ء واصل باللہ ہو گئے۔

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلیہِ راجِعون۔

آپ کا قطعۂ تاریخِ وصال یُوں ہے:

از روزِ نقلِ حضرتِ ما نُورِ احمدی
بگریست آسمان و زمین و مہر و ماہ و میغ
تاریخش از خرد چُون بجستم گریست زار
درعین گریہ آہ زد و گفت بس دریغ

۱۲۷۶ھ

Marfat.com

روبکار بنام جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع گوجرانوالہ مورخہ ۱۸ اکتوبر [illegible]

نام مکتوب الیہ	نام کاتب
بمہر مولوی محمد محبوب عالم مہتمم پیسہ اخبار گوجرانوالہ	صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع گوجرانوالہ

بجواب صاحب کمشنر بہادر حلقہ [illegible] بدر [illegible] نمبر ۱۶۹۷ مورخہ
۱۸ اکتوبر [illegible] آپکی [illegible] ایک سند بصلہ امداد [illegible] آپکو [illegible]
ضلع [illegible] [illegible] [illegible] روزگار [illegible] سند [illegible]
[illegible] ہو [illegible] خوشنودی [illegible] صاحب کمشنر بہادر موصوف
تصور کریں -

مولانا محبوب عالم کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف

Marfat.com

شمس العلماء والفقہاء

حضرت مولانا

مولوی محبوب عالم

رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

عالمِ کامل ، فقیہہِ عصر ، مردِ بے نظیر
فخرِ ہستی ، کاروانِ عشق و مستی کے امیر

حضرتِ محبوبِ عالم ؒ ، شمعِ بزمِ معرفت
جن کے فیضِ عام سے ہے بزمِ ہستی مُستنیر

صاحبِ فقر و غنا ، نُورِ یقیں نُورِ ہُدیٰ
عاشقِ خیرالوریٰ ، وہ بندۂ ربِّ قدیر

جن کی اِک اِک بات میں تھے سینکڑوں معنی نہاں
اپنی شفقت سے دِلوں کو کرلیا پَل میں اسیر

ہیں دلوں میں جاگزیں اقوال ان کے آج تک
پیکرِ زُہد و ریاضت ، جانِ جاں ، مردِ شہیر

○ محمد اکرم رضا

Marfat.com

○

حضرت داتا شاہ جمال نُوری رحمۃ اللہ علیہ نے گوجرانوالہ کے گلستانِ معرفت میں جو گلزارِ علم و حکمت مہکایا تھا شمس العلماء حضرت مولانا محبوب عالم اسی گلشن کے گلِ یکتا ہیں ایسا گلِ یکتا کہ جس کی خوشبو ایک طویل عرصہ بیت جانے کے بعد بھی اہلِ ایمان کے قلوب کو معنبر کر رہی ہے۔ یوں تو حضرت شاہ جمال نوری کے خاندان میں یکے بعد دیگرے مسلسل ایسے سربلند نفوس جنم لیتے رہے جن کی رُوحانی تب و تاب متلاشیانِ منزل حق کو ذوقِ ایمان عطا کرتی رہی۔ لیکن کئی پُشتوں کے بعد حضرت مولانا مولوی محبوب عالم کا وجود داتا شاہ جمال نُوری کے خاندان کے لیے یُوں وجہِ صد اعزاز ثابت ہوا کہ اس خاندان کے علمی و رُوحانی فیوض کے بحرِ بے کراں کے چھینٹے برِّصغیر پاک و ہند کے دُور دراز علاقوں کو سیراب کرنے لگے۔

حضرت مولانا مولوی محبوب عالم اپنے دُور کے عظیم محدّث اور نامور فقیہہ تھے۔ آپ بہت بڑے عالمِ دین اور مسندِ معرفت پر فائز رفیع المرتبت شیخِ طریقت بھی تھے۔ آپ علومِ دینیہ کے ماہر اور قرآن و حدیث کے علوم پر گہری دسترس رکھتے تھے۔ آپ کی زبان فیض ترجمان اذہان کو علمی بلندیوں اور قلوب کو روحانی لطافتوں سے آشنا کرتی تھی۔ اس علاقہ میں آپکی شخصیت فکری و علمی طور پر اس قدر قد آور تھی کہ علم و حکمت کے کسی بھی دبستان کا تذکرہ آپ کے ذکر کے بغیر نامکمل رہتا تھا۔ آپ کے علمی تبحّر کا یہ عالم تھا کہ اطراف و اکنافِ برِّصغیر سے بے شمار تشنگانِ علم حاضری دیتے تھے۔ عام طالب علموں کے علاوہ جیّد علماء و فضلاء بھی آپ سے علمی سلسلہ جاری کرنا اعزاز تصوّر کرتے تھے۔ رُوحانی قدر و منزلت کا یہ عالم تھا کہ جدھر بھی چلے جاتے وقت کے

Marfat.com

نامور شیوخ اور صاحبانِ سجادہ آپ کی شایانِ شان تکریم کرتے تھے اور آپ کو سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔

آپ نے بشیخ الفقہ اور شیخ الحدیث والتفسیر کی حیثیت سے جو خدمات انجام دی ہیں، وہ ہمیشہ مطلعِ ایمان پر بصد آب و تاب جگمگاتی رہیں گی۔ آپ کی فقہی رفعت کا یہ عالم تھا کہ عوام کے علاوہ اپنے دَور کے نامور علماء بھی فقہی و علمی عقدہ کشائیوں کے لیے آپ سے رجوع کرتے تھے اور آپ کی گراں قدر تحریروں اور آراء کو سند کی حیثیت دیتے تھے۔

ولادت

مولانا محبوب عالم حضرت مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور مولانا غلام قاسم کے فرزند تھے۔ حضرت مولانا نُور احمد کے چار فرزند تھے۔ مولانا حیات محمد، مولانا سُلطان عالم، پیر کرم الٰہی اور مولانا غلام قاسم۔ ان چاروں میں سے مولانا غلام قاسم نے کم عمر پائی اور آپ اپنے والد ماجد حضرت مولانا نُور احمد کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔

مولانا محبوب عالم ۱۲۴۰ھ بمطابق ۱۸۲۴ء پیدا ہوئے۔ آپ کی تربیت اپنے عظیم جدِّ امجد حضرت مولانا نور احمد کے زیرِ سایہ ہوئی۔ گھر کا ماحول علمی و روحانی تھا، اس لیے آپ بچپن ہی سے اس غیر معمولی علمی و فکری انداز میں ڈھل گئے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

دینی و رُوحانی تعلیم و تربیت

چونکہ خانقاہِ قادریہ میں قائم دینی مدرسہ مدّتوں سے طالبانِ علومِ دینیہ کی علمی تشنگی بجھا رہا تھا اس لیے مولانا محبوب عالم نے بھی اسی گلستانِ علم و حکمت سے خوشہ چینی کی۔ چونکہ اس مدرسے سے بے شمار اصحابِ ایمان علمی فیوض حاصل کر چکے تھے، اس لیے حضرت مولانا نور احمد کے ہونہار پوتے کا اس درسگاہِ فضیلت سے فیضیاب ہونا ایک لازمی امر تھا۔ آپ کو اپنے مربّی اور مشفق دادا حضرت مولانا نور احمد کی نگہِ رحمت کے فیوض حاصل تھے۔ انہوں نے

Marfat.com

آپ کی نہ صرف دینی علوم کی تکمیل میں بھرپور رہنمائی فرمائی بلکہ آپ کو رُوحانی سربلندیوں سے بھی آشنا کر دیا۔

چونکہ مولانا محبوب عالم کے والد ماجد مولانا غلام قاسم ان کے بچپن ہی میں انتقال فرما چکے تھے، اس لیے آپ کو اپنے یتیم ہونے کا ازحد احساس رہتا تھا۔ اگرچہ آپ کو اپنے جدِ امجد حضرت مولانا نُور احمد کی سرپرستی اور شفقتِ کریمانہ بطورِ خاص حاصل تھی مگر اس کے باوجود آپ کو یہ احساس پریشان کرنے لگتا تھا کہ میں یتیم ہُوں۔ خدا کے بعد میرے واحد سہارا میرے دادا ہیں اگر دادا انتقال فرما گئے تو پھر میرا کون ہو گا کئی بار آپ دادا جان سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے تو وہ ہر ممکن طریق سے ان کی تسلی کرتے اور اپنی شفقت کے موتی برسا کر انہیں مطمئن کر دیتے۔

رُوحانی وراثت اور جانشینی

چونکہ مولانا محبوب عالم کے والد ماجد ان کے لڑکپن ہی میں وفات پا گئے تھے، اس لیے حضرت مولانا نور احمد کو اپنے اس یتیم پوتے سے خاص محبت تھی اور شفقت فرماتے ہُوئے ہر ممکن خیال رکھا کرتے تھے کہ یہ یتیم لڑکا آزردہ نہ ہو۔ انہوں نے مولانا محبوب عالم کی دینی اور رُوحانی تربیت کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ علومِ دینیہ کی تدریس کے لیے تمام دینی کُتب کی تدریس کروائی۔ مولانا محبوب عالم نے تحصیلِ علم کے لیے اپنے محترم دادا کے علاوہ دوسرے شہروں کا بھی سفر کیا۔ ایک معتبر روایت کے مطابق آپ نے دہلی کے ایک دینی مدرسہ سے بھی علومِ دینیہ کی تحصیل کی۔ آپ کے اساتذہ اور حصولِ علم کے سنین کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا۔ بہرحال علومِ دینیہ کی تحصیل کے بعد آپ اس قابل ہو چکے تھے کہ نہ صرف اپنے آباؤ اجداد کی علمی مسند پر رونق افروز ہو سکیں بلکہ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت اس کی عظمت کو چار چاند بھی لگا سکیں۔

Marfat.com

جب آپ کے دادا حضرت مولانا نور احمد کی زندگی کا آخری دَور آیا تو اُنھوں نے اس خیال کے تحت کہ تمام جائیداد اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹوں میں تقسیم کر جاؤں، اپنے بیٹوں کو بُلایا۔ تینوں بیٹے مولانا حیات محمد، مولانا سلطان عالم اور پیر کرم الٰہی حکم کی تعمیل میں حاضر ہُوئے۔ مولانا محبوب عالم بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ جب مولانا نُور احمد نے اپنے بیٹوں میں جائیداد کی تقسیم شروع کی تو مولانا محبوب عالم ازحد افسردہ ہو گئے۔ انہیں خیال آیا کہ اگر آج میرا باپ بھی زندہ ہوتا تو ہم بھی جائیداد کے حقدار ہوتے لیکن چونکہ ازروئے شریعت دادا کی زندگی ہی میں یتیم ہو جانے والا پوتا جائیداد میں حصّہ دار نہیں بن سکتا اس لیے آپ کی آزردگی ایک طے شدہ امر تھی۔

مولانا نور احمد جب بیٹوں میں جائیداد تقسیم فرما چکے تو پوتے محبوب عالم کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ دیکھا تو محبوب عالم ایک طرف خاموش بیٹھے حسرت و یاس کی تصویر بنے یہ منظر دیکھ رہے ہیں۔ مولانا نور احمد نے فوراً سمجھ لیا کہ اصل معاملہ کیا ہے اور محبوب عالم کیوں افسردہ ہیں۔ اپنے پوتے کی غمگین صورت دیکھ کر آپ کا دل بھر آیا اور انہیں قریب بُلا کر دریافت کیا:

"محبوب عالم! تم کیوں غمزدہ بیٹھے ہو اور کیا سوچ کر پریشان ہو رہے ہو؟"

مولانا محبوب عالم نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اپنے دادا کی طرف کہ جو آپ کے استاد بھی تھے دیکھا اور عرض کیا: "دادا جان! مَیں یہ سوچ کر ملول و افسردہ ہو رہا ہوں کہ اگر آج میرے والد زندہ ہوتے تو وہ بھی اس جائیداد سے حصّہ پاتے۔"

روشن ضمیر مولانا نور احمد نے کمال شفقت سے فرمایا:

"بیٹا اگرچہ مَیں تمہیں مادّی جائیداد سے حصّہ نہیں دے سکتا، لیکن چونکہ تم روحانی طور پر میرے جانشین ہو، اس لیے مَیں اپنا قلم دان تمہارے سپُرد کرتا ہوں اور انشاءاللہ اس قلم دان کے ہوتے ہُوئے تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

Marfat.com

مولانا محبوب عالم نے اپنے دادا کا قلم دان چُوما اور پھر اسے مسند پر واپس رکھ دیا اور فرطِ ادب سے عرض کیا۔

" دادا جان! مَیں اِنشاءاللہ آپ کے اس قلم کی لاج رکھوں گا۔ آپ نے مجھے جس اعزاز سے نوازا ہے اس کے سامنے دُنیا بھر کے مال و دولت ہیچ ہیں۔ آپ کا بخشا ہُوا روحانی اعزاز ہی زندگی بھر کے لیے میرا سرمایہ ہوگا اور مَیں ہر لحاظ سے خود کو آپ کے عطا کردہ اعزاز کا مستحق ثابت کرنے کی کوشش کروں گا"

دادا جان نے تسلّی دیتے ہُوئے فرمایا:

" محبوب عالم! دُنیاوی جائیداد سے محرومی کا صدمہ ایک فطری عمل ہے لیکن ہم نے تمہیں دنیاوی سرمائے کے بدلے میں رُوحانی سربلندی کی جو دولت عطا کی ہے وہ اِنشاءاللہ تمہیں دُنیاوی نمود و نمائش اور اعزازات کی تمنّا سے بے نیاز کر دے گی"

مولانا محبوب عالم نے یہ سُنا تو دل فرطِ شوق سے بھر آیا۔ آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ داغِ یتیمی جاتا رہا اور یوں محسوس ہونے لگا جیسے پوری کائنات ان کے قدموں میں آگئی ہے۔

علومِ معرفت کی تحصیل

حضرت مولانا نُور احمد اپنے وقت کے جیّد عالمِ دین اور شیخِ طریقت تھے۔ انہوں نے مولانا محبوب عالم کی دینی و روحانی تعلیم و تربیت فرمائی اور جب سمجھ لیا کہ نوجوان محبوب عالم معرفت و سلوک کی راہوں میں آگے بڑھ سکے گا، تو سلسلۂ روحانیت کے مرشدِ عظیم حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کی سُنّت[1] بجالاتے ہوئے مولانا محبوب عالم سے فرمایا کہ:

---

[1] حضرت میاں میر قادری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی سُنّتِ مبارکہ تھی کہ جب کوئی شخص آپ سے بیعت ہوتا تو پہلے آپ خود اس کی روحانی تربیت فرماتے اور پھر مزید رُوحانی پختگی اور باطنی علوم

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

"بیٹے اب تمہیں علوم معرفت کی تکمیل کے لیے سخی احمد یارؒ کے پاس جانا ہوگا۔ حضرت سخی احمد یار رحمۃ اللہ علیہ عدیم النظیر دانائے رموز معرفت تھے۔ آپ حضرت مولانا نور احمد کے مرید صادق اور خلیفہ تھے اور اپنے باطنی فیوض کی بنا پر خلقِ خدا میں فخر الاسخیار کے نام سے شہرت پائی۔ آپ کے حالات حضرت مولانا نور احمدؒ کے تذکرے میں بیان ہو چکے ہیں جب حضرت مولانا محبوب عالم حضرت سخی احمد یار کے پاس پہنچے تو انہوں نے فوراً سمجھ لیا کہ آنے والا ان کے شیخِ طریقت کا پوتا اور علوم دینیہ کی عظمتوں سے آشنا نوجوان ہے۔ چنانچہ آپ نے مولانا محبوب عالم پر خصوصی توجہ فرمائی اور سلوک و معرفت کی منزل کی جانب نہایت تیزی سے گامزن کر دیا۔ اپنی تربیت میں آپ نے اس شہباز کو پروازِ لاہوتی کے آداب سے بہرہ ور کیا اور نوجوان محبوب عالم جو کہ پہلے ہی اپنے دادا جان کی نگاہِ فیض رساں سے بہرہ یاب تھے۔ اپنے مرشد کے فیوضِ روحانی کی بدولت بہت جلد درجات بلند پر فائز ہو گئے۔

حضرت سخی احمد یار کو مولانا محبوب عالم نہایت عزیز تھے۔ وہ آپ کو عالمِ دین ہونے کی بنا پر خاص شفقت کا حقدار سمجھتے تھے۔ حضرت مولانا نور احمد کی روحانی تربیت۔ اور حضرت سخی احمد یار کی عارفانہ رہنمائی مولانا محبوب عالم کے لیے سونے پر سہاگہ ثابت ہوئی اور آپ نے بہت جلد وہ مقام حاصل کر لیا جس کے حصول کے لیے بعض طالبانِ شوق کی عمریں گزر جاتی ہیں۔

غوث العصر حضرت خواجہ محمد عمرؒ سے محبت

حضرت مولانا مولوی محبوب عالم کو اپنے مرشد حضرت سخی احمد یار کے برادرِ اصغر حضرت خواجہ محمد عمر[1] سے بھی خاص محبت و عقیدت تھی۔ یہ عقیدت اس لیے بھی تھی کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۷) کی تحصیل کے لیے اس طالبِ شوق کو اپنے کسی خلیفۂ خاص کے سپرد کر دیتے۔ آپ کا یہ طریق آپ کے سلسلہ عالیہ سے تعلق رکھنے والوں میں جاری و ساری ہے۔

[1] حضرت خواجہ محمد عمر قادری عباسی عظیم روحانی پیشوا تھے۔ غیر معمولی روحانی منزلت، تقویٰ و ریاضت

بقیہ حاشیہ ص ۲۰۹

بقیہ حاشیہ صہ ۲۰۸

اور باطنی کمالات کی بنا پر آپ کو غوث العصر کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ فخر الاسخیار حضرت سخی احمد یار کے چھوٹے بھائی اور ان کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ نے اپنے فیوضِ روحانی کی بدولت بے شمار دلوں کو نورِ ایمان سے منور کیا۔ آپ میاں محمد جیون کے فرزند تھے اور ۱۸۶۹ء بکرمی میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش سے قبل آپ کی ہمشیرہ نے خواب دیکھا کہ ایک بدرِ منیر ان کے دائیں طرف چل رہا ہے۔ انہوں نے حضرت سخی احمد یار سے اس کی تعبیر پوچھی تو سخی احمد یار نے فرمایا کہ وہ چاند تیرا چھوٹا بھائی ہے جو آج ہی خدائے کریم نے عطا فرمایا ہے یہ ایسا ماہتاب ہدایت ہوگا جس سے ہزاروں انسان ایمان کی روشنی حاصل کریں گے۔

اور واقعی آپ اپنے روحانی مقام و مرتبہ کی بدولت ماہتابِ ہدایت کی صورت جلوہ آرا ہوئے۔ آپ کو زیارتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف بھی حاصل ہے۔ ایک بار آپ شدید بیمار ہوئے۔ جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا اور جسم اور سر پر ایک بال بھی سلامت نہ رہا۔ بیماری انتہا کو جا پہنچی تو آپ کے معالجین نے آپ کو گاؤں والوں سے الگ تھلگ رہنے کا مشورہ دیا۔

چنانچہ آپ نے گاؤں کے باہر ڈیرہ لگا لیا۔ بیماری سے جسم انتہائی لاغر و خستہ حال ہو چکا تھا اور آپ شب و روز اپنی صحت کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔ غم و اندوہ کی کیفیت میں قصیدہ مضریہ کا ورد کیا کرتے۔ ایک دوپہر کو ان کی قسمت کا ستارہ جگمگا اٹھا اور انہوں نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہ کے جلو میں تشریف لے آئے ہیں۔ ادھر سے گزرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک کا ایک کونہ خواجہ محمد عمر کے جسم اور چہرے سے مس ہوا۔

حضور علیہ السلام کی تشریف آوری خواجہ محمد عمر کے لیے پیامِ صحت ثابت ہوئی اور آپ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ہاتھ پاؤں کے ناخن اُگ آئے ہیں۔ جسم کی جلد صاف ہو چکی ہے۔ داغ، دھبے اور جذام کی علامات کافور ہو چکی ہیں۔ سر پر بال اُگ آئے ہیں۔ جب آپ کی یہ کیفیت آپ کے برادرِ اکبر سخی احمد یار نے دیکھی تو بے ساختہ پکار اٹھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرم فرمایا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صہ ۲۱۰ پر)

Marfat.com

حضرت خواجہ محمد عمران کے شیخِ طریقت کے برادر تھے ۔ اور اس لیے بھی کہ خواجہ محمد عمر حضرت سخی احمد یار کے صحیح معنوں میں رُوحانی وفکری جانشین تھے ۔ آپ کو حضرت سخی احمد یار نے اپنے فیوض و برکات سے اس طور پر نوازا تھا کہ دیکھنے والے بہت جلد یہ اندازہ کرنے لگے تھے کہ یہ نوجوان عالم دین اک روز شیخ العالم کی حیثیت سے دُنیا والوں کو معرفتِ الٰہی سے آشنا کرے گا ۔ چونکہ مرشد کا ہر قرابتدار مرید کو عزیز تر ہوتا ہے اس لیے مولانا محبوب عالم حضرت خواجہ محمد عمر علیہ الرحمۃ سے غایت درجہ عقیدت رکھتے تھے ۔ اور چونکہ خواجہ محمد عمر کی ذات

(بقیہ حاشیہ صہ ۲۰۹)

آپ زُہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کے لحاظ سے حضرت سخی احمد یار کی تصویر تھے ۔ آپ صحیح معنوں میں اپنے بھائی اور مُرشد کے جانشین تھے ۔ سخی علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد آپ گوجرانوالہ تشریف لے آئے اور اس مقام پر ڈیرہ لگایا جسے بازار خراداں والا کہتے ہیں ۔ آپ کی اس علاقہ میں تشریف آوری تبلیغِ اسلام اور اشاعتِ دینِ حق کا باعث ثابت ہوئی اور چاروں طرف سے طالبانِ شوق آپ کی خدمت میں حاضری دینے لگے ۔ آپ کی شخصیت عظمتِ ایمان کی ترجمان تھی ۔ اس میں بناوٹ یا تصنع کا گمان تک نہیں تھا ۔ آپ کی ذات جامع کمالات اور کشف و کمالات کا مجسمہ تھی ۔ آپ سے متعلق بہت سی کرامات بیان کی جاتی ہیں ۔

عوام الناس کے علاوہ اصحابِ علم و فضل بھی آپ کی خدمت میں حاضری کو اعزاز تصور کرتے تھے ۔ شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال کو بھی آپ سے خصوصی ارادت تھی اور وہ آپ کی وفات کے بعد کئی مرتبہ آپکے مزار پر حاضر ہوئے ۔ علامہ اقبال کے والد شیخ نور محمد سیالکوٹی حضرت خواجہ محمد عمر کے خلیفہ خاص حضرت سائیں عبداللہ قادری کے مرید تھے ۔ اقبال کے والد کی روحانی نسبت ہی اقبال کو حضرت خواجہ محمد عمر کے مزارِ اقدس پر لاتی رہی ۔ آپ نے بوقت تہجد پانچ محرم ۱۳۰۹ھ تقریباً چوراسی سال کی عمر میں وصال فرمایا اور اپنی خانقاہ ہی میں مدفون ہوئے ۔ آپ کے مزار مبارک کا گنبد فنِ تعمیر کی خوبصورت مثال ہے ۔ اہلِ ایمان آپکے دربارِ عالیہ میں حاضری دیتے اور اپنے قلوب کو آپ کی بخشی ہوئی تعلیمات کی روشنی سے منوّر کرتے ہیں ۔

Marfat.com

مولانا محبوب عالم کے مرشد کی سیرتِ عالیہ کی حقیقی تصویر تھی اس لیے مولانا کو ان کی ذات میں اپنے مُرشد کی صفات کا پَرتو نظر آتا تھا، اس لیے آپ خواجہ صاحب سے ارادت مندی کو اپنے لیے سعادت تصوّر کرتے تھے۔

آپ کئی برس تک حضرت سخی احمد یار کی خدمتِ اقدس میں حاضری دیتے اور اپنی روحانی قوتوں کو جلا بخشنے کا اہتمام کرتے رہے۔ حضرت سخی صاحب نے بھی آپکو بے پناہ انعاماتِ روحانی سے نوازا۔ آپ سخی صاحب کی خدمت میں حاضری کے لیے بے چین رہا کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ وقت سخی صاحب کی بارگاہِ قدسیہ میں گزرے۔ سخی صاحب سے آپ کی ارادتمندی عشق کو پہنچی ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب سخی صاحب علیہ الرحمۃ وفات پا گئے تو آپ کو یوں محسوس ہوا جیسے دُنیا اندھیر ہوگئی ہو اور کائنات میں چاروں طرف غم واندوہ کے سائے پھیل رہے ہوں۔ رنج والم کی تاریکیوں میں حضرت سخی صاحب کے برادرِ اصغر حضرت خواجہ محمد عمر کی ذات آپ کے لیے قندیلِ امید ثابت ہوئی کہ اگرچہ مُرشد سے دُوری سہی مگر مرشد کا بھائی تو ہمارے درمیان موجود ہے۔

آہستہ آہستہ آپ کے رُوحانی تعلقات خواجہ محمد عمر کے ساتھ اس طرح استوار ہوتے گئے کہ من توشدم تُومن شدی کی مثال صادق آنے لگی۔ غوث العصر خواجہ محمد عمر آپ کو ازحد محبوب رکھتے اور آپ کو اپنی خصوصی نوازشات کا حقدار بناتے۔ مولانا محبوب عالم نے سفر وحضر کے دوران میں بہت سا وقت خواجہ محمد عمر کی صحبت میں بھی گزارا ہے۔ اس ایمان افروز دَور کی بہت سی روایات آپ سے منقول ہیں۔

جب خواجہ محمد عمر قادری نے وصال فرمایا تو چونکہ آپ کے مریدین نے دُور دُور سے آنا تھا اس لیے آپ کی تجہیز وتکفین کا پروگرام دو تین روز تک ملتوی ہوتا رہا۔ تیسرے روز آپ کے جسم مبارک کو غسل دیا گیا۔ اس موقع پر مولانا مولوی محبوب عالم بھی موجود تھے اور خواجہ محمد عمر قادری کے سفرِ آخرت کی تیاریوں کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ خواجہ صاحب

Marfat.com

کو غسل دیا جا چکا تو مولانا محبوب عالم نے دیکھا کہ آپ کا مرکزِ دماغ کا ذکر بعینہٖ بحالتِ بیداری جاری و ساری ہے۔ مولانا محبوبِ عالم نے اس ایمان افروز صورتِ حال کا مشاہدہ حاضرین کو کروایا۔ سبھی احباب آبدیدہ ہو گئے۔ مولانا نے فرمایا کہ

"حضرت محمد عمر قادری بعد از وصال بھی ہمیں شرمندہ کر رہے ہیں کہ دیکھو میں تو دُنیا سے رخصت ہو کر بھی خدا کی یاد میں مصروف ہوں اور تم زندگی کی حالت میں بھی خدا کے ذِکر سے غافل ہو۔ یاد رکھو ذکرِ خداوندی ہی ہمارا دُنیا و آخرت میں سہارا ہے۔"

مولانا محبوب عالم کے یہ الفاظ حاضرین کے دلوں میں اُتر گئے اور چاروں طرف سے سبحان اللہ کی صداؤں کے ساتھ ذکرِ خداوندی کے زمزمے گونجنے لگے۔

علمی و رُوحانی فضیلت

مولانا محبوب عالم نے اپنے دادا جان کی نگرانی اور تربیت میں علومِ دینیہ کی تحصیل کی تھی۔ دادا جان کی رُوحانی عنایات آپ پر اپنے بیٹوں کی نسبت کہیں زیادہ تھیں جب آپ حضرت سخی احمد یار سے بیعت ہُوئے تو روحانیت کا ارتقائی سفر شروع ہو گیا۔ مرشد کی نگہ باطن افروز نے آپ کے علم و فضل کو روحانیت کا گداز بخش دیا اور پھر آہستہ آہستہ آپ دینی اور روحانی علوم کا روشن مینار بن گئے۔ ایسا روشن مینار کہ جس سے پھُوٹنے والی کرنیں ابدالآباد تک آلامِ ہستی کے ستائے ہُوئے ستم رسیدگان کو نورِ ایمان سے منوّر کرتی رہیں گی۔ بہت جلد آپ کی شہرت عظیم المرتبت شیخِ طریقت اور بلند پایہ عالمِ دین کی حیثیت سے چاروں طرف پھیل گئی اور شمعِ علم و حکمت کے پروانے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کے لیے بیتاب رہنے لگے۔ آپ کے علمی مقامات کا تذکرہ ہر طرف پھیل گیا اور غیر منقسم ہندوستان کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے آپ کے دربار میں حاضر ہو کر علم و فضیلت کی دولت سے

Marfat.com

بہرہ یاب ہونے لگے۔ حضرت صاحبزادہ محمد بشیر قادری مرحوم اپنی غیر مطبوعہ کتاب سیرت الفقراء میں حضرت مولانا کے بارے میں آپ کے علمی فضائل اور روحانی سربلندیوں پر مبنی القاب یُوں بیان کرتے ہیں :

"آپ علمِ شریعت کے مفتی اور علمِ طریقت کے قاضی، سُنّتِ نبوی کے حامل اور ملّتِ احمدیؐ کے عالم کامل، مقتدائے زماں، ہادیٔ دوراں، اہلِ علم کے اُستاد اور ولایتِ قلب کے حکمران، صاحبِ علم، اہلِ زمانہ کے پیشوا، اہلِ تصوّف کے رہنما گزرے ہیں۔"

اسی طرح سیرت الفقراء[1] کا ایک اور اقتباس ملاحظہ کیجیے :

"مولوی محبوب عالم صاحب چونکہ علاّمہ دہر و عالم اجل حنفی المذہب صوفی المشرب تھے اور حضرت مولانا مولوی نُور احمد کے پوتے تھے۔ ان کے والدِ ماجد کا نام محمد قاسم تھا جو جوان عمر ہی میں فوت ہو گئے تھے اور آپ نے حالتِ یتیمی میں بکفالت دادا صاحب حضرت مولوی نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہی پرورش پائی تھی۔ آپ ہی سے علم حاصل کیا، آپ کی کلام شیریں، پُرتاثیر، تصوف کے لباس میں اکثر ہوتی تھی۔ جب آپ وعظ فرماتے تھے لوگوں کے دلوں میں ایسا سرور پیدا ہوتا اور ایسا اثر ہوتا تھا کہ کسی کے وعظ میں آج تک نہیں دیکھا گیا اور حضرت قبلہ و کعبہ میاں صاحب محمد کریم اللہ قدس سرہ العزیز کے بھی علمِ ظاہری کے استاد تھے اور آپ نے جس قدر علم حاصل کیا ہے مولانا ہی سے پڑھا ہے۔"

مولانا محبوب عالم اپنے دَور کے نامور عالم، محدث اور فقہی امور پر کامل دسترس رکھنے والے فقیہ، نکتہ دان تھے۔ اہلِ علم آپ کے الفاظ کو سونے میں تولتے تھے۔ آپ کے علمی کمالات اور محاسن کی شہرت چاروں طرف اس قدر پھیل چکی تھی کہ علم و فضیلت کے لحاظ سے آپ

---

[1] سیرت الفقراء از حضرت خواجہ محمد بشیر عباسی قادری مرحوم

Marfat.com

کو گوجرانوالہ کی پہچان سمجھا جاتا تھا۔ آپ باقاعدہ خطابت نہیں کرتے تھے مگر جب بھی وعظ فرماتے وہ اس قدر پُرتاثیر ہوتا کہ سننے والوں کے دلوں میں اُتر جاتا اور جو ایک بار آپ کے مواعظِ حسنہ سے مستفیض ہوتا وہ زندگی بھر کے لیے آپ کے اقوالِ زرّیں کی خوشہ چینی کرنے کا آرزومند رہتا۔ ایک شیخِ طریقت کی حیثیت سے آپ نے عوام الناس کی اصلاحِ ظاہری و باطنی کی طرف خاص توجہ فرمائی اور مادیت کی کثافتوں میں لتھڑے ہُوئے دلوں کو معرفتِ الٰہی کی لطافتوں سے یُوں آشنا کیا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے روحانیت کے اجالوں کے تمنائی بن گئے۔

مشہور تاریخی و تحقیقی تصنیف تاریخِ جلیلہ[1] کا ایک اقتباس" درگاہِ حضرت میاں میر" کے عنوان سے پیش کیا جاتا ہے جس میں فاضل مصنف نے مولانا محبوب عالم اور آپ کے خاندان کا تذکرہ کیا ہے۔

" حضرت میاں میر سے جو رُوحانی گدیاں بنیں ان میں سے شاہ جمال نُوری قدس سرّہ قریشی صدیقی کی گدی نہایت مشہور رہے۔ ان کا روضہ مقدس بیرون کھیالی دروازہ شہر گوجرانوالہ میں واقع ہے۔ یہ حضرت مولانا مولوی محمد سعید قدس سرّہ (مرید حضرت میاں میر) کے مرید تھے روضہ حضرت نوری کے سجّادہ نشین مولانا غلام جیلانی[2] صاحب ہیں۔ آپ اپنے بزرگوار دادا کے بھائی حضرت مولانا مولوی محبوب عالم قدس سرّہ کی حسبِ وصیت کہ جن کو ان کے بے شمار مرید ولی اللہ سمجھتے ہیں اور جن کی بے شمار کرامات مشہور ہیں آپ کی جگہ گدّی نشین ہُوئے۔

مسند آرائے تعلیم و تدریس

حضرت مولانا محبوب عالم کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے بیرون کھیالی دروازہ اپنے اسلاف کے قائم کردہ دینی مدرسے اور خانقاہ قادریہ کے مقاصد کو عروج پر پہنچا دیا۔

---

[1] تاریخ جلیلہ، از ابوالافضل غلام دستگیر نامی حاکمی ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۷ء

[2] حضرت مولانا غلام جیلانی نے ۱۹۵۷ء کو وصال فرمایا۔

Marfat.com

اس علاقہ میں اس خانقاہی سلسلے کی بنیاد حضرت داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ نے ڈالی تھی اور مختلف ادوار میں اس قریشی صدیقی النسب خاندان کے علماء و مشائخ نے یہاں رُوحانیت کے فروغ اور دینی علوم کی اشاعتِ عام کے لیے خاص کردار ادا کیا تھا۔ مولانا مولوی محبوب عالم نے اس خانقاہ میں پہلے سے قائم دینی مدرسے کی عظمت و حیثیت کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور برِصغیر کے مختلف شہروں کے علاوہ دوسرے اسلامی ممالک سے بھی طالبانِ تعلیم آپ کے مدرسہ میں دینی علوم کی تدریس کے لیے حاضر ہونے لگے۔

انگریزی دورِ حکومت کے شائع کردہ مختلف تعلیمی گوشواروں اور کتابوں سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ ایک وقت میں خانقاہِ قادریہ سے تعلیمی لحاظ سے فیضیاب ہونے والوں میں صرف گوجرانوالہ کے علاقے کے طالب علم ہی نہیں پڑھتے تھے بلکہ ہندوستان کے دُور دراز کے شہروں کے علاوہ افغانستان کے طالب علم بھی یہاں سے تحصیلِ علومِ دینیہ کے لیے باقاعدہ طور پر تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ مولانا محبوب عالم دینی و رُوحانی اور معاشرتی و سماجی مرتبہ کے لحاظ سے نہایت سربلند شخصیت تھے۔ آپ کی مصروفیات بے پناہ تھیں۔ مگر اس کے باوجود آپ سب سے زیادہ مقام علوم دین کی تدریس کو دیتے تھے اور بڑے ذوق و شوق اور علمی انہماک کے ساتھ طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے۔

قدیم تذکروں کے مطالعہ سے دیگر اساتذہ کی تعداد تو معلوم نہیں ہو سکی مگر یہ امر طے شدہ ہے کہ اہم کتبِ حدیث و تفسیر اور فقہی مسائل مولانا محبوب عالم خود پڑھاتے تھے۔ آپ کا اندازِ تدریس اس قدر دلکش تھا کہ طلبہ کو آپکے پڑھائے ہوئے اسباق فوراً یاد ہو جاتے تھے۔ اس دُور میں علوم دین کے لیے پڑھائی جانے والی کتب آسانی سے دستیاب نہیں ہوتی تھیں۔ چونکہ چھاپہ خانے نہ ہونے کے برابر تھے، اس لیے بیشتر کتابیں اساتذہ کے ذہنوں میں محفوظ ہوتی تھیں اور وہ زبانی ہی خطابات کی صورت طلبہ کو لیکچر دیا کرتے تھے طلبہ انہی لیکچرز کو لکھ لیتے تھے اور جو کُتب موجود ہوتی تھیں، ان میں سے بہت کم چھپی ہوتی

Marfat.com

تھیں۔ زیادہ تر کتب قلمی ہوتی تھیں اور ان اساتذہ نے دوسرے علماء و فضلاء کے کتب خانوں سے استفادہ کرکے انہیں نقل کیا ہوتا تھا۔ مولانا محبوب عالم کے کتب خانے میں علومِ دینیہ کی تحصیل کے لیے درسِ نظامی کے نصاب کی جملہ کتب قلمی موجود تھیں۔

جس طرح کسی درخت کی قدر و قیمت کا تعین اس کے پھل سے کیا جاتا ہے اسی طرح استاد کی عظمت کا اندازہ اس کے شاگردوں کے علمی معیار کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔ مولانا محبوب عالم کے شاگردوں میں سے فقط دو تین شاگردوں پر ایک نظر ڈالنے سے مولانا کی علمی سربلندی اور مہارتِ تدریس کا بخوبی احساس ہو جاتا ہے۔ مولانا محبوب عالم کے تلامذہ میں حضرت خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری اور حضرت سید غلام حیدر شاہ کرتو پنڈ دریاں جیسی جلیل القدر شخصیات کے اسمائے گرامی دیکھ کر ذہن و فکر بے اختیار ان کی عظمتوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے لگتے ہیں۔ مستقل شاگردوں کے علاوہ شہر کے اصحابِ علم و فضیلت علماء و مشائخ، شعراء و ادباء کا ایک وسیع حلقہ تھا جو علمی و فکری خوشہ چینی کے لیے آپ سے اکتسابِ فیض کرنا باعثِ سعادت سمجھتا تھا۔

آپ کے اسلاف کی قائم کردہ خانقاہ قادریہ بیک وقت روحانیت و معرفت کا محور بھی تھی اور مذہبی علوم کی تدریس کا مرکز بھی۔ آپ کی علمی صلاحیتوں اور تدریسی مہارتوں کے اپنے ہی نہیں بلکہ اغیار بھی معترف تھے۔ اس اعترافِ عظمت کا اندازہ انگریزی، فارسی اور اردو کے قدیم تذکروں سے ہوتا ہے۔ آپ کے شاگردوں نے آنے والے ادوار میں آپ کے مقدس مشن کو جاری رکھا اور آپ کی عطا کردہ علومِ دین کی روشنی سے دوسروں کے قلوب منور کرتے رہے۔

مولانا محبوب عالم نے نہ صرف اپنے مدرسہ میں دینی علوم کی تدریس کا کام جاری رکھا بلکہ اس سلسلہ میں انہوں نے دوسرے تعلیمی اداروں سے بھی تعاون کیا اور ان حکومتی تعلیمی اداروں میں مسلم طلبہ کے داخلے کی بھرپور مہم چلائی۔ اس سے آپ کا مقصد یہی تھا کہ مسلمان

Marfat.com

جو برِصغیر میں ہندو بالادستی کی چکّی تلے پس رہے ہیں آہستہ آہستہ اس قابل ہو جائیں کہ حصولِ تعلیم کے بعد کوئی ڈھنگ کی نوکری تلاش کر لیں اور اس طور معاشی لحاظ سے باوقار زندگی گزارنے کے قابل ہو جائیں۔ مسلم طلبہ میں فروغِ تعلیم کے لیے آپ کی مساعی بلاشبہ لائقِ صد تحسین تھیں اور بالخصوص صوبہ پنجاب کے سررشتہ تعلیمات کے افسرانِ بالا آپ کی مساعی کو نہایت قدر و قیمت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اس امر کی تائید کے لیے ہم اکتوبر ۱۸۷۴ء میں سررشتہ تعلیم کی طرف سے مولانا محبوب عالم کو ان کی تعلیمی خدمات کے سلسلہ میں دیئے جانے والے سرٹیفکیٹ کی نقل پیش کر رہے ہیں۔

مولوی محبوب عالم صاحب

ممبر لوکل کمیٹی گوجرانوالہ

چونکہ آپ نے ترقیٔ تعلیم میں ایسی کوشش کی جو تحسین و آفرین کے قابل ہے اور اس سے ہم بہت خوش ہوئے۔ اس لیے آپ کو علاوہ خلعت پارچہ لونگی سند خوشنودیٔ مزاج کی دی جاتی ہے کہ آپ اپنے پاس رکھیں۔ اُمید ہے کہ آپ ہمیشہ اسی طرح ترقیٔ تعلیم میں مساعی و سرگرم رہیں گے۔

تحریر تاریخ ۳ اکتوبر ۱۸۷۴ء

دستخط (بحروف انگریزی)

میجر ہالرائڈ صاحب بہادر ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب۔

اسی نوعیت کی ایک اور سند کے مندرجات پیش خدمت ہیں:

باجلاس ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر

مولوی محبوب عالم ممبر کمیٹی۔

ایک قطعہ سند زرافشانی خوشنودیٔ مزاج ڈائریکٹر صاحب مدارس پنجاب بابت ترقیٔ تعلیم گورنمنٹ سکول گوجرانوالہ بذریعہ پروانہ آپ کو دیا جاتا ہے۔ سند اپنے پاس رکھ

Marfat.com

از پیشگاہ کرنیل ایسی سی نیوین صاحب بہادر کمشنر و سپرنٹنڈنٹ قسمت لاہور

پروانہ خوشنودی کا بنام ضلع گوجرانوالہ

[illegible]

مولوی محمد محبوب عالم صاحب ممبر کمیٹی گوجرانوالہ

چونکہ ڈاکٹر صاحب بہادر ضلع گوجرانوالہ تحریر فرماتے ہیں کہ تمنے کمال جفاکش سے
ونیز لیسی مدد دیا ہے اور یہ امداد بیماری کا ادنی نمونہ ہے اسلئے فراہم بیماری
ایسی حسن کارگذاری سے جو مفید عام پر مبنی ہی بہت خوشنود ہوا ہے ۔ لہذا
یہ پروانہ خوشنودی فراہم سنداً تمکو دیا جاتا ہے کہ ذریعہ بہتری کا و بہبودی کا خود
تصور کرتے اپنے پاس رکھو ۔ مرقوم ۱۷ مارچ ۱۸۸۲ء

مولانا محبوب عالم کے نام حکومت کا ایک مکتوب

Marfat.com

کر آئندہ اسی طرح ترقیِ تعلیم میں سعی مدِ نظر رکھو ———— المرقوم ۲۶ اکتوبر ۱۸۷۲ء

اِسی نوعیت کی ایک اور سند کا متن ملاحظہ کیجیے :

بحکم مسٹر ٹی ڈبلیو۔ ایچ ٹالبرٹ صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ

مولوی محمد محبوب عالم ممبر کمیٹی مدارس زنانہ گوجرانوالہ

تقریب تقسیم انعام مدارس زنانہ پیش ہو کر پایا گیا مس کاتر صاحبہ انسپکٹریس مدارس مذکور تمہاری سعی سے جو تم نے مدارس مذکور کے رونق اور ترقی میں کیے ہیں، بہت خوش ہیں اور سفارش کرتے ہیں کہ ہمارے اجلاس سے تم کو پروانۂ خوشنودیٔ مزاج دیا جائے۔ لہٰذا تم کو یہ پروانہ خوشنودی مزاج بصلہ تمہاری سعی و کوشش کے عطا ہوتا ہے۔ اسے سندًا اپنے پاس رکھ کر آئندہ بھی اسی طرح ترقی و بہبودی مدارس زنانہ میں کوشش اور امداد کرتے رہو تاکہ تمہارے آئندہ بہبودی اور نیک نامی کا باعث ہو۔

۷ر مارچ ۱۸۷۹ء

بقلم فقیر کرم الٰہی قائمقام ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس

مولانا محبوب عالم نے گوجرانوالہ اور اس علاقہ میں اشاعتِ تعلیم کے لیے جو شاندار کردار ادا کیا ہے، اس کا اظہار مندرجہ بالا سرٹیفکیٹوں سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ مسلمان من حیث القوم انتہائی پسماندہ زندگی گزار رہے تھے، مولانا محبوب عالم نے علم کی اشاعت کے لیے مدارس کے قیام کے سلسلہ میں حکومت انگلشیہ سے جو تعاون کیا اس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ یہ علاقہ علم و ہنر کی روشنی سے منوّر ہو جائے۔ حکومتِ پنجاب اشاعتِ تعلیم کے لیے وقتاً فوقتاً جو رپورٹیں مرتّب کرتی تھی مولانا محبوب عالم کو ان سے باخبر رکھا جاتا تھا اور ان کے مشوروں کو قدر و قیمت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا ایک تعلیمی رپورٹ کے سلسلہ میں مولانا علیہ الرحمۃ کی دلچسپی اس سرکاری چٹھی سے ظاہر ہو رہی ہے۔

نوٹ : روبکار رکوری عدالت ضلع گوجرانوالہ باجلاس مسٹر بارکلے صاحب ڈپٹی کمشنر واقع ۳۰ جنوری ۱۸۷۲ء

Marfat.com

نقل گزٹ مورخہ ۱۰ جنوری ۹۲ء

جلد حصہ ۱ ب ۲

بموجب منشا ایکٹ ۲۰ مورخہ ۱۸۹۱ء سکشن ۱۰ (پنجاب میونسپل ایکٹ) مشتہر کیا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل آدمی مذکورہ بالا ایکٹ کے حسب سکشن بابجریں سکشن کے بموجب بطور ممبر گوجرانوالہ ڈسٹرکٹ بورڈ گوجرانوالہ کمیٹی کا ممبر مقرر کیا جاتا ہے —
مولوی محبوب عالم دوبارہ مقرر کئے گئے ہیں۔

ڈی۔ آئی۔ ایل مکگری
قائم مقام کمشنر و سپرنٹنڈنٹ
راولپنڈی ڈویژن۔

مولانا محبوب عالم کی بحیثیت ممبر ڈسٹرکٹ کمیٹی گوجرانوالہ، تقرر کا حکم نامہ

Marfat.com

سرکلر $\frac{۱۰}{۱۵۸}$ از جناب صاحب کمشنر راولپنڈی مضمون ضروری

خلاصہ رپورٹ بابت تعلیم پنجاب کے جو ڈائریکٹر صاحب بہادر محکمہ تعلیم نے بابت سنہ ۷۱-۱۸۷۰ء ارقام فرمایا ہے۔ آپ کے پاس بھیجا جاتا ہے اور التماس ہے کہ آپ اہالیان لوکل کمیٹی محکمہ تعلیم کو جو ضلع فیروز پور و گوجرانوالہ میں ہیں، تو اسے مطلع کر دیویں۔ جناب لیفٹیننٹ گورنر بہادر نے ان کی خدمات اور کارگزاری خوب فرمایا ہے۔

خلاصہ رپورٹ صاحب ڈائریکٹر بہادر محکمہ تعلیم

محکمہ تعلیم کے لوکل کمیٹی جو فیروز پور و گوجرانوالہ میں مقرر ہیں۔ ان کے اہالیان اپنا کام انجام دینے میں ہشیار رہیں۔

فروغِ تعلیم کے لیے مولانا محبوب عالم کی مساعی جلیلہ ان کی اس خدمت کے علاوہ تھیں جو آپ خانقاہ قادریہ میں درسِ نظامی کی تدریس کے سلسلہ میں انجام دے رہے تھے۔ آپ کے درس کے علمی نکات سے استفادہ کرنے کے لیے طلباء کے علاوہ علمائے دین اور آپ کے ارادتمند بھی شرکت کیا کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد تعلیمی نظام ایک لحاظ سے ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ انگریزوں نے استحکامِ اقتدار کے بعد مدارس قائم کیے۔ اس دَور کا مسلمان چونکہ انگریز سے شکست خوردہ تھا، اس لیے اس نے انگریزوں کے قائم کیے ہوئے مدارس کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا اور سمجھا کہ انگریز اپنے مدارس کے ذریعے ہمیں انگریز بنانا چاہتا ہے۔ انگریزوں نے ان تعلیمی اداروں سے کتنے ہی فوائد کیوں نہ حاصل کیے ہوں، ایک امر بالکل طے ہے کہ انہی مدارسِ انگلشیہ سے تعلیم پا کر ایسے فرزندانِ حُریت آگے بڑھے جنھوں نے اپنی علمی و عملی قوتوں کو کام میں لا کر انگریزوں کو برِ صغیر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رُخصت ہونے پر مجبور کر دیا۔

مولانا محبوب عالم کی دُور بین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ جس طرح لوہے کو لوہا کاٹتا ہے

Marfat.com

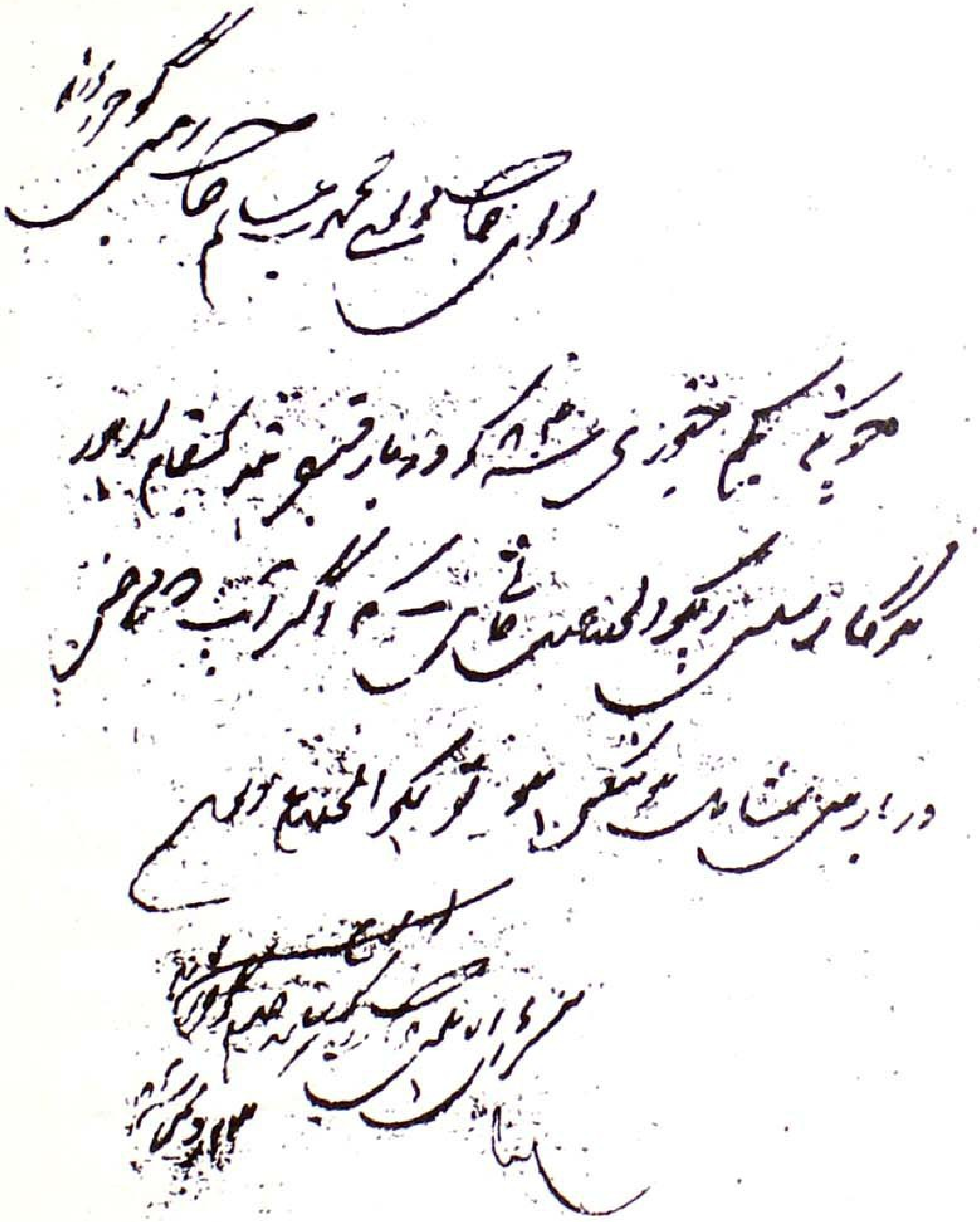

حکومت کی طرف سے مولانا محبوب عالم کی خدمت میں ایک اعزاز کا نذرانہ

Marfat.com

اسی طرح ہم بھی انگریزوں کے خلاف اس وقت تک صحیح معنوں میں صف آرا نہیں ہو سکتے، جب تک ہم ان کی زبان سیکھ کر ان کے علوم پر دسترس حاصل نہیں کریں گے۔ جہاں تک علومِ دینیہ کا تعلق تھا تو مولانا کی خانقاہ تو مدّتوں سے گہوارۂ علم و حکمت بنی ہوئی تھی۔ انگریزی دور کی تعلیمی رپورٹوں کے مطالعہ سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ مولانا نے اس علاقہ میں مدارس کے قیام کے لیے خصوصی خدمات انجام دی ہوں گی۔ چونکہ مولانا میونسپل کمیٹی کے سربرآوردہ رکن تھے تعلیمی کمیٹی کے ممبر تھے اور اس علاقہ کی علمی و رُوحانی لحاظ سے نہایت ممتاز شخصیت تھے، اس لیے آپ نے اپنی تمام حیثیتوں سے کام لے کر عوام کو مدارس کی افادیت کا احساس دلایا ہوگا اور انہیں ترغیب دی ہوگی کہ وہ علمی روشنی سے ماحول کو منوّر کرنے کے لیے اپنے بچّوں کو ان مدارس میں داخل کروائیں۔

مولانا محبوب عالم نے ستائش اور صلے سے بے نیاز ہو کر اپنا علمی مشن جاری رکھا۔ جہاں تک تعریفی اسناد کا تعلق ہے تو ان کی حیثیت اعترافِ عظمت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ مولانا کا علمی مقام و مرتبہ ان توصیفی کلمات کا محتاج نہیں تھا۔ ان کا اصل میدان تو درسِ نظامی کی تدریس تھا جس کی بدولت اس درسگاہ سے اکتسابِ فیض کرنے والے علما نے بے شمار دلوں کو ایمان کی حرارت سے بھرپور کر دیا۔ دینی تعلیم کو عام کرنے کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم کے مدارس کے قیام میں مدد دینے سے ان کا مقصد یہی تھا کہ اس علاقہ کے مسلمان دینی اور دُنیاوی علوم سے آشنا ہو جائیں تاکہ یہ دنیا بھی سنوار سکیں اور آخرت کی سربلندیاں بھی اِن کو نصیب ہو جائیں۔

فقہی مقام و مرتبہ

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ مولانا محبوب عالم ایک نامور عالم، محدّث اور فقیہہ نکتہ دان تھے۔ آپ کی فقہی رفعت کا یہ عالم تھا کہ آپ کی رائے کو ہر حلقے میں قدر و قیمت کی

Marfat.com

نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور آپ کی علمی بصیرت سے استفادہ کرنے کا ہر صاحبِ نظر تمنائی رہا کرتا تھا۔ مختلف دینی مسائل کے سلسلہ میں آپ کے پاس روزانہ درجنوں استفسارات آتے تھے اور آپ نہایت عرق ریزی اور محنت سے ان کے جوابات دیا کرتے تھے۔ آپ مفتیِ وقت بھی تھے اور آپ کے فتویٰ اور فیصلہ کو ہر جگہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ سرکاری وغیر سرکاری سطح پر آپکے فتویٰ کو یکساں پذیرائی حاصل تھی۔ جب بھی دینی لحاظ سے کوئی مشکل پیش آتی تو اہلِ ایمان فوراً آپ کی طرف رجوع کرتے اور اس ضمن میں آپ جو کچھ بھی ارشاد فرماتے اسے اس احساس کے ساتھ قبول کر لیا جاتا کہ اس سے اچھی رائے اور فیصلہ کا ظہور اور کہیں سے ممکن نہیں ہے۔

اس دور کے بڑے بڑے علمی و روحانی خانوادوں سے مولانا محبوب عالم کے خصوصی تعلقات تھے۔ یہ خاندان آپس میں ہر ممکن علمی رابطہ رکھتے تھے اور جب کوئی اہم دینی مسئلہ درپیش ہوتا تو باہم صلاح مشورہ بھی کر لیا کرتے تھے۔ مولانا محبوب عالم کے معاصرین میں قلعہ دار (گجرات) کے نامور عالم حضرت مولانا خان محمد کے گھرانے کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ مولانا خان محمد کے پوتوں علامہ سید احمد، علامہ فضل احمد اور علامہ قل احمد سے مولانا محبوب عالم کے خصوصی تعلقات تھے۔ قلعہ دار کی علمی مسند کے وارث یہ تینوں بھائی علمی وفقہی لحاظ سے بلند و بالا مرتبہ کے حامل تھے، ان بھائیوں کی مولانا محبوب عالم کے ساتھ گاہے گاہے ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ ایک بار علامہ سید احمد نے کسی شخص کے استفسار پر تفصیل سے فتویٰ لکھا۔ وہ فتویٰ مولانا محبوب عالم تک آیا تو آپ نے اس پر طویل حاشیہ قلمبند کیا۔ یہ حاشیہ بذاتِ خود ایک مکمل جواب تھا۔ اس سے ان خاندانوں کی باہمی محبت آشکارا ہوتی ہے کہ یہ کس حد تک ایک دوسرے سے متعارف تھے اور ایک دوسرے کی رائے کو کس طور اہمیت دیتے تھے۔

مولانا محبوب عالم کے دور میں درسِ نظامی کی کتب شائع شدہ دستیاب نہیں ہوتی تھیں اس لیے اہلِ علم کو بیشتر حالتوں میں قلمی نسخوں پر اکتفا کرنا پڑتا تھا۔ یہ قلمی نسخے آسانی

Marfat.com

سے دستیاب نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ قدر دان حضرات خطاطین کا انتخاب کرکے ان سے بعد اہتمام کتب لکھوایا کرتے تھے۔ مولانا محبوب عالم نہایت خوش خط تھے۔ آپ نے نہ صرف اپنے متعلقین سے کتب دینیہ کتابت کروائیں بلکہ خود بھی اپنے قلم سے بعض کتب لکھیں۔ ان میں ایسی کتب بھی تھیں جو نقل شدہ تھیں اور ایسی بھی جو مولانا علیہ الرحمہ کی ذاتی تصنیف تھیں۔ مولانا محبوب عالم کے حکم کی تعمیل میں نامور علماء کرام نے کتابیں نقل کرکے ان کی نذر کیں۔ یہ کتب فنِ خطاطی کا خوبصورت نمونہ ہیں کہ آج ایک سو سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود ان کی چمک دمک کم نہیں ہوئی۔ مولانا مرحوم کے لٹے ہوئے کتب خانے کی باقیات کے طور پر ایک سکینۃ الاولیاء (مصنف داراشکوہ) دستیاب ہوئی ہے۔ اس مشہور تصنیف کو مولانا محبوب عالم کی فرمائش پر محمد امین قادری نے نقل کیا ہے۔ کتاب کے اختتام پر کاتب تحریر یوں رقمطراز ہے:

"محررہ احقر المذنبین خاکپائے اہل حق الیقین عاصی قادری محمد امین بفرمان عالیشان جناب اہل البرکات صاحب الحلم والعلم، عالم المدقق محرم اسرارِ علوی سفلی مُرشدنا وہادینا واستادینا مفخر العالم حضرت مولانا مولوی محبوب عالم صاحب زاداللہ تعالیٰ ظلہ محبتہ وعنایتہ علی العالمین بفضل الرحمٰن الرحیم شہر جمادی الاوّل ۱۳۰۲ ھجری شریف۔"

مولانا محبوب عالم کی قلمی تصنیف بعنوان شرح الثناء الحسن والحسین والدعاء المرتضیٰ کے نام سے دستیاب ہوئی ہے جس کے آخر میں مولانا نے عبد الضعیف والنحیف محمد محبوب عالم لکھا۔ اس قلمی کتاب کا سنِ تصنیف ۱۲۷۶ ھجری ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ اس میں مولانا نے حضرت امام حسن اور امام حسین کی شان بیان کرتے ہوئے سیدنا علی المرتضیٰ کی عظمت بیان کی ہے اور اصل کتاب کی اس طور شرح کی ہے کہ ہر جملہ محبت و شوق کا ترجمان معلوم ہوتا ہے۔ کتاب اگرچہ ضخامت کے لحاظ سے مختصر ہے مگر معنوی اور علمی افادیت کے لحاظ سے نہایت قابلِ قدر ہے۔ اس کے مطالعہ سے بجا طور پر احساس ہوتا ہے کہ سمندر کو کوزے میں

Marfat.com

بند کر دیا گیا ہے۔

مولانا محبوب عالم کی گرانقدر رائے کو اصحابِ علم و ادب کس قدر اہمیت دیتے تھے اور آپ کے خیالات سے کس طور پر استفادہ کرتے تھے۔ اس کا اندازہ اس دور کی شائع شدہ چند تصنیفات پر مولانا کی قیمتی تقاریظ کے مطالعہ سے بخوبی ہونے لگتا ہے۔ یہ تقاریظ عبارت آرائی کے لحاظ سے مختصر سہی مگر ان سے علم ہوتا ہے کہ مولانا کا مقام ان کے معاصرین کی نگاہوں میں کیا تھا۔ مشہور رسالہ "ما مطیعان"[1] کے صفحہ ۲۶ پر مولانا محبوب عالم کی تقریظ یوں درج ہے:

تحریر مولانا محبوب عالم صاحب کھیالی والا۔

"انا علی ما فی ھٰذہٖ الرّسالۃ و علیہ اٰبائی و اجدادی غفراللہ لہم فبشرٰی لکم ایہا المقلّدون بالحنفیّۃ البیضاء۔

عبدہٗ محمد محبوب عالم کھیالی والا (مُہر)

ترجمہ: جو کچھ اس رسالے میں ہے میں اور میرے باپ دادا اللہ ان کی مغفرت فرمائے اسی کو حق سمجھتے ہیں۔ روشن حقیقت کے پیرو تمہیں خوشخبری ہو۔

اسی طرح مولانا مولوی غلام نبی علوی کی تالیف القول القوی فی ذکر الخفی والجلی[2] کے صفحہ نمبر ۱۲ پر مولانا محبوب عالم کی لکھی ہوئی عربی زبان میں تقریظ کے الفاظ درج ذیل ہیں۔ ھٰذا القول اظہر من الشمس فی الضحیٰ لمن لہ بصیرۃ سلیمۃ عن غشاوۃ التعصب والخطاء فدرذ راسخۃ الفہم کلام اللہ و رسولہ المجتبیٰ۔

کتبہٗ الفقیر محمد محبوب عالم عفی اللہ عنہ

ترجمہ: یہ بات چاشت کے سورج سے بھی زیادہ روشن ہے اس شخص کے لیے جس کی بصیرت تعصب کے پردے سے سلامتی میں ہے۔ اللہ اور اس کے پسندیدہ

---

[1] ما مقیمان تصنیف مولانا وصالی رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ بعنوان ما مطیعان از مولانا غلام رسول عادل گرہی ۱۳۰۳ھ۔ [2] تصنیف مولانا غلام نبی علوی۔

Marfat.com

رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام کو سمجھنے کے لیے پختہ ہے"۔

آپ کی فقہی بصیرت اور علمی نکتہ رسی کا یہ عالم تھا کہ برِ صغیر بالخصوص پنجاب کے ممتاز علماء آپ کو اپنی آراء میں شریک کیا کرتے تھے اور اپنی علمی تصانیف کے سلسلے میں آپ کی رائے کو نہایت اہمیت دیا کرتے تھے۔ عوام تو ایک طرف، خواص بھی آپ سے رجوع کیا کرتے تھے۔ سرکاری عدالتوں کو جب کسی فقہی مسئلہ کے ضمن میں فیصلہ کرنے میں مشکل پیش آتی تو متعلقہ افسران آپ سے رجوع کرتے اور آپ کے فیصلہ کی روشنی میں اپنا فیصلہ مرتب کرتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں آپ کی حیثیت کس طور پر علم و حکمت کے مینارۂ سربلندی کی سی تھی اور آپ کس شان سے اپنی خداداد صلاحیتوں کی روشنی ہر جانب بکھیر رہے تھے۔

شیخ طریقت اور رمز آشنائے معرفت

مولانا مولوی محبوب عالم فی الواقعہ عظیم شیخِ طریقت اور رمز آشنائے معرفت تھے۔ آپ کو آپ کے دادا حضرت مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اوائلِ شباب ہی میں اپنی مسندِ روحانیت کے وارث کے طور پر منتخب کر لیا تھا اور اسی طور آپ کی علمی و روحانی رہنمائی کی تھی۔ بیٹوں کے ہوتے ہوئے نوجوان پوتے پر دادا کی نظرِ کریمانہ بلاشبہ اُن کے لیے بہت بڑا اعزاز تھی۔ دادا جان کی علمی و روحانی رہنمائی کے بعد فخر الاسخیا حضرت سخی احمد یار جیسے مرشدِ کامل کے فیوض نے ان کی شخصیت کو کُندن بنا دیا اور پھر وہ وقت آیا کہ زمانہ آپکے قدموں پہ جھکتا نظر آنے لگا۔ خانقاہ قادریہ نے آپ کے دَور میں ہر لحاظ سے عروج حاصل کیا۔ یہ خانقاہ آلامِ روزگار کے ستائے ہُوئے خستہ جانوں کے لیے دارالامان کی حیثیت رکھتی تھی۔ مولانا محبوب عالم نے حضرت داتا شاہ جمال نُوری رحمۃ اللہ علیہ (جدِّا علٰے) کی رُوحانی مسند کو اہلِ نظر کے لیے نہائی قابلِ احترام بنا دیا۔ حضرت میاں میر قادری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض کی امین یہ خانقاہ

Marfat.com

اصحابِ بصیرت کے لیے سرمایۂ ایمان بن گئی۔ طالبانِ شوق مولانا محبوب عالم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور دلوں کے سکونِ دائمی کا سامان حاصل کرتے۔

اس خانقاہ کی ایک خصوصیت اس کا لنگرخانہ تھا۔ اس لنگرخانہ میں روزانہ بیسیوں افراد کے لیے کھانا پکتا تھا۔ دور دراز کے طالب علم یہاں مستقل قیام کرتے تھے اور دُوسرے علاقوں سے آنے والے علما، مُریدین اور ارادت مند بھی یہیں قیام پذیر ہوتے۔ ان کے خورد و نوش اور قیام کی ذمہ داریاں مولانا محبوب عالم بحسن وخوبی انجام دیتے۔ اس خانقاہ کے لنگرخانہ سے عوام وخواص کو بلاتمیز ایک جیسا کھانا ملتا تھا۔

آپ تصوّف کی سربلندیوں سے واقف باعمل صوفی تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی کے کلام اور زبان میں اس وقت تک تاثیر پیدا نہیں ہوسکتی جب تک کہنے والا خود اپنے ہی اقوال کی عملی تفسیر نہ بن چکا ہو۔ مولانا محبوب عالم کا کلام پُرتاثیر اور آپ کے ارشادات نہایت مؤثر ہوتے تھے۔ آپ کے سادہ مگر دلکش فقرات طالبانِ شوق کے دلوں میں اُتر جاتے اور آپ کی خدمت میں حاضری دینے والے آپ کے اقوال کو جواہرِ آبدار سمجھ کر اپنے دامانِ دل میں سمیٹ لیتے۔

آپ کی زندگی فقر و استغنا کا نمونہ تھی۔ جو کچھ آتا آپ اسے درویشوں، فقیروں اور حاجت مندوں میں تقسیم کردیتے۔ آپ کا لباس سادہ تھا، اس کے باوجود آپ کی شخصیت ایسی پُرکشش اور جاذبِ نظر تھی کہ مخاطب خود بخود آپ کی طرف کھنچا آتا تھا۔ آپ جہاں بھی جاتے اور جس محفل میں جلوہ گر ہوتے اپنی رُوحانی قدر و منزلت علمی پختگی اور عارفانہ رہنمائی کی بدولت مرکزِ توجہ بن جاتے اور جملہ احبابِ محفل آپ سے رجوع کرنے لگتے۔ آپ کی خانقاہ میں اصحابِ معرفت کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ روحانیت کے اسرار و رموز سے آگاہی حاصل کرنے والوں کا ایک ہجوم ہوتا جو آپ کو گھیرے رہتا تھا۔ آپ کے معاصر علما، اور مشائخ آپ کی عظمت کو تسلیم کرتے تھے اور عوام آپ کی ذات

Marfat.com

کو سرچشمۂ ہدایت سمجھ کر کشتِ ذوق و شوق کی آبیاری کے لیے آپ کی جانب رجوع کرتے اور آپ کے فیوض سے اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کیا کرتے تھے۔

مولانا محبوب عالم شیخ العصر تھے۔ آپ احکامِ شرعیہ پر سختی سے کاربند تھے۔ آپ کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی۔ ہر کام میں احکامِ شریعت کو ملحوظ رکھتے تھے۔ نجی اور عوامی زندگی میں شریعتِ محمدیہؐ کو اس طور پر جاری کر رکھا تھا کہ آپ کے متعلقین بھی آپ کی تقلید میں آپ کے سانچے میں ڈھل گئے تھے۔ جس طرح آپ خود عظمتِ اسلام کی منہ بولتی تصویر تھے، اسی طرح آپ اپنے مریدین اور ارادتمندوں کو احکامِ شریعت پر کاربند ہونے کی سختی سے تلقین کیا کرتے تھے اور اصلاحِ احوال کے لیے ارادت مندوں کا پورا پورا محاسبہ کیا کرتے تھے۔

آپ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تصویر تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ کو معیارِ حق سمجھتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسمِ گرامی آتا تو آپ کی آنکھیں فرطِ شوق سے نم ہو جاتیں۔ آپ عوام کو سیرتِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہونے کی نصیحت کیا کرتے اور خوبصورت انداز میں عوام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ساز شخصیت کی عظمتوں سے آگاہ کرتے۔ جن لوگوں نے آپ کو دیکھا ہے ان کے بقول آپ کو دیکھ کر ذہن میں فوراً ایک عاشقِ رسولؐ کا سراپا اُبھرتا تھا۔

مولانا محبوب عالم کی خدمت میں حاضری دینے والوں میں غیر مسلم بھی ہوتے تھے۔ وہ تلاشِ حق میں آپکے قریب آتے اور پھر آپ کی پُر تاثیر گفتگو ان کے دل و دماغ پر اس انداز سے اثر انداز ہوتی کہ وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتے۔ اسی طرح جادۂ حق سے بھٹکے ہُوئے مسلمان حاضرِ خدمت ہوتے تو آپکے دلوں میں اُتر جانے والے مواعظِ حسنہ کی بدولت اپنے گذشتہ گناہوں سے تائب ہو کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جاتے۔ غرضیکہ مولانا مولوی محبوب عالم کا فیضِ عام دِلوں کو ذوقِ یقین سے آشنا کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی سانچے

Marfat.com

میں زندگی گزارنے کے عملی تقاضے بھی عطا کر رہا تھا۔

سماجی و معاشرتی اہمیّت اور خدمات

ایک نامور عالمِ دین، فقیہہ اور معروف روحانی سجادہ کے وارث ہونے کی بنا پر مولانا محبوب عالم شہر گوجرانوالہ اور علاقہ بھر میں خاص امتیازی مقام رکھتے تھے اور آپ کو دنیاوی اعزازات کی چنداں حاجت نہ تھی مگر شہر کی انتظامیہ کو ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کی خواہش تھی۔ یہ اس دَور کی بات ہے جب انگریز اپنے اقتدار کو پُوری قوت کے ساتھ برصغیر میں پھیلا چکا تھا اور اپنے نظم و نسق کی عوام میں پذیرائی دیکھنا چاہتا تھا۔ گوجرانوالہ کی انتظامیہ مولانا محبوب عالم کے علمی مقام و مرتبہ سے آگاہ تھی اور اس کی خواہش تھی کہ مولانا یہاں کی میونسپل کمیٹی کی ممبر شِپ قبول کر لیں۔

وہ دَور من حیث القوم مسلمانوں کے لیے انتہائی سخت تھا۔ انگریز برصغیر پر قابض ہو چکا تھا اور اپنے اقتدار کو دَوام بخشنے میں مصروف تھا۔ مسلمان انتہائی تعصب کی بنا پر انگریز کے ہر اقدام کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کے کسی بھی پروگرام کو خواہ وہ اصلاحی ہی ہو قبول کرنے کو تیار نہیں تھے۔ انگریز اور مسلمان کے درمیان اس بڑھتے ہُوئے خلاء کو ہندو نے پُر کیا اور اس نے انگریز کا معتمد بن کر ہر مقام پر سیاسی اور معاشرتی فوائد حاصل کرنے شروع کر دیے اور مسلمان جو کہ پہلے ہی شکست خوردہ اور پسماندہ تھے۔ ہندو کی بڑھتی ہُوئی بالادستی کی بنا پر مزید پریشان حال اور دَرماندہ ہو گئے۔

اس صورتِ حال کو جن مسلمانوں نے محسوس کیا ان میں مولانا محبوب عالم بھی تھے۔ آپ پہلے تو ممبر شِپ سے انکار کرتے رہے، مگر پھر آپ نے یہ سوچ کر کہ ممبر بن کر گوجرانوالہ میں ہندوؤں کی سیاسی اور معاشرتی بالادستی کا زور کم کر سکیں گے۔ کئی برسوں سے ہرائی جانے والی ممبر شِپ کو قبول کر لیا۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ اس طور آپ مسلمانوں کی آواز حکامِ بالا

Marfat.com

تک پہنچا سکیں گے اور زبوں حال مسلمانوں کی بہتری کے آثار پیدا ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپ نے مقامی میونسپل کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے متواتر کئی سال شہر کی خدمت کی۔ آپ نے شہر کی تعلیمی پسماندگی کی طرف خصوصی توجہ دی اور پوری دلچسپی کے ساتھ عوام کو تعلیم کے حصول کی طرف راغب کیا۔ اس کی تفصیل آپ کی تعلیمی خدمات کے ضمن میں آچکی ہے۔

اس دور میں میونسپل کمیٹی کی ممبر شپ ایک بڑا اعزاز تھا۔ اگرچہ یہ اعزاز آپ کے روحانی اور فقہی مقام و مرتبہ سے مناسبت نہیں رکھتا تھا مگر آپ نے میونسپل کمیٹی کی رکنیت کو اس احساس کے ساتھ قبول کیا تھا کہ اگر میں رکنیت کو اختیار نہیں کروں گا تو یہ رکنیت کسی ہندو یا سکھ جاگیردار کے حصے میں آجائے گی۔ اس ضمن میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ میونسپل کمیٹی کی رکنیت کے لیے جاگیرداروں، وڈیروں اور امراء کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ مولانا محبوب عالم جیسے درویش خدا مست کی بطور ممبر نامزدگی ظاہر کرتی ہے کہ آپ کا انتخاب محض آپ کی غیر معمولی علمیت فقہی بصیرت اور عوام میں مقبولیت کے پیشِ نظر کیا گیا تھا۔ آپ کو آنریری مجسٹریٹ کی پیشکش بھی ہوئی مگر آپ نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ میں پہلے ہی بہت مصروف ہوں، مزید مصروفیات کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

میونسپل کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے آپ نے جو خدمات انجام دیں ان کو ہر حلقہ میں سراہا گیا اور یہ انہی خدمات کا احترام تھا کہ آپ کو مدتِ رکنیت گزر جانے کے بعد دوبارہ ممبر نامزد کر دیا گیا اور ایسا کئی بار ہوا۔ آپ کی خدمات کے اعتراف میں جاری ہونے والے سرٹیفکیٹوں پر ایک نظر ڈالتے ہی احساس ہو جاتا ہے کہ آپ نے میونسپل کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے جتنا عرصہ کام کیا ہے، اس دور میں اتنا طویل عرصہ کسی اور کو شاذ ہی میسر آیا ہو۔

مولانا محبوب عالم کے میونسپل کمیٹی کی ممبر شپ کے دور کا جائزہ لینے کے لیے ہمیں چند سرٹیفکیٹ دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ سرٹیفکیٹ گورنر پنجاب، کمشنر راولپنڈی ڈویژن ڈپٹی کمشنر، سرجن پنجاب اور ڈائریکٹر تعلیمات کی طرف سے مختلف ادوار میں جاری ہوئے

Marfat.com

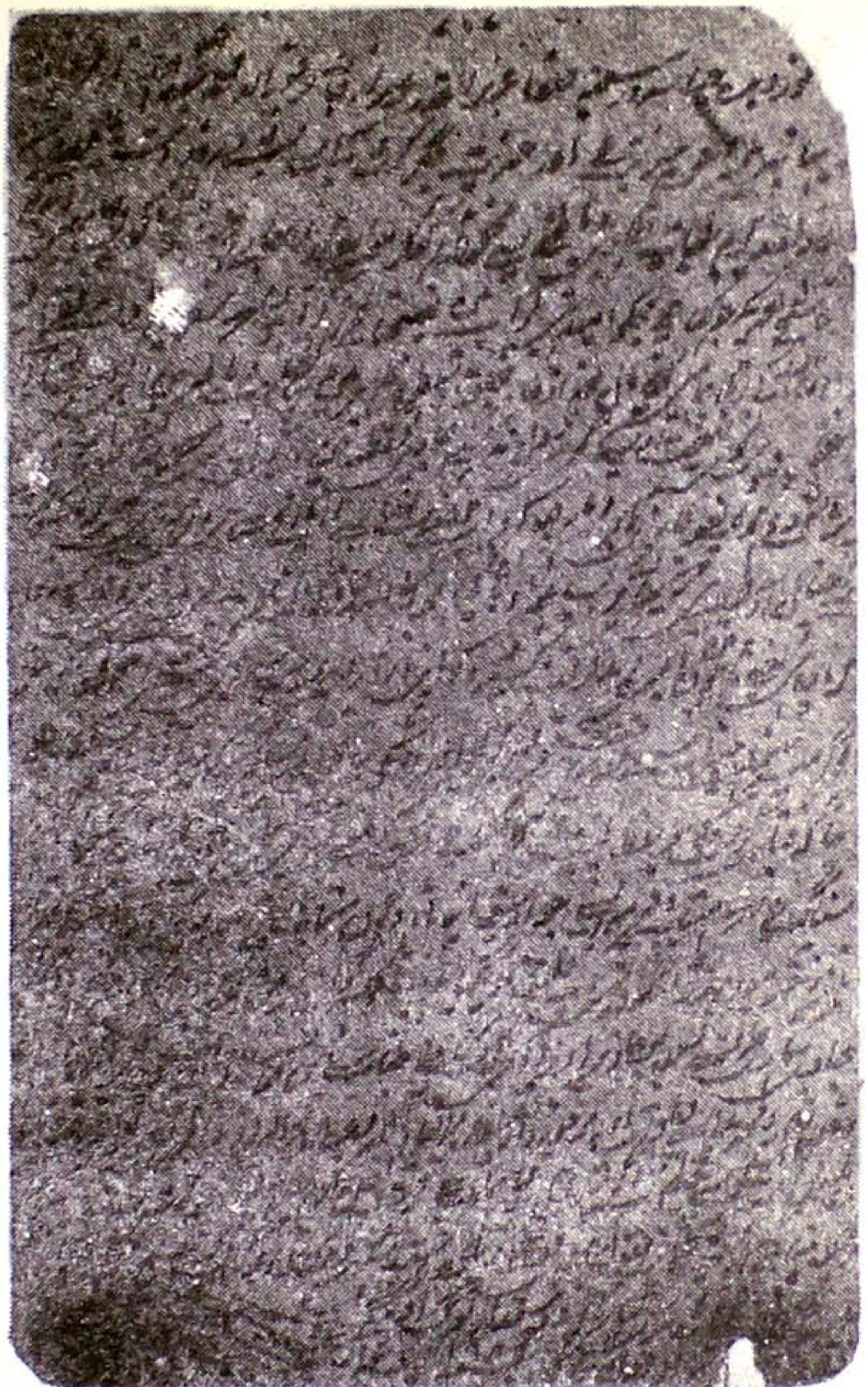

مولانا محمد عبد اللہ کے
نام مولانا محبوب عالم
کا ایک مکتوب گرامی

Marfat.com

ہیں۔ ان سرٹیفکیٹوں کی تفصیل یوں ہے :

سنین	تفصیل	منجانب
جنوری ۱۸۷۲ء	اطلاع خلاصہ رپورٹ بحیثیت ممبر کمیٹی	ڈائریکٹر تعلیمات پنجاب
اکتوبر ۱۸۷۴ء	تعریف ترقی تعلیم بحیثیت ممبر کمیٹی	ڈائریکٹر تعلیمات پنجاب
مارچ ۱۸۷۹ء	تعریف مساعی زنانہ مدارس بحیثیت ممبر کمیٹی	ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ
نومبر ۱۸۸۱ء	خوشنودی رپورٹ مردم شماری بحیثیت ممبر کمیٹی	لیفٹیننٹ گورنر پنجاب
مارچ ۱۸۸۲ء	تعریف بابت حفظانِ صحت بحیثیت ممبر کمیٹی	کمشنر سپرنٹنڈنٹ لاہور ڈویژن
جون ۱۸۸۲ء	تعریف بابت سدِّ بابِ امراض بحیثیت ممبر کمیٹی	کمشنر گوجرانوالہ
دسمبر ۱۸۸۲ء	تعریف اعلیٰ کردار و مقبولیت عامہ بحیثیت ممبر کمیٹی	کمشنر ضلع گوجرانوالہ
جنوری ۱۸۸۳ء	اطلاع برائے شرکت دربار قیصر ہند بحیثیت ممبر کمیٹی	ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ
مارچ ۱۸۸۳ء	تعریف اعلیٰ کردار و مقبولیت عامہ بحیثیت ممبر کمیٹی	کمشنر راولپنڈی ڈویژن
مارچ ۱۸۸۳ء	توصیف بسلسلہ امنِ عامہ و سماجی خدمات	ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ
جنوری ۱۸۸۴ء	اطلاع شرکت دربار قیصر ہند بحیثیت ممبر کمیٹی	ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ
مارچ ۱۸۸۴ء	تعریف بابت حفظانِ صحت بحیثیت ممبر کمیٹی	ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ
جون ۱۸۸۴ء	تعریف بابت حفظانِ صحت بحیثیت ممبر کمیٹی	کمشنر سپرنٹنڈنٹ لاہور ڈویژن
۱۸۸۵ء	تعریف بابت حفظانِ صحت بحیثیت ممبر کمیٹی	سینیٹری کمشنر پنجاب
ستمبر ۱۸۸۶ء	تعریف بابت حفظانِ صحت بحیثیت ممبر کمیٹی	سینیٹری کمشنر پنجاب / کمشنر راولپنڈی ڈویژن
دسمبر ۱۸۸۶ء	شکریہ امداد بابت حفظانِ صحت بحیثیت ممبر کمیٹی	ڈپٹی کمشنر، گوجرانوالہ
اکتوبر ۱۸۸۸ء	شکریہ بابت حفظانِ صحت بحیثیت ممبر کمیٹی	ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ
اکتوبر ۱۸۸۸ء	شکریہ بابت انسدادِ امراض بحیثیت ممبر کمیٹی	سینیٹری کمشنر پنجاب / کمشنر راولپنڈی ڈویژن
جنوری ۱۸۹۱ء	اطلاع دوبارہ نامزدگی بحیثیت ممبر کمیٹی	ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ

Marfat.com

اگست ۱۸۹۱ء	تعریف بابت حفظانِ صحت بحیثیت ممبر کمیٹی	لیفٹیننٹ گورنر پنجاب
مارچ ۱۸۹۲ء	اطلاع نامزدگی بحیثیت ممبر کمیٹی	کمشنر راولپنڈی ڈویژن
جنوری ۱۸۹۵ء	اطلاع نامزدگی بحیثیت ممبر کمیٹی	کمشنر راولپنڈی ڈویژن
جنوری ۱۸۹۶ء	اطلاع اجلاس بحیثیت ممبر کمیٹی	ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ
دسمبر ۱۸۹۶ء	اطلاع اجلاس بحیثیت ممبر کمیٹی	ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ
۱۸۹۷ء	دعوت نامہ برائے دعوتِ خاص بحیثیت ممبر کمیٹی	ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ

ان تحریری شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا محبوب عالم ایک طویل عرصہ تک میونسپل کمیٹی گوجرانوالہ کے معزز رکن کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ مولانا اپنے علاقہ کی ہر دلعزیز شخصیت تھے۔ علم وفضل میں اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ نے خدمتِ انسانیت اور شہریوں کی مشکلات کے خاتمہ کے لیے جو خدمات انجام دی، ان کا احترام ہر ایک کو ملحوظ تھا۔ یہ اسی احترام اور اعترافِ خدمت کا تقاضا تھا کہ مولانا کو بار بار نامزد کیا گیا۔ آپ کو بیک وقت عوام اور انتظامیہ کا اعتماد حاصل تھا۔ آپ کی فہم وبصیرت کی بدولت درپیش مشکلات کا حل جلد دریافت کر لیا جاتا تھا۔ عوام آپ کو بے پناہ قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ آپ کا حکم عوام کو ہمیشہ قابلِ قبول ہوتا تھا۔ آپ نے ممبرشپ محض خدمتِ انسانیت کے لیے قبول کی تھی۔ آئندہ ادوار میں یہ بات ثابت ہوگئی اور آپ نے گوجرانوالہ کے عوام بالخصوص مسلمانوں کے معاشرتی وتہذیبی مقام کی بحالی کے ہمیشہ تابندہ کردار کا مظاہرہ کیا۔

حکام بالا بھی آپ کی رائے کو نہایت اہمیت دیتے تھے۔ جب کوئی مذہبی مسئلہ درپیش آتا، یا شہر میں سیاسی الجھن واقع ہو جاتی تو متعلقہ حکام بشمول ڈپٹی کمشنر اور سیشن جج آپ سے رجوع کرتے۔ مسئلہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا اور آپ کی گرانقدر رائے کو بہر صورت فوقیت دی جاتی۔ اس طرح بعض لاینحل اور مشکل مقدمات کی تفتیش وتحقیق کے لیے بھی آپ کا سہارا لیا جاتا اور آپ کے دلائل کی روشنی میں فیصلہ کرنے کی کوشش کی جاتی۔

Marfat.com

ایک مرتبہ ایک چمار عورت نے اپنے آشنا کے کہنے پر اپنے شوہر کو زہر دے دیا۔ اس نے آٹے میں زہر ڈال کر روٹیاں پکائیں۔ خاوند نے روٹی کھائی، تو کام پر جانے کے لیے گھر سے باہر چلا گیا تھا کہ زہر نے اثر کیا اور وہ مر گیا۔ اس کی بیوی خاوند کی لاش پر رونے پیٹنے لگی کہ نجانے کسی دشمن نے میرے خاوند کو مار ڈالا ہے۔ مقدمہ پولیس میں چلا گیا۔ پولیس نے بڑی تفتیش کی اور اس عورت کو بھی شامل کر لیا، مگر وہ عورت کسی طرح اپنا جرم تسلیم ہی نہیں کرتی۔ پولیس نے شبہ میں اور کئی لوگوں کو بھی پکڑ رکھا تھا۔ آخر مقدمہ سیشن سپرد ہو گیا۔ سیشن جج نے مولانا سے استدعا کی کہ اپنے مذہبی و تہذیبی مقام اور فقہی و دینی بصیرت کی بنا پر عدالت کی مدد کریں۔ آپ نے سب کو خانقاہ میں بلا لیا۔ چمار اپنے سارے قبیلے سمیت حاضر ہوئے۔ آپ نے ان افراد کو جو شبہ میں گرفتار ہوئے تھے اور مقتول چمار کی بیوی کو علیحدہ بلا لیا۔ اور کہا کہ تم دنیا کی عدالت میں دھوکا دے سکتے ہو مگر خدا کی عدالت میں دھوکا نہیں چلتا۔ خدا کی بارگاہ میں سچائی اور اعترافِ جرم ہی بخشش کا وسیلہ بنتے ہیں۔ آپ کے الفاظ میں اس غضب کی تاثیر تھی کہ عورت چیخ پڑی اور اعترافِ جرم کرتے ہوئے بتایا کہ خاوند کو اس نے ہی قتل کیا ہے۔ اس نے بتایا کہ اس نے روٹی میں سنکھیا ملا کر وہ روٹی خاوند کو کھلائی تھی۔ مولانا نے پولیس والوں کو بلا کر تمام معاملہ کہہ سنایا اور کہا ہم نے دودھ کا دودھ، پانی کا پانی کر دیا ہے اب تم لوگ فیصلہ کر لو۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ تحقیق آپ نے کی ہے تو فیصلہ بھی آپ ہی کریں گے آپ نے فرمایا کہ اگر تم فیصلہ مجھ پر چھوڑتے ہو تو میں سب کو بری کرتا ہوں۔ آپ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ جو مر گیا اس کے لواحقین سے میں نے بات کر لی ہے، وہ معاف کر دینے کو تیار ہیں اور کسی کو معاف کر دینا خدا کے نزدیک نہایت پسندیدہ عمل ہے۔

عدالت نے آپ کا یہ فیصلہ قبول کر لیا اور اس عورت اور اس کے آشنا سمیت تمام مشتبہ افراد رہا کر دیے گئے۔ اس حسنِ سلوک اور عنایتِ عام پر چمار قبیلے کے جملہ افراد جن کی تعداد ستر سے زائد تھی، فوراً آپ کے دستِ حق پرست پر کلمہ طیبہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام

Marfat.com

ہو گئے۔ آپ نے اس موقع پر فرمایا کہ اگر میں انگریز کے قانون کے مطابق سزا کی سفارش کرتا تو پھانسی ایک عورت کو ہو جاتی۔ مگر میں نے اسلام کے فلسفۂ عفو و درگزر کی روشنی میں فیصلہ کیا ہے جس کا انعام مجھے اس قبیلے کے قبولیتِ اسلام کی صورت میں عطا ہوا ہے۔ چاروں کی یہ بستی مولانا محبوب عالم کی انتہائی گرویدہ تھی۔ مولانا نے اس بستی کے افراد کی اصلاح اور ان میں اسلامی تعلیمات راسخ کرنے کی جانب خصوصی توجہ دی۔ اس قبیلے کے لوگ ماضی کی روشنی میں جب مولانا علیہ الرحمۃ کے حسنِ سلوک اور صائب فیصلے کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی آنکھیں فرطِ احترام سے نم ہو جاتی ہیں۔

شعری ذوق

شاعری اظہارِ علم کا ایک ذریعہ ہوتی ہے اور عالم کبھی بھی شعری ذوق سے تہی دامن نہیں ہو سکتا۔ مولانا محبوب عالم نامور عالمِ دین ہونے کے سبب علومِ شرقیہ پر بھرپور عبور رکھتے تھے۔ عربی، فارسی، اردو اور پنجابی زبانوں پر یکساں عبور رکھنے کی بنا پر آپ کا شعری ذوق بھی قابلِ توصیف تھا۔ شعر شناسی کا ملکہ بہت زیادہ ودیعت تھا۔ ہم آپ کو باقاعدہ طور پر شاعر تو نہیں کہہ سکتے، البتہ آپکے جو دو تین شعری نمونے دستیاب ہوئے ہیں ان سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ شاعری کے تقاضوں سے نابلد نہیں تھے بلکہ انہیں بخوبی سمجھتے تھے۔ ہم نمونہ کے طور پر نامور عالمِ دین، مفتی، خطاط اور شاعر غلام قادر شائق کی شعری تصنیف شائق نامہ پر مولانا محبوب عالم کی دو تقاریظ پیش کر رہے ہیں۔ پہلی تقریظ اردو میں ہے اور دوسری فارسی میں۔ یہ دونوں قطعاتِ تاریخ بھی ہیں۔ پہلے اردو تقریظ ملاحظہ ہو۔

نظم تاریخِ تالیف این رسالہ، از: مولوی صاحب محبوب عالم

کتاب آبِ معلّا سے عقد گوہر ہے
شرارِ عشق سے سرشار ایک ساغر ہے

Marfat.com

حروف اوس کے ہیں صہبائے عشق سے سرمست
نقوط اوسکی بکاغذ سپندِ اخگر ہے
سواد اوسکی غزالوں کے چشم سے بس شوخ
بیاض اوسکی عجب جوں مہِ منوّر ہے
مصنف اوسکا جو مولی غلام قادر ہے
مجاز اوسکی حقیقت میں قند و شکّر ہے
سخن کے ذوق سے عالم جو ہو رہا مدہوش
عسل سے میٹھا وہ بولا لو ایک ساغر ہے ۱۲۹۲ھ

ایضاً نظم تاریخ (فارسی) از: مولوی صاحب موصوف:

چوں بجوش آمد بخامہ جنبشِ سودائے عشق
موج زد بیروں بساحل ورطۂ دریائے عشق
شد نمودار از دل پُر درد شائق ایں شرار
داد عالم شعلہ ہا تاریخ شورش ہائے عشق
۱۲۹۲ھ

غلام قادر شائق، رسول نگر ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ ۱۲۹۹ھ میں وفات پائی۔ آپ نے محمود نامہ کا جواب شائق نامہ لکھا جو حقیقت و معرفت کی خوشبو سے بسی ہوئی غزلیات کا مجموعہ ہے آپکے اسلاف کو مغلیہ دور میں علمی خدمات کے اعتراف میں کافی زمین عطا ہوئی تھی۔ مولانا غلام قادر شائق کو مغلیہ حکومت کی طرف سے قاضی اور مفتی کے اعزازات عطا ہوئے تھے۔ یہ اعزازات آپکے بزرگوں کے پاس بھی تھے۔ آپ قادر الکلام شاعر تھے، عربی، فارسی اور اردو میں یکساں مہارتِ فن سے شعر کہتے تھے۔ آپ کی خطاطی ایک مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپکی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے محمد دین گوجرانوالہ آ کر مقیم ہو گئے تھے۔

Marfat.com

وصال

ایک طویل عرصہ تک رشد وہدایت کا چراغ روشن رکھنے کے بعد بالآخر اس مردِ کامل کی زندگی کی آخری ساعتیں آپہنچیں۔ آپ نے بڑھاپے کے باوجود بھی زندگی کے ایام آخریں تک درس وتدریس اور تبلیغ ووعظ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اہلِ نظر کا بدستور تانتا بندھا رہتا تھا۔ آخری ایام میں بیماری کے باوجود آپ نے اپنے علمی و رُوحانی معمولات میں فرق رُونما نہ ہونے دیا۔ بالآخر ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۰۳ء مطابق ۲۰ مگھر ۱۹۶۰ بکرمی کو جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات کو ساڑھے گیارہ بجے کے قریب آپ نے پیغامِ اجل پر لبیک کہتے ہُوئے اپنی جان جاں آفرین کے سپرد کر دی۔ وفات کے وقت آپ کے لبوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔ ؎

ہچکیاں دو آئیں گویا یار کا پیغام تھا
شاہدِ پیکِ اجل کے ہاتھ مے کا جام تھا

آپ کی نمازِ جنازہ میں شہر اور علاقہ کے ہر مکتبِ فکر اور شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے افراد نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور آپ کو آپ کے تلامذہ اور ارادتمندوں کی آہوں اور سسکیوں کے درمیان خانقاہ شریف میں ہی کہ جہاں آپ نے زندگی بھر قرآن و حدیث کی روشنی لٹائی تھی سپردِ خاک کر دیا گیا۔ تذکرہ نگاروں کے بقول آپ کی وفات سے علم و حکمت کا گلشن ویران ہو گیا اور پھر بیرون کھیالی دروازہ کے اس دبستانِ تعلیم وتدریس پر آپ کے دَور جیسی بہار نہ آسکی۔

اہلیہ محترمہ

مولانا محبوب عالم کی شادی موضع ماڑی کلاں (کھنگوریاں) ضلع شیخوپورہ کے برگزیدہ قریشی ہاشمی النسب خاندان میں ہوئی تھی۔ آپ کے سُسر حضرت حکیم مراد بخش مرحوم نامور

Marfat.com

طبیب اور عالم تھے۔ ان کی دو صاجزادیاں اور دو صاجزادے تھے۔ صاجزادوں کے اسمائے گرامی حکیم غلام حسین اور غلام محمد تھے جبکہ صاجزادیوں کے نام رمضان بی بی اور گلاب بی بی تھے۔ گلاب بی بی کی شادی کامونکے کے نجم الدین سے ہوئی تھی جب کہ رمضان بی بی کی شادی مولانا محبوب عالم سے ہُوئی۔ اس شادی کی بدولت ہی دو نجیب الطرفین قریشی خاندانوں کا باہم اتّصال ہُوا۔

جس طرح مولانا محبوب عالم کا خاندان علم وفضل اور رُوحانی فضیلت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، اسی طرح حکیم مراد بخش کا خاندان بھی رُوحانی اور دینی طور پر نہایت بلند مرتبے کا حامل تھا۔ مولانا محبوب عالم کے عقد میں جو خاتون محترمہ رمضان بی بی آئیں اُنھوں نے اپنے والد سے علومِ دین کی تحصیل کر رکھی تھی۔ مولانا محبوب عالم سے شادی ان کے لیے مسعود اور بابرکت ثابت ہوئی اور اُنھوں نے بہت جلد اپنی دینی صلاحیتوں کا اعتراف کروا لیا۔ عزت واحترام اور غیر معمولی توقیر کی بدولت عوام النّاس میں آپ مائی صاحبہ کے نام سے مشہور تھیں۔ آپ نے بالخصوص خواتین میں علمی ودینی اقدار کے فروغ کے لیے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ مولانا محبوب عالم کی شادی اور مائی صاحبہ کے مقام ومرتبہ کے حوالے سے مشہور تصنیف" تاریخ جلیلہ[1] مصنفہ مولانا غلام دستگیر نامی کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے :

" حضرت مولانا محبوب عالم کی شادی بمقام ماڑی کلاں تحصیل شاہدرہ کے حضرت مولانا حکیم مراد بخش صاحب قدس سرہ قریشی الہاشمی کی پوتی سے ہوئی۔ یہ بی بی بعد ولی اللہ مشہور ہوگئیں اور گوجرانوالہ کھیالی اور دیگر مقامات کی بے شمار مستورات نے آپ سے فیضِ رُوحانی حاصل کیا۔ آپ سے کوئی اولاد نہیں اور جناب مولوی صاحب نے اور شادی بھی نہیں کی۔ حضرت مراد شاہ عبدالقادر ولی کی اولاد سے ہیں جو افغانستان سے

---

[1] تاریخ جلیلہ از مولانا غلام دستگیر نامی۔ اشاعت اوّل ۱۹۳۷ء، صفحہ ۱۷۳

آئے تھے۔ اور جو نہایت صاحب کرامات بزرگ ہوئے ہیں۔ ان کا مزار شریف بمقام ماڑی کلاں ہے اور ان کے مزار با برکات پر معتکف ہونے کے لیے اب تک لوگ ایران اور افغانستان تک سے آتے رہتے ہیں۔ اب اس درگاہ کے سجادہ نشین صوفی محمد عبداللہ[1] ہیں جو نہایت پاکباز بزرگ ہیں اور حضرت مولانا مراد بخش کے پڑپوتے ہیں۔ حضرت مولانا حکیم مراد بخش صاحب کی اولاد سے آج کل نہایت کامل الطب طبیب حکیم غلام نبی صاحب[2] بعمر ۸۰ سال۔ خاکسار پابند[3] مالک اخبار "تعلیم" لاہور اور محمد مختار قریشی بی۔ اے اسسٹنٹ ایڈیٹر اخبار تعلیم لاہور موجود ہیں۔" (اوّلین ایڈیشن ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۷۳)

---

[1] صوفی محمد عبداللہ طبیب کامل، عالمِ دین اور صاحب فضیلت شخصیت تھے، نہایت برگزیدہ اور متقی انسان تھے۔ ماڑی کلاں اور گرد و نواح کے دیہات کے عوام مدتوں آپ کے رُوحانی فیوض سے فیضیاب ہوتے رہے۔ درگاہ حضرت شاہ مراد کے سجادہ نشین کی حیثیت سے آپ نے اس علاقہ میں اصلاحِ احوال اور مسلمانوں میں پھیلی ہوئی رسوم بد کے استحصال کے لیے جو کردار ادا کیا تھا اس کی یاد نہایت ایمان آفرین ہے۔ آپ نے اپنے ارادتمندوں کو تعلیماتِ اسلامی پر یوں کاربند کیا کہ ان کی زندگیاں احکاماتِ قرآنی کا عملی نمونہ بن گئیں۔ آپ کے دورِ حیات میں ماڑی کلاں کا گاؤں علم و حکمت کا گہوارہ تھا اور قریشی الہاشمی برادری کے درجنوں گھرانے اپنے عظیم اسلاف کی تہذیبی و ایمانی روایات کو سربلند رکھنے میں مصروف تھے۔ آپ کی وفات کے بعد یہ قریشی النسب گھرانے ملازمتوں اور تلاشِ معاش میں یہاں سے نکلے اور وطنِ عزیز کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے۔ مَیں جب مولانا محبوب عالم کے حوالے سے تاریخی دستاویزات کی تلاش میں اس گاؤں گیا تو یہ دیکھ کر دل بھر آیا کہ وہ گاؤں کہ جو کبھی علمی و مذہبی رفعتوں کا علمبردار تھا، اب ان اصحابِ علم و فضل سے محروم ہو کر عبرت گاہ بن چکا ہے۔ علمی روایات کی تاریخ قصۂ پارینہ بن چکی ہے۔ زمیں بوس مکانات کی مٹی عظمتِ رفتہ کا فسانہ سنا رہی تھی۔ حضرت مراد شاہ علیہ الرحمۃ کا مزار پاک اب

Marfat.com

آپ نہایت صابر و شاکر خاتون تھیں ۔ ایک تو آپ ایک بڑے علمی و روحانی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور شادی ہوئی تو ایسے نامور فقیہہ اور عالمِ دین سے کہ جو پنجاب بھر میں ممتاز حیثیت کا حامل تھا ۔ شادی کے بعد آپ نے اُمورِ خانہ داری کی ذمہ داریوں کو اس احسن طریق سے نبھایا کہ حضرت مولانا محبوب عالم نہایت فراغت سے خانقاہ پر توجہ دینے لگے ۔ خانقاہ میں طالبانِ علم بھی ہوتے تھے اور مشتاقانِ منزلِ روحانیت بھی ۔ ان کے علاوہ راہگیر اور مسافر بھی ادھر سے گزرتے ہوئے بھوک اور پیاس محسوس کرتے تو یہیں رُک جاتے اس طرح خانقاہ میں ہر وقت ہجوم رہتا اور ان کو کھانا کھلانے کے لیے وسیع دسترخوان کی ضرورت پڑتی ۔ خورد و نوش کا تمام سامان مولانا محبوب عالم کے مکان واقع موضع کھیالی سے آتا اور آپ کی زوجہ محترمہ ہی کھانا پکانے کا اہتمام کرتیں ۔ خدام جاتے اور مکان سے کھانا لے آتے جو درویشوں ، طالب علموں اور مسافروں کو کھلا دیا جاتا ۔ مائی صاحبہ اس طرح سارا

(حاشیہ گزشتہ صفحہ) بھی زیارت گاہِ خلائق ہے ۔ درگاہ پاک کے آخری سجادہ نشین حضرت صوفی محمد عبداللہ نے قریباً ۷۰ سال گزار کر ۱۹۵۲ء میں وصال فرمایا اور درگاہ حضرت مراد شاہ کے قریب ہی مدفون ہوئے ۔ آپ کی یادگار آپ کی صاحبزادی محترمہ حسن بیگم (مصنف کتاب ہذا کی والدہ) بمقام کوٹلی نواب ضلع گوجرانوالہ اور دو پوتے محمد یوسف قریشی (راولپنڈی) اور محمد افضل قریشی الہاشمی (چنڈالی ضلع گوجرانوالہ) ہیں ۔

۲ حضرت حکیم غلام نبی بلند پایہ معالج ، طبیب اور شاعر تھے ۔ آپ کے متعدد شعری مجموعے (غیر مطبوعہ) آپ کی یادگار ہیں ۔ ان میں سے بیشتر مجموعے علوم طب کی مشہور زمانہ کُتب کے منظوم ترجمے اور مختلف موضوعات پر شعری کاوشوں پر مشتمل ہیں ۔ آپ کا سالِ وفات ۱۹۴۰ء ہے ۔

۳ منشی طالب علی پابند مشہور تعلیمی و ادبی ہفت روزہ اخبار "التعلیم" کے ایڈیٹر ۱۹۴۶ء میں نمازِ عید کی ادائیگی کے بعد بادشاہی مسجد لاہور سے باہر نکلتے ہوئے عوام کے بے پناہ ہجوم میں توازن کھو بیٹھے اور کچلے گئے ۔

Marfat.com

سارا دن مصروف رہتیں۔ نماز اور عبادات کے علاوہ آرام کا کوئی وقفہ میسر نہ آتا مگر ان گراں ذمہ داریوں کی انجام دہی کے سلسلہ میں آپ کے لبوں پر کبھی شکوہ نہ آیا بلکہ اس پر ناز کیا کرتیں کہ خُدا نے انہیں اس سعادت کے لیے منتخب کیا ہے۔

مائی صاحبہ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں اپنی مثال آپ تھیں۔ اگرچہ آپ اولاد کی نعمت سے محروم تھیں۔ آپ نے کبھی اس محرومی پر رنج والم کا اظہار نہ کیا بلکہ اسے منجانب اللہ سمجھتے ہُوئے خدا کی رضا جوئی کو شعارِ زندگی بنائے رکھّا۔ آپ نے علاقہ بھر کی خواتین کی اصلاح و تربیت کے لیے کوششیں شروع کردیں۔ خواتین کی رُوحانی مجالس کا انعقاد کیا جاتا جن میں آپ خواتین کو رسوم بد سے بچنے، غلط عقائد سے کنارہ کش ہونے اور خدا کی عبادت میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی تلقین کیا کرتی تھیں۔ آپ کا حلقہء اثر بڑھتا گیا۔ آپ ناخواندہ بچیوں کو پڑھاتیں، قرآنِ پاک، احادیثِ نبوی اور سیرتِ بزرگان کا درس دیتیں۔ موضع کھیالی کے علاوہ دُوسرے دیہات سے بھی خواتین آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضری دے کر دینی و دُنیاوی سعادتوں سے بہرہ ور ہوتیں۔

برادری کے حلقوں میں آپ کو خصوصی عزّت و توقیر اور احترام کا مستحق سمجھا جاتا۔ درپیش خاندانی مسائل کے حل کے لیے برادری والے آپ سے رجوع کرتے اور آپ اپنی صائب الرّائے کی روشنی میں ان کی عُقدہ کشائی کرتیں۔ آپ حضرت مولانا محبوب عالمؒ کی وفات کے بعد بھی کئی سال زندہ رہیں۔ اگرچہ عظیم المرتبت خاوند کی وفات ایک قیامت سے کم نہ تھی، مگر آپ نے جرأت و پامردی سے اس صدمہ کو برداشت کیا اور اپنے رُوحانی معمولات کے علاوہ خانقاہ کے لوازم کی فراہمی کے سلسلہ میں کوئی خلل رُونما نہ ہونے دیا۔

مولانا محبوب عالم کی وفات کے بعد آپ کی عزّت و توقیر اور ذمہ داریوں میں کہیں زیادہ اضافہ ہوگیا۔ اب برادری کے تمام گھرانے اور مریدین و متعلقین آپ کو اپنی عقیدت و ارادت کا پہلے سے کہیں زیادہ مستحق سمجھتے تھے۔ آپ نے مولانا محبوب عالم علیہ الرحمۃ کی

Marfat.com

وفات کے بعد آپ کے پوتے اور جانشین حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی سرپرستی فرمائی۔ اس ضمن میں کئی مسائل بھی پیدا ہوئے مگر آپ نے پامردی و استقلال سے رکاوٹوں کا مقابلہ کیا اور خانقاہ کے نظام میں کوئی کمی یا نقص واقع نہ ہونے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا غلام جیلانی بھی آپ کا انتہائی احترام کرتے تھے اور خانقاہ کے ... خاندان سے متعلقہ کوئی بھی مسئلہ آپ کی رضامندی اور مرضی کے مطابق طے کرتے۔ آپ کی رائے کو انتہائی مقدّم جانتے اور آپ کی خوشنودی کو دل وجان سے عزیز رکھتے۔ مائی صاحبہ مولانا غلام جیلانی پر زندگی بھر شفقت فرماتی رہیں۔

مائی صاحبہ نہایت متقی اور پرہیزگار ولی اللہ تھیں۔ انتہائی مصروفیات کے عالم میں بھی خدا کی یاد اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکارِ حسین سے غافل نہ ہوتیں۔ قصیدۂ بردہ شریف کثرت سے پڑھا کرتیں۔ مولانا غلام جیلانی بیان فرماتے تھے کہ آپ رات گئے تک عبادت میں مصروف رہتیں، ذرا دیر کے لیے سوتیں اور پھر تہجد سے کچھ پہلے بیدار ہو جاتیں۔ وضو کر کے تہجد کی نماز ادا کرتیں اور پھر ذکرِ خداوندی میں مشغول ہو جاتیں۔ فجر کی نماز ادا کر چکتیں تو دودھ بلوہنے کا اہتمام کرتیں۔ مدھانی چلاتیں اور قصیدہ بردہ شریف اور پھر قصیدہ کی منظوم اردو اور پنجابی شرح اپنی زبان سے ادا فرماتیں۔ مدھانی کی حرکت کے ساتھ آپ کی آواز کا زیر و بم ہم آہنگ ہو جاتا اور نہایت سوز و حسن اور خوش الحانی کے ساتھ قصیدہ کے اشعار اپنے رُوحانی ذوق کی جلا کے لیے زبان سے ادا فرماتیں۔

مندرجہ ذیل اردو اور پنجابی اشعار پر آپ رُک جاتیں اور انہیں نہایت سوز و گداز کے ساتھ بار بار ادا فرماتیں ؎

کاظمی کے رُخ سے یا آئی کہیں بادِ صبا
یا اندھیری رات میں بجلی نے دکھلایا کرم
کیا ہُوا آنکھوں کو تیری اشک کیوں تھمتے نہیں
کیا ہوا دل کو کہ چین اسکو نہیں ہے ایک دم

Marfat.com

جاں چیت آون میرے تائیں ساتھی ذی سلم دے
مار ڈھائیں ہن ہنجو رودن مارن درد الم دے
اکھیں نوں میں منع کریواں نہ رودو ڈھائیں ڈھائیں
دل نوں صبر قرار دیواں پر دونویں مجھن نائیں

قصیدہ بردہ شریف کی شرح پڑھتے پڑھتے آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں، ہچکیاں بندھ جاتیں۔ سچ ہے کہ یہی تو عشق روحانی کی لذت ہوتی ہے یہی تو بارگاہِ خداوندی میں قبولیت کے لمحات ہوتے ہیں اور یہی وہ مقام ہے جس کے لیے اصحابِ عشق و سرمستی ہر آن متمنی رہتے ہیں اور بلاشبہ ثانی صاحب اس مقام بلند پر فائز تھے۔

خراجِ عقیدت

مولانا محبوب عالم کی شخصیت جامع الکمالات تھی۔ آپ تمام حلقوں میں عزت و توقیر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے، مسلمانوں کے علاوہ ہندو سکھ اور دوسرے مذاہب کے پیروکار بھی آپ کی تعظیم کرتے تھے اور بعض اوقات آپ سے اپنے معاملات طے کرواتے تھے۔ یہاں ہم دو شعراء کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کا لکھا ہوا منظوم خراجِ عقیدت ہمیں دستیاب ہوا ہے۔ ایک غلام قادر زیرک ہیں اور دوسرے سید غلام بھیک مسافر۔

سید غلام بھیک مسافر درویش منش اور صاحبِ علم و فضیلت انسان تھے۔ ملتان کے رہنے والے تھے۔ مولانا محبوب عالم سے غایت درجہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ اور جب بھی موقع ملتا آپ کی خدمت میں حاضری کے لیے گوجرانوالہ چلے آتے تھے مولانا محبوب عالم بھی آپ سے شفقت و عنایت سے پیش آتے اور آپ کو اپنے الطافِ کریمانہ سے نوازتے۔ آہستہ آہستہ مولانا سے اس قدر متاثر ہوئے کہ مرید ہو گئے۔ حضرت مولانا محبوب عالم کے نام ایک عریضہ میں اپنے یہ اشعار ارسال کیے۔ خط کے آغاز میں

Marfat.com

لکھا ہے: "قدوۃ الواصلین حق حضرت محبوب عالم صاحب" جب کہ نظم کا عنوان ہے: "عرض حاجت پیش حضرت مولانا محبوب عالی صاحب"۔ سید غلام بھیک مسافر حضرت مولانا کے حضور ارمغان عقیدت یوں پیش کرتے ہیں:

اسم تو محبوب عالم مظہر نور خدا قاضیٔ شرع محمدؐ ہادیٔ راہِ صفا
کاشفِ رمز خفی و واقفِ اسرارِ حق سرورِ ملکِ غنا، مسند نشینِ مجتبیٰ
چون شنیدم نام تو از جان دل شیدا شوم شوق بے پایان ما بگذاشت حد انتہا
آمدم بیت سنا با عجز و کردہ ام سر را قدم بعد تسلیم و ادب دارد سوالے ایں گدا
در زمین پست از چرخ بلند افتادہ ام باز آں رتبہ رفاعتے کہ شود حاصل سدا
چوں توئی مقبول درگاہ خدائے ذوالمنن کن دعا بہر خدا پیش خدا و مصطفےٰ
تا مسافر را شود از گردش گردوں نجات
عزت و توقیر یابد از دعائے اولیا

غلام قادر زیرک

غلام قادر زیرک، مولانا محبوب عالم کے انتہائی عقیدت مند تھے۔ عربی، فارسی اور اردو زبان کے ماہر تھے۔ اُنھوں نے مولانا محبوب عالم کے حکم کی تعمیل میں حکیم زلالی خاں ساری کی مثنوی محمود نامہ تحریر کی جو کہ خطاطی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس مثنوی میں غلام قادر زیرک نے اپنے ممدوح مولانا محبوب عالم کی شان میں کچھ مدحیہ اشعار بھی شامل کر دیئے ہیں۔ اس مثنوی کا متعلقہ حصہ پیشِ خدمت ہے:

بحمد اللہ دمیدہ صبح اُمید منور گشت مہر فضل جاوید
چہ آنی شد رقم ایں نامۂ عشق تو نو شد گرم ایں ہنگامۂ عشق
ز شیرینی ایں شعر مذاہب بسان بوسہ می چسپد بہم لب
ز خواندن ذوق می گردد زیادہ برنگ بوسہ یارے لب کشادہ

Marfat.com

زبس یاقوتِ الفاظش درخشاں — شدہ ہر بیت دکانِ بدخشاں
از و ہر سطر خوشش بانکتہ ساز است — دلِ محمود با زلفِ ایاز است
ز جوشِ لونِ گلہائے مضامین — شدہ ہر صفحہ اش گلزارِ رنگیں
مضامینش چوں روئے یار مرغوب — ہمہ خوب و ہمہ خوب و ہمہ خوب
ز وصفِ ایں جریدہ فیضِ مانوس — زبانِ خامہ حمد گشت در بوس
زِ مدحِ ایں عروسِ فضل ہمدوش — زبانم حجلہ گشتہ نازِ پُر جوش
بنام ایزد عروسِ فکر افروز — سراپا جلوۂ حُسنِ گلو سوز
تعالی اللہ زہے فکرت سرشتہ — سراسر معنیٔ حُسنِ برشتہ
خہے ایں نو نہالِ فیضِ تمثال — کہ از خط و نقط دارد خد و خال
ز کلکِ سحر پردازے زلالی — ہمہ سحر حلالش چوں لعالی
زہے سحر حلال و واہ چہ اعجاز — زلالی بودہ باد و نکتہ پرداز
بخاک از قطرۂ کلکش چکیدے — گلے مضمونِ خود رو بر دمیدے
بجانم بادۂ فیاض جاوید — مدامش باد تر لب ہائے اُمّید
چہ شُد حاصل بجگرِ فکرِ تقدیر — ز یاقوتے رقم ہا زیبِ تحریر
خرد از نقلِ سالش کرد املا — چنیں زُہ زُہ عروسِ فضلِ زیبا
دگر سالِ ہاتف از سالِ رقم اُو — بگفتا ایں گلستاں بے خزاں بُو

۱۲۹۲ھ

الٰہی عُمر زیرک کردہ برباد — ہمیشہ فیضیاب از فیضِ اُو باد
الٰہی غنچہ خاطر بکشا — رخِ بادِ شمالِ عشق بنما
الٰہی ایں چہ طرز نونیاز زیست — ستائش لالہ ام بر داغِ باز زیست
الٰہی دل بہ دہ عشقت سرشتہ — سراپا معنیٔ حُسنِ برشتہ

Marfat.com

دل از آرام و از لذت شدہ دُور ‏ ‏ ‏ سراپا جسمِ اُو ناسور ناسور

دلے چُوں غنچہ افسردہ آنی ‏ ‏ ‏ حریفِ بُلبُلِ بے دل بمعانی

دلے در آتشِ عشقت چُوں لالہ ‏ ‏ ‏ زداغِ دردِ غم خُونیں پیالہ

دلے از یادِ ہجرت سُرخ چُوں گل ‏ ‏ ‏ دلے باشد بباطن دوست بُلبُل

دلے ہمچو جرس باشد صد آواز ‏ ‏ ‏ زِ قیل و قالِ عشقت نکتہ پرداز

فنا در ذاتِ خود کُن چُوں حبابے ‏ ‏ ‏ کہ باشم جلوہ گر بر روے آبے

○

زہے آں قبلۂ دیں کعبۂ جاں ‏ ‏ ‏ مرادِ راحم و مقصودِ ایماں

سپہرے فضل و مہرے فیض جاوید ‏ ‏ ‏ چراغِ خانۂ اینست و اُمید

دُرے تابندۂ از کانِ لاہوت ‏ ‏ ‏ ملک عالی جنابِ ملکِ ملکوت

مہے فیاضِ دریائے مروّت ‏ ‏ ‏ عزیزِ مصرِ علم و درجِ عزت

حبیبِ کو شود مرغوبِ دلہا ‏ ‏ ‏ حبیبِ کاں مفرّح رُوحِ دلہا

جنابِ اسمِ اُو محبوبِ عالم ‏ ‏ ‏ وزیرِ بادشاہِ غوثِ اعظم

سپہرے معنی و ماہِ زمانہ ‏ ‏ ‏ سخن فہماں سخن را خوب داناں

نظر بگزار می دانم کہ آنم ‏ ‏ ‏ نظر تُو چوں شفا زخمِ نہانم

بیا از برگ دعا تو جان و دل گو ‏ ‏ ‏ سخن از نکتہ عاقل بشنو

الٰہی تا بود مہرِ جہاں تاب ‏ ‏ ‏ زحُسنِ شاہدِ مُرسل ضیایاب

ہمیشہ درس عالم از جنابم

بود از فیضِ اُو خوش فیض یابم

صوفی محمد شریف غیرت قادری

آپ کا نام محمد شریف تھا اور غیرت تخلص کرتے تھے۔ آپ ممتاز روحانی شخصیت

Marfat.com

حضرت میاں محمد کریم اللہ عباسی قادری کے صاحبزادے تھے۔ قدرت نے غیر معمولی صفات سے نواز رکھا تھا۔ اعلیٰ دُنیاوی تعلیم سے بہرہ وَر ہونے کے علاوہ فاضل درسِ نظامی فاضل علومِ شرقیہ اور ماہرِ طب بھی تھے۔ شاعری میں خداداد مہارت حاصل تھی۔ غزل اور نعت خوب کہتے تھے۔ آپ کی یادگار شاہنشاہ نامہ ہے جو کئی ہزار اشعار پر مشتمل حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوم سوانح حیات ہے۔ آپ کو حضرت مولانا مولوی محبوب عالمؒ سے جو محبت و عقیدت تھی اس کا اندازہ آپ کی اس منقبت سے بخوبی ہو جاتا ہے :

مظہرِ نورِ خدا محبوب عالم قادری　　منبعِ جود و سخا محبوب عالم قادری
مصدرِ علم و حیا و معدنِ علم و عمل　　پیشوائے صوفیا محبوب عالم قادری
رازدارِ کُن فکاں سرمایہ دارِ دینِ حق　　غائصِ بحرِ رضا محبوب عالم قادری
عاشقِ شاہِ مدینہ طالبِ غوثِ وریٰ　　نورِ چشمِ اولیا محبوب عالم قادری
تکیہ گاہِ بیکساں مولائے مسکین و فقیر　　خوش سیر نیکو ادا محبوب عالم قادری
حق پناہ و کوہِ صولت عالمِ شرعِ مبین　　صاحبِ فقر و غنا محبوب عالم قادری
دُرِّ دریائے حقیقت اہلِ دل اہلِ کمال　　مشعلِ راہِ ہدیٰ محبوب عالم قادری
متقی و زاہد و متورع و عبدِ جلیل　　پیشرو ہم مقتدا محبوب عالم قادری
شاہبازِ عرصۂ امکاں نجیب باوقار　　مخزنِ لطف و عطا محبوب عالم قادری
بلبلِ بستانِ وحدت شمعِ بزمِ معرفت　　واقفِ سرِّ ہدیٰ محبوب عالم قادری

مدح سے محبوب کی قاصر ہے غیرت کا کلام
رحمۃ اللہ علیٰ محبوب عالم قادری

کشف و کرامات

ایک درویشِ خدامست اور صاحبِ حال ولی اللہ کی سب سے بڑی کرامت یہی

Marfat.com

ہوتی ہے کہ اس کا اسوہ مکمل طور پر شریعت کا نمونہ، احکاماتِ قرآنی کا گنجینہ اور سیرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آئینہ ہو۔ جب طالبانِ شوق اسے دیکھیں تو انہیں بے اختیار خُدا یاد آنے لگے اور سیرت و کردارِ مصطفوی کے جلوے ان کی نگاہوں میں سمانے لگیں۔ حضرت مولانا صوفی محبوب عالم شریعتِ اسلامی کے اصولوں پر نہ صرف خود سختی سے کاربند تھے بلکہ اپنے ارادتمندوں کو بھی صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ آپ سُنّتِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دل و جان سے عزیز رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جنہیں آپ کی صحبت نصیب ہو جاتی، وہ باخدا ہو جاتے۔

آپ کے حلقہ درس میں وہ تاثیر تھی کہ جو ایک بار آپ کی محفل میں آتا ہمیشہ حاضری کی آرزو کیا کرتا تھا۔ آپ کی نگاہ اس قدر پُر اثر تھی کہ جس پر پڑ جاتی اُسے قسمت کا دھنی بنا دیتی۔ عام طور پر درویش کی کرامت کسی طلبگار کے لیے مخصوص ہوتی ہے لیکن جب درویش خدامتِ خلقِ خدا کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتا ہے تو اس سے ایک زمانے کا مقدر سنور جاتا ہے۔ اس لحاظ سے مخلوقِ خداوندی کی اصلاح، تبلیغِ اسلام اور اشاعتِ دینِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن میں کامیابی وہ کرامت ہے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی اور تاریخِ تصوف اس حقیقت کی شاہد ہے کہ صوفیائے کرام کی یہی کرامت تھی جس نے دُنیا بھر میں اسلام کے انوار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پھیلا دیا۔

کرامت ولایت کی سند نہیں ہوتی بلکہ جب کوئی صاحبِ نظر اللہ کی رضا اور خدمتِ خلق میں فنا ہو جاتا ہے تو اس کی تدبیر، تقدیرِ خداوندی کی آئینہ دار بن جاتی ہے اور وہ جو کہتا ہے ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا محبوب عالم رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے ہی مقبولِ بارگاہ تھے۔ آپ کے مریدین اور ارادت مندوں کی روایت کردہ کئی کرامات سینہ بسینہ منتقل ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہیں۔

ایک بار حضرت مولانا محبوب عالم اپنے احباب اور مریدین کے ہمراہ دربار نولکھہ مزار

تشریف لے گئے۔ آپ مزارِ مبارک کے پاس پہنچے تو وہاں ایک گھنٹہ تک مراقبہ فرمایا۔
جب مراقبہ ختم ہوا اور باہر تشریف لائے تو احباب سے فرمایا کہ مجھے کچھ دیر اس لیے ہوگئی تھی کہ حضرت نولکھ ہزاریؒ صاحبِ مزار نے شرفِ ملاقات عطا کر دیا تھا اور حضرت نولکھ ہزاری ابھی ابھی مدینہ شریف کی حاضری سے واپس آئے ہیں۔ اس پر آپ کے ارادتمندوں نے عرض کیا کہ "یا حضرت آپ نے تو اکیلے اکیلے ہی زیارت فرمائی، ہم بھی آپ کے ہمراہ ہیں ہم پر بھی کرم فرمایا ہوتا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ حضرت نولکھ ہزاریؒ کا دریائے کرم زوروں پر ہے لو تم سب آپ کی زیارت کا شرف حاصل کر لو۔ چنانچہ اس حسین ساعت میں جملہ ارادتمندوں نے صاحبِ مزار کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔
اس کے راوی بابا بدر دین چک ۸۲ ضلع شیخوپورہ تھے جو آپ کے مرید صادق اور عاشق زار تھے۔

آپ کے شاگردوں میں جنّات بھی شامل تھے۔ اس نوعیت کی متعدد روایات ملتی ہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ گارا بنانے کے لیے توڑی (بھوسہ) کی ضرورت ہے اس لیے جہاں سے ملے لے آؤ۔ تمام شاگرد چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد تھوڑا تھوڑا بھوسہ لے آئے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک طالب علم نے بھوسہ والی "بھر" اٹھا رکھی ہے۔ اٹھانے والا تو نظر نہیں آتا تھا مگر "بھر" کھلے میدانوں سے گزرتی ہوئی چلی آ رہی ہے۔ جب مولانا محبوب عالم نے یہ دیکھا تو اس جنّ شاگرد سے فرمایا کہ تم نے خود کو ظاہر کر کے اچھا نہیں کیا۔ اس طرح خلقِ خدا میں تشہیر ہوتی ہے اور اہلِ فقر کو تشہیر سے گریزاں رہنا چاہیے۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک ہندو سیٹھ کی بیٹی پر جنّ کا سایہ ہوگیا۔ اس ہندو نے اپنی بیٹی کی صحت کے لیے اپنے پنڈتوں اور جوگیوں کے علاوہ مسلمان علماء و فقراء سے بھی رجوع کیا۔ اس ہندو لڑکی پر جب جنّ کا سایہ ہوتا تو طویل دورے پڑنے لگتے۔

Marfat.com

ہاتھ پاؤں شدّتِ کرب سے اینٹھنے لگتے۔ کسی نے مولانا محبوب عالم کے بارے میں بتایا تو دونوں باپ بیٹی حاضرِ خدمت ہوئے۔ مولانا محبوب عالم نے فرمایا کہ مَیں دوسرے عاملوں کی طرح طویل عمل سے تو نہیں گزاروں گا۔ مَیں ایک سیدھا سادا مسلمان ہُوں۔ ایک رقعہ لکھے دیتا ہوں۔ فلاں جگہ فلاں وقت شام کے بعد اپنی بیٹی کو غُسل کروا کر اس مقام پر واقع درخت کے اُوپر چڑھا دینا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں جنّات کا شہر آباد ہو جائیگا۔ جب لڑکی دیکھے کہ شہر سج گیا ہے تو میرا رُقعہ درخت سے نیچے پھینک دے۔

اس ہندو سیٹھ نے ایسا ہی کیا۔ اس نے مولانا محبوب عالم کا رُقعہ لیا جس پر آیاتِ قرآنی اور دوسرے وظائف درج تھے۔ اس رُقعہ میں جنّوں کے بادشاہ کو متنبہ کیا گیا تھا کہ وُہ اپنی رعایا کو خلقِ خدا کو تنگ کرنے سے باز رکھے۔ جب شام ہوگئی تو ہندو سیٹھ اپنی بیٹی کو مقررہ ویران مقام پر لے آیا اور اس مقام پر موجود درخت پر بیٹی کو چڑھا دیا۔ جب رات چھانے لگی تو اس مقام پر جنّات کا شہر بس گیا۔ اس شہر کے بیچ میں ایک تخت زرنگار سجا دیا گیا اور جنّوں کا بادشاہ اس تخت پر رونق افروز ہو گیا۔ لڑکی نے یہ سوچ کر کہ درست وقت یہی ہے، مولانا محبوب عالم کا مکتوب نیچے پھینک دیا۔ آپ کا مکتوب ہوا میں اُڑتا ہوا میدان کے بیچ میں پہنچ گیا۔ ایک جن نے وہ مکتوب اُٹھا کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ نے اُسے پڑھتے ہی فوراً حکم دیا کہ مذکورہ فسادی جنّ کو حاضر کیا جائے جب وہ جنّ حاضر ہُوا تو بادشاہ نے غصّے سے کہا کہ "تمہیں یہ اجازت کس نے دی ہے کہ مخلوقِ خُدا کو ایذا پہنچاؤ۔" وہ جنّ تھر تھر کانپنے لگا۔ بادشاہ نے اس کے لیے سخت سزا کا حکم سنایا اور پکار کر کہا کہ جو بھی مولانا کا رقعہ لے کر آیا تھا وہ مولانا تک ہمارا اسلام پہنچا دے۔ اس کے بعد لڑکی صحت یاب ہوگئی اور باپ بیٹی دونوں مولانا کی خدمت میں حاضری دیتے رہے۔

مولانا محبوب عالم نہایت رقیق القلب تھے۔ کسی کو دُکھ تکلیف میں دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اپنے مریدین کو تلقین کیا کرتے تھے کہ خلقِ خدا سے محبّت سے پیش آؤ کہ اسی صورت

Marfat.com

میں خُدا راضی ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ تانگہ پر سوار کھیالی جا رہے تھے کہ راستے میں گھوڑا رُک گیا۔ اس پر کوچوان نے چابک برسانے شروع کر دیئے۔ جب پھر بھی گھوڑا نہ چلا تو اس نے ایک موٹا سا ڈنڈا لے کر گھوڑے کو پیٹنا شروع کر دیا۔ گھوڑا تھوڑا سا چلتا اور پھر رُک جاتا۔ مولانا یہ دیکھ کر سسک پڑے اور کوچوان کو منع کیا کہ جانوروں پر ظلم نہیں کرنا چاہیے کہ یہ بھی خُدا کی مخلوق ہیں۔ مگر کوچوان نہ مانا۔ جب آپ نے بار بار سمجھایا تو وہ کہنے لگا:

"مولوی صاحب! آپ یہ وعظ نصیحت رہنے دیں۔ آپ تو اس طرح دکھی ہو کر مجھے منع کر رہے ہیں جیسے میں یہ چابک آپ پر برسا رہا ہوں۔

مولانا نے یہ سُن کر اپنی پُشت سے کُرتہ اُوپر کھسکا دیا تو کوچوان اور دوسری سواریاں یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کوچوان کے گھوڑے پر برسائے ہُوئے چابکوں کے نشانات مولانا کی کمر پر پڑے ہُوئے تھے اور بعض سے خُون رس رہا تھا۔ یہ دیکھ کر کوچوان نادم و شرمسار ہو کر آپ کے قدموں پر گر پڑا اور رو رو کر معذرت کی کہ آئندہ کسی جانور کو ایذا نہیں دے گا۔

مولانا محبوب عالم ظاہر دار پیروں اور ریاکار علماء کے سخت خلاف تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ فقر کا تعلق خدا سے ہوتا ہے اور فقر شعبدہ بازی نہیں ہے کہ انسان دوسروں کو ہر وقت ہراساں کرتا رہے۔ ایک بار آپ نے اپنے مریدِ خاص اور خلیفہ میاں نبی بخش کو بازار گوشت لینے کے لیے بھیجا۔ نبی بخش بازار پہنچے تو وہاں ایک شخص جو خود کو پیر کہہ رہا تھا' اعلان کر رہا تھا کہ جو مجھے دیکھ لے وہ جنتی ہے۔ میاں نبی بخش نے اس شخص کی طرف ایک نظر دیکھا اور پھر توجہ نہ دی اور گوشت کی دُکان میں داخل ہو گئے۔ اس پیر سے میاں نبی بخش کی بے اعتنائی برداشت نہ ہو سکی۔ اس نے تخت پوش پر زور سے اُنگلی ماری جس پر میاں نبی بخش کی آنکھ زخمی ہو گئی۔ میاں صاحب

Marfat.com

مولانا غلام جیلانیؒ کے نام ان
کے مرشد مولانا محبوب عالم کا خط

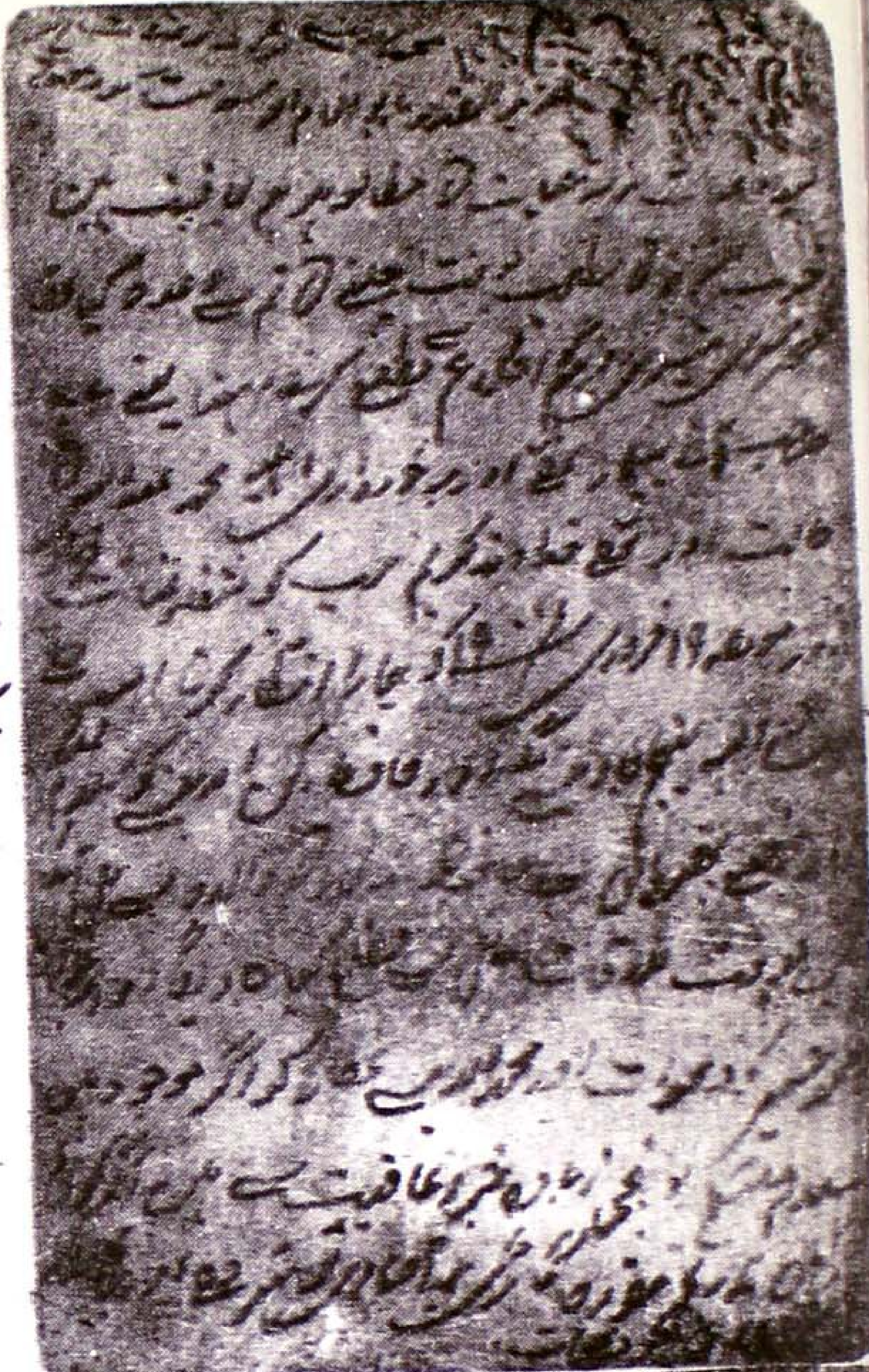

EAST INDIA POST CARD
THE ADDRESS ONLY TO BE WRITTEN ON THIS SIDE
REPLY

Marfat.com

خانقاہ واپس آئے تو مولانا محبوب عالم نے زخمی آنکھ دیکھ کر ماجرا دریافت کیا۔ میاں صاحب نے سب کچھ کہہ سُنایا۔ اس پر مولانا نے میاں نبی بخش سے کہا کہ ابھی جاؤ اور اس پیر سے کہو کہ شام کا کھانا ہمارے ساتھ کھائے۔ شام کو وہ پیر کھانے پر آیا۔ اور کھانا کھا چکا تو مولانا نے اس سے دریافت کیا کہ بھئی آج کل کس مقام پر ہو۔ اس نے بڑے غرور سے کہا: "بہت وڈا کھوہ اے"۔

پھر اس نے مولانا سے آپ کا حال دریافت تو مولانا نے ازراہِ عجز فرمایا "معمولی سی کھوئی ہے جس میں کمزور سا بیل جُتا ہوا ہے۔ کبھی چلتا ہے کبھی رُک جاتا ہے کبھی ٹنڈ کا پھیرا آجاتا ہے، کبھی نہیں آتا (یعنی کبھی پانی اُوپر آجاتا ہے، کبھی نہیں آتا)"۔ یہ فرما کر مولانا نے نگاہ بھر کر اس ریاکار فقیر کی طرف دیکھا۔ آپ کے الفاظ اور نگاہ میں ایسی تاثیر تھی کہ وہ شخص چیخنے لگا کہ "مولوی صاحب آپ نے مجھے لوٹ لیا۔ میرا سب کچھ چھین لیا اور میرا سینہ خالی کر دیا"۔

اس پر آپ نے مریدوں سے فرمایا "اس ریاکار انسان کو دھکّے دے کر نکال دو یہ شعبدہ بازی کرتا ہے۔ خلقِ خدا کے ایمان کو لوٹتا ہے۔ جنّت اس شعبدہ بازی کی زبان سے نہیں، بلکہ احکامِ شریعت کی پیروی سے حاصل ہوتی ہے"۔

مولانا محبوب عالم نام نہاد فقراء کے سخت خلاف تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ان لوگوں نے عوام الناس کے دلوں سے حقیقی اہلِ فقر کا احترام اُٹھا دیا ہے۔ ایک مرتبہ آپ کے محلّہ میں ایک ظاہر دار درویش آگیا۔ اسے ایک شخص نے ازراہِ عقیدت ٹھہرا لیا۔ جب وہ نام نہاد درویش رخصت ہونے لگا تو اس نے اپنے میزبان کے بچے پر نگاہ کی۔ اس کی نگاہ پڑتے ہی وہ بچہ مچل گیا کہ مَیں ہر صورت اس درویش کے ساتھ جاؤں گا۔ وہ بچّہ اپنے نہایت غریب والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ والدین پریشان ہو گئے۔ اُنھوں نے اس درویش سے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ یہ ہمارا واحد سہارا ہے۔ خدارا

Marfat.com

اسے آزاد کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی اور خادم دے دے گا۔ اس درویش نے والدین کی منت سماجت پر مطلق توجہ نہ کی اور کہا کہ یہ بچہ کسی صورت بھی مجھ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر وہ درویش میزبان کے گھر سے نکلا اور ادھر اُدھر گھومتے ہوئے شہر سے باہر نکلنے لگا۔ شہر سے باہر نکلا تو سامنے خانقاہ حضرت مولانا محبوبؒ نظر آئی۔ اس نے فوراً اس خانقاہ کا رُخ کیا اور حضرت مولانا محبوب عالم سے کچھ قریب آکر بیٹھ گیا۔ وہ بچہ درویش کے ساتھ ساتھ تھا۔ اتنے میں اس بچے کی ماں روتی پیٹتی آئی اور درویش سے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی کہ خدا کے واسطے میرے بیٹے کو چھوڑ دو ——

اس پر اس درویش نے نہایت تکبر سے کہا کہ:

"مائی کیا ٹر ٹر لگا رکھی ہے، اگر بچہ لے جا سکتی ہو تو لے جاؤ"۔ اس بوڑھی عورت نے بچے کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا مگر بچے نے جو کہ اس درویش کے سحر کے زیرِ اثر تھا اس درویش کے پاس سے ہٹنے سے انکار کر دیا۔ اس پر ارد گرد کے مکانات سے بھی آدمی چلے آئے اور سبھی اس درویش سے رحم کی استدعا کرنے لگے مگر وہ دُنیا پسند انسان سب کو ٹھکراتا رہا۔ مولانا محبوب عالم یہ سب منظر دیکھ رہے تھے۔ بچے کی والدہ نے مولانا علیہ الرحمۃ سے فریاد کی کہ میری مدد کریں۔ اس پر مولانا نے اس درویش کو سمجھایا مگر اس کا ایک ہی جواب تھا کہ "جو لے جا سکتا ہے بچے کو لے جائے میں کسی صورت بھی اس سے دستبردار نہیں ہوں گا"۔

جب مولانا نے اس نام نہاد درویش کے دعویٰ کو سُنا تو جوش آگیا۔ فوراً مراقبہ میں چلے گئے۔ چند منٹ کے مراقبہ کے بعد آپ نے سر اُوپر اٹھایا اور درویش کو غور سے دیکھا۔ آپ کا دیکھنا اس قدر پُر رعب تھا کہ وہ درویش برداشت نہ کر سکا اور چیخنے لگا کہ مجھے بچاؤ میں آگ میں جلا جا رہا ہوں۔ اس درویش کی فریاد سُنتے ہی وہ بچہ اس کے سحر سے آزاد ہو گیا اور فوراً درویش کے پاس سے اُٹھ کر ماں کے سینے سے

Marfat.com

چمٹ گیا۔ مولانا محبوب عالم نے اس نام نہاد درویش کو ذلیل کر کے خانقاہ سے نکلوا دیا۔ اور وہاں پر موجود حاضرین کو بتایا کہ درویشی اس کا نام نہیں ہے کہ لوگوں کے معصوم بچے چھینتے پھرو۔ بلکہ اصل درویشی یہی ہے کہ انسان رضائے خداوندی میں فنا ہو کر خدا کی مخلوقات سے بصد لطف و کرم پیش آئے۔

آپ کی زندگی سادگی و اخلاص کا مرقع تھی اور اس میں کسی قسم کی ریاکاری یا منافقت کو دخل نہیں تھا۔ آپ علم اور عمل کے پیکر تھے۔ اسی لیے آپ کی بھرپور کوشش ہوتی تھی کہ آپ کے وہ شاگرد اور متعلقین جو علم حاصل کر رہے ہیں انہیں عمل کی دولت بھی عطا ہو جائے۔ آپ اپنی گفتگو میں انہیں اس امر کی تلقین فرمایا کرتے تھے کہ علم بغیر عمل کے بیکار ہوتا ہے۔ یہی حقیقت آپ عملی طور پر بھی انہیں سمجھایا کرتے تھے۔ ایک بار حاجی فضل (فضل فروٹ مارکیٹ والے) کے چچا مہر عمر دین نے جو کہ آپ کے انتہائی عقیدت کیش اور نیاز مند تھے اور خانقاہ سے متصل جن کی اراضی تھی، آپ سے استدعا کی کہ مجھے آج کھیتوں میں زیادہ کام درپیش ہے اس لیے براہِ کرم اپنے چند شاگرد اور درویش میرے ہمراہ کر دیجئے تاکہ وہ میری معاونت کر سکیں۔ حضرت مولانا نے سمجھایا کہ زمینداروں اور درویشوں کے طریقہائے زندگی میں فرق ہوتا ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کا کام انجام نہیں دے سکتے۔ آپ کے سمجھانے کے باوجود مہر عمر دین کا اصرار بڑھتا گیا تو آپ نے چند درویشوں کو پاس بلا لیا اور مہر عمر دین سے کہا کہ ان درویشوں کا ساتھ لے جانے سے پہلے انہیں لسی پلائے۔ مہر عمر دین نے لسی کا کٹورا بھرا تو مولانا نے اس میں چپکے سے ایک تنکا گرا دیا۔ اس درویش نے فوراً لسی تو پی لی۔ مگر کٹورے سے گھاس کا تنکا نہ نکالا۔ اب مولانا کے حکم کی تعمیل میں باری باری ہر درویش کو لسی پیالے میں بھر بھر کر پلائی۔ ہر درویش لسی کا پیالہ تو خالی کر دیتا مگر پیالے سے تنکا ہرگز نہ نکالتا۔ جب سب درویش لسی پی چکے، تو وہ تنکا بدستور پیالے میں موجود تھا۔ آپ نے صورتِ حال سمجھاتے ہوئے کہا:

Marfat.com

"تم نے دیکھا کہ سب درویشوں نے باری باری ایک ہی پیالے سے لسی پی لی، مگر کسی نے تنکا نکالنا گوارا نہ کیا۔ جب کم کوشی کا یہ عالم ہو تو ان درویشوں سے کیسے اُمید رکھ سکتے ہو کہ یہ کھیتوں پر جا کر تمہارا ہاتھ بٹائیں گے۔ کتابوں کا علم سینے میں اُتارنے والے کھیتوں میں ہل چلانا کیا جانیں۔ تمہیں تمہاری محنت بھری زندگی مبارک، یہ درویش تو کتابوں سے نکل کر ایک تنکا اُٹھانے کے روادار بھی نہیں ہیں۔"

آپ کی اس عملی مثال پر مہر عمر دین بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے پھر کبھی زندگی بھر مولانا سے ایسی استدعا نہ کی اور وہ درویش بھی انتہائی نادم و شرمسار ہوئے اور اُنہوں نے عہد کیا کہ وہ آئندہ زندگی علم و عمل کے امتزاج کے سہارے گزارنے کی کوشش کریں گے۔

نامور تلامذہ

ہم نے پیشتر ازیں بھی عرض کیا ہے کہ حضرت مولانا محبوب عالم کے تلامذہ اور خلفاء کی فہرست ہمیں دستیاب نہیں ہو سکی۔ آپ کے بعد آپ کے جانشین مولوی غلام جیلانی کی وفات کے بعد مولانا محبوب عالم کا نادر و نایاب کُتب پر مشتمل بہت بڑا کتب خانہ جس طرح سے غیر ذمہ دار ہاتھوں میں پہنچ کر برباد ہُوا وہ ایک المناک باب ہے۔ اس کُتب خانہ کی یکسر عدم دستیابی کی بناء پر مولانا کے تلامذہ اور خلفاء کی کوئی فہرست تلاشِ بسیار کے باوجود مل نہیں سکی۔ مولانا محبوب عالم جس بلند پائے کے عالم اور فقیہہ تھے، اس کا اعتراف اپنوں اور بیگانوں سب کو تھا۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد بلا شبہ ہزاروں تک پہنچتی ہو گی۔ بہرحال اس سلسلہ میں جو چند نام ہمیں دستیاب ہو سکے ان کا تذکرہ ہم بصد افتخار یہاں کر رہے ہیں۔

حضرت پیر حیدر شاہ کُرتو پنڈوریاں شریف : سید حیدر شاہ مرحوم نارنگ

Marfat.com

کے قریبی گاؤں کرتو پنڈوریاں شریف کے رہنے والے تھے۔آپ کو حضرت مولانا محبوب عالم کی علمی صحبتوں سے فیضیاب ہونے کے کثیر مواقع میسر آئے۔ حیدر علی شاہ کے والد کا نام سید امام علی تھا۔جب سید حیدر شاہ کی عمر بائیس سال کی ہوئی تو آپ کے والد وفات پا گئے پھر آپ کے چچا سید اکبر علی شاہ نے آپ کی سرپرستی کی۔محبت کرنے والے چچا کا خیال تھا کہ نوجوان حیدر علی شاہ میں وہ تمام علمی اور رُوحانی صفات ہونی چاہئیں جو صاحبانِ سجادہ کا اعزاز ہوتی ہیں۔

اس دور میں مولانا محبوب عالم کے علمی کمالات کا شہرہ چار جانب پھیلا ہوا تھا اس لیے اکبر علی شاہ نے اپنے بھتیجے سید حیدر شاہ کو مولانا محبوب عالم کے مدرسہ میں داخل کر دیا۔ سیّد اکبر علی شاہ مولانا محبوب عالم اور آپ کے اسلاف کو مدّت سے جانتے تھے اس لیے اپنے بھتیجے کو مولانا کے سپرد کرتے ہُوئے استدعا کی کہ اس نوجوان کو پوری توجہ سے پڑھایا جائے۔

سید حیدر علی شاہ مولانا محبوب عالم کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔آپ نے کم و بیش دس برس مولانا سے دینی تعلیم حاصل کی اور آہستہ آہستہ مولانا کا اس قدر اعتماد حاصل کر لیا کہ مولانا نے خانقاہ کا جملہ نظام خورد و نوش اُن کے سپرد کر دیا۔لنگر کے لیے بازار سے جو کچھ خریدنا ہوتا سید حیدر شاہ خود ہی خریدتے۔محلّہ سے جن لوگوں نے مدرسہ کے طلبا کے کھانے کا انتظام کیا ہوتا تھا اس کی فراہمی بھی سیّد حیدر شاہ خود کرتے۔

مولانا محبوب عالم سیّد ہونے کی بنا پر حیدر شاہ کو نہایت عزیز رکھتے اور کوشش فرماتے کہ انہیں کوئی ذاتی کام نہ کہیں۔سیّد حیدر شاہ انتہائی کوشش کرتے کہ استاد محترم کی ذاتی خدمت بجا لائیں مگر مولانا محبوب عالم ٹال جاتے، البتہ تہجد کے وقت وضو کرانے اور پھر آغازِ صبح کے بعد حُقّہ بھرنے کی ذمّہ داری سیّد صاحب نے زبردستی اُٹھا رکھی تھی۔

حصولِ تعلیم کے بعد بھی سید حیدر شاہ سے مولانا محبوب عالم کا دوارہ نہ چھُٹ سکا اور آپ کو اپنے گاؤں سے جب بھی فرصت ملتی گوجرانوالہ شہر چلے آتے اور مولانا کے ہاں

Marfat.com

قیام کرتے۔ مولانا تمام زندگی اسی شفقت و عنایت سے پیش آتے رہے جو آپ کا معمول تھا پیر حیدر شاہ سلسلۂ طریقت میں چورہ شریف کے حضرت پیر غلام حیدر شاہ چوراہی نقشبندی المعروف کالی چادر والی سرکار کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے مگر آپ کے دل پر سب سے گہری چھاپ حضرت مولانا محبوب عالم کی تھی۔ یہ ایک فطری امر ہے کہ انسان جس کے پاس سب سے زیادہ وقت گزارتا ہے اسی سے زیادہ متاثر بھی ہوتا ہے۔ اور مولانا محبوب عالم تو پیر حیدر شاہ کے استاد محترم بھی تھے اور مربّی و مشفق بھی۔

مولانا سے محبت و عقیدت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے مولانا کی وفات کے بعد بھی آپ کی خانقاہ میں آمد و رفت ترک نہ کی اور جب بھی اپنے استاد کی یاد ستاتی یہاں حاضر ہو جاتے۔ جب اس علاقہ میں اپنے مریدین سے ملاقات مقصود ہوتی تو بھی مولانا محبوب عالم کی خانقاہ ہی میں قیام کرتے۔ اس طرح مولانا کی تربت کی قربت ان کے لیے وجہ سکون بن جاتی۔ مولانا محبوب عالم کے روحانی و معنوی جانشین مولانا غلام جیلانی بھی سید حیدر شاہ سے اسی محبت سے پیش آتے تھے جو مولانا محبوب عالم کا خاصہ تھی۔ جب کبھی مولانا غلام جیلانی کرتو شریف تشریف لے جاتے تو پیر حیدر شاہ راہوں میں بچھ بچھ جاتے۔ آپ کو یوں محسوس ہوتا جیسے مولانا محبوب عالم بنفسِ نفیس تشریف لے آئے ہوں۔ آپ بصد اشتیاق مولانا غلام جیلانی کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا کرتے کہ :

"میرا مہمان تو آج آیا ہے۔" اور پھر مولانا کی خدمت اور تعظیم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ مولانا غلام جیلانی کو بھی پیر حیدر شاہ سے غیر معمولی اُنس تھا۔ پیر حیدر شاہ کی وفات کے بعد کرتو شریف جاتے تو ان کی اولاد سے ملتے ہوئے فرماتے کہ "مجھے تو شاہ صاحب ابھی بھی ملے ہیں۔ مَیں شاہ صاحب کا مہمان ہوں۔ میزبان اپنے مہمان کو خوش آمدید کیوں نہ کہے گا۔"

پیر سید حیدر شاہ نے کم و بیش پچاسی سال عمر پائی اور ۱۹۴۹ء میں وصال فرمایا۔ آپ کا مزار کرتو شریف میں زیارت گاہِ خواص و عوام ہے۔

Marfat.com

پیر سید حیدر شاہ بہت بڑے عالم دین، عظیم شیخِ طریقت ہونے کے ساتھ پنجابی، اردو اور فارسی کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ آپ کے کلام کا بیشتر حصّہ امتدادِ زمانہ سے تلف ہو چکا ہے اور جو باقی ہے بوسیدگی اور خستگی کو چھو رہا ہے۔ پیر صاحب کے کلام میں سے زیادہ حصّہ نعت اور مناقبِ اولیاء کا ہے۔ بیشتر مناقب سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ کے ہیں۔ تبرّک کے طور پر ایک نعت کے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

لقب خدا سے محمدؐ کو لاجواب مِلا — کہ یعنی رحمتِ عالم کا جو خطاب مِلا
ہوئے وہ مطلعِ انوار کُنتُ کنزاً کے — حضورِ والا کو سب پر ہے انتخاب ملا
مِلا جو مصطفٰے سے وہ خُدا سے ملتا ہے — یہ من رآنی سے ارشادِ باصواب ملا
غلامِ حیدر و صفدر ہوں اور غلامِ نبی — مجھے تو رحمت و شفقت کا ہے وہ باب مِلا

اب ایک پنجابی نعت سے چند اشعار:

مُلاقاتِ حبیب سانوں عید ہوگئی — جویں حج اکبری تیری دید ہوگئی
واہ واہ حُسن جوانی جلوہ ذاتِ حقانی — تک جھلک نورانی مَیں شہید ہوگئی
تیرا اُو چا ناواں لتے نئیں پرچھانواں — تیریاں تک کے اداواں مَیں مُرید ہوگئی
جنہاں جھاتی پائی اوہ پاون صفائی — جنہے نظر چُرائی اوہ پلید ہوگئی
تیری خبر منا ندی لکھ شکر بجاندی — دماں باہجھ مَیں باندی خرید ہوگئی
جس صورت نبیؐ تے محبّت رکھی — جنّت واسطے پکّی رسید ہوگئی
پیار حیدرِ کرار مسلماناں نُوں درکار — جیہڑا اوستوں بیزار اوہ یزید ہوگئی

اب چند پنجابی اشعار پیش خدمت ہیں:

کر کے نظر عنایت شفقت آ مِل ڈھولن میرے
تیرے وانگوں نظر نہ آیا ڈھونڈیا مُلک چوفیرے
حیدر دَے تے رحمت کر کے رکھو قدماں نیڑے
کر کے کرم خصوصی اُس تے سَد لو اپنے ڈیرے

Marfat.com

حسن ضرورت صرف اک مینوں تیری رحمت والی
تیرے در پر جو وی آیا پھریا نہ اوہ خالی
ایتھے اوتھے دوئیں جہانیں تو ایں میرا والی
تیرے لطف کرم دا حیدر رہندا اَنت سوالی
طالب نوں تے طلب تُساڈی ہر دم پئی ستاوے
دل گھبراوے پیش نہ جاوے ہجراں پیا اکاوے
آجا ڈھولن میرے دل دی لگی آن بجھاوے
حیدر تائیں شفقت کر کے جلوہ آن دکھاوے

حضرت خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا شمار حضرت مولانا محبوب عالم کے انتہائی نامور اور ممتاز تلامذہ میں ہوتا ہے۔ ایک عظیم رُوحانی خانوادے کے چشم و چراغ ہونے کی بنا پر آپ علومِ معرفت سے بدرجہ اُتم آشنا تھے۔ مولانا محبوب عالم کے حضور زانوئے تلمذ طے کرنا آپ کی صلاحیتوں کے لیے سونے پر سہاگہ ثابت ہُوا اور آپ علومِ شریعت اور علومِ معرفت میں یکساں کمال سے فیضیاب ہو کر خلقِ خدا کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے لگے۔

آپ حضرت خواجہ محمد عبداللہ کے صاحبزادے اور غوث العصر حضرت خواجہ محمد عمرؒ کے پوتے تھے۔ آپ کی ولادت یکم رمضان المبارک ۱۲۹۳ھ کو گوجرانوالہ میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے خاندان کے بزرگوں سے حاصل کی اور پھر اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے حضرت مولانا محبوب عالم کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور برسوں آپ سے اسباق پڑھ کر علومِ دینیہ میں کمال حاصل کر لیا۔ آپ کو اپنے والدِ محترم کی جانب سے تاکید تھی کہ حضرت مولانا نُور احمد کے مزارِ اقدس پر زیادہ سے زیادہ حاضری کی کوشش کیا کرو۔ اس لیے

Marfat.com

آپ مولانا نور احمد کے مزار کے پاس بیٹھ کر سبق یاد کیا کرتے تھے۔ اس طور آپ کے ذہن کو غیر معمولی کشادگی اور فکر کو رُوحانی سربلندی نصیب ہوئی۔

حضرت خواجہ محمد کریم اللہ صاحب جذب و شوق اور عالمِ باعمل تھے۔ آپ کی صحبت تشنگانِ علم و آگہی کے لیے سرمایۂ سعادت تھی۔ صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے انسان آپکی صحبت میں آتے اور سکونِ قلب کی دولتِ بے بہا لے کر اُٹھتے۔ آپ کے مریدین اور ارادتمندوں میں علما اور دانشور بھی شامل تھے۔ آپ یکتائے روزگار صاحبِ فضیلت اور صوفیٔ کامل تھے۔ ایک عرصہ تک بزمِ ہستی میں علم و عمل کی خوشبو لٹانے کے بعد بالآخر ۱۸ شعبان ۱۳۶۱ھ میں اس دارِ فانی سے کُوچ کر گئے۔ اور دربارِ عالیہ قادریہ حضرت خواجہ محمد عمر میں اپنی والدہ محترمہ کے قدموں میں جگہ پائی۔ آپ کا مزار زیارت گاہ خواص و عوام ہے۔ آپ کے عرس مبارک کی تقریب میں دُور دُور سے ارادتمند بصد نیاز حاضر ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ محمد کریم اللہ نے حضرت مولانا محبوب عالم سے جس طور اکتسابِ فیض کیا، اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ نے علمِ فقہ، علم الحدیث اور علمِ تفسیر میں اپنے استادِ محترم کی فکری و نظری رہنمائی کی بدولت ایسا کمال حاصل کیا کہ وقت کے جیّد علما، آپ کے علمی دلائل سے فیضیاب ہُوا کرتے تھے۔ مولانا محبوب عالم کے تلامذہ میں آپ کا نام بطورِ خاص اہمیّت کا حامل ہے۔ حضرت مولانا محبوب عالم جیسی یکتائے روزگار ہستی کے لیے یہ امر ایک سعادت سے کم نہ تھا کہ خواجہ کریم اللہ قادری کی تدریسی ذمہ داریاں اُٹھانے کی صورت میں انہیں اپنے مُرشدِ اعلیٰ کے خاندان کے ایک جانشین کی علمی فقہی تربیت کا موقع میسّر آرہا ہے۔ اسی لیے حضرت قبلہ مولانا محبوب عالم نے اس ہونہار شاگرد کو خصوصی محنت اور توجّہ سے پڑھایا اور اپنے علمی کمالات اس طور حضرت خواجہ کریم اللہ تک پہنچا دیے کہ حضرت میاں صاحب تمام زندگی اپنے استاد کی نوازشوں پر فخر کیا کرتے تھے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے طبع موزوں سے نواز رکھا تھا۔ آپ شروع ہی سے سخن فہم اور

Marfat.com

سخن شناس تھے ۔ آپ نے شاعری کی باقاعدہ ابتدا رعلوم دینیہ کی تکمیل کے بعد کی۔ آپ کی صوفیانہ شاعری متلاشیانِ حق و صداقت کے لیے متاعِ گراں مایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نے فارسی، اردو اور پنجابی تینوں زبانوں میں شاعری کی ہے۔ آپ کے پنجابی کلام کا ایک انتخاب آپ کی زندگی ہی میں "کلامِ عاشق" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ آپ پنجابی میں عاشق اور اردو، فارسی میں کریمی تخلص کرتے تھے۔ کلام اشاعت کا سنِ اشاعت ۱۳۴۳ھ ہے۔

آپ کے کلام میں علم و حکمت اور محبتِ الٰہی کا سمندر موجزن ہے۔ شاعری میں قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی کو اس خوبی سے سموتے ہیں کہ مفہوم و معانی کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ آپ کی شاعری سرورِ کائنات حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت اور اولیائے کرام سے والہانہ عقیدت کی آئینہ دار ہے۔ آپ نے شاعری میں شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کے تمام اسرار و رموز بیان فرمائے ہیں۔

نمونۂ کلام کے طور پر پنجابی اشعار ملاحظہ کیجیے:

ث ثابتی صدق پیار سیتی ہن بھار امانتوں چا بیٹھوں
آکے مالک ملک دا ہوئیکے تے ہن عاجزی دا تنبولا بیٹھوں
نہ کوئی فکر سی موت حیات والا ہُن فکر تنور نُوں تا بیٹھوں
عاشق نکل دریا توحید وچوں کثرت وچ آ رنگ وٹا بیٹھوں

اردو شاعری کے نمونہ کلام کے طور پر آپ کے چند نعتیہ اشعار پیش خدمت ہیں:

آئینۂ ذاتِ خدا نورِ جمالِ مصطفٰے — ہے مطلعِ نور الہدیٰ قدرِ کمالِ مصطفٰے
وہ رحمۃ للعالمین برحق شفیع المذنبیں — ہے گفتۂ ربّ العلٰے قول و مقالِ مصطفٰے
وہ شاہد و مشہودِ حق محبوب و مطلوبِ حق — ہے دلبرِ ہر دلربا ابرو ہلالِ مصطفٰے

Marfat.com

یا رسول اللہ حبیبِ کبریا خیرالورٰے — لفظ اِک تعریف تیری کا ہے لولاکَ لما

سیّدِ عرب و عجم ہے یا نبی تیرا لقب — تیرا ہمسر حق تعالیٰ نے نہیں پیدا کیا

کون ہے دنیا میں تجھ بن شاہسوارِ لامکاں — خاک تیری راہ کی سُرمہ ہے میری آنکھ کا

رحمۃ للعالمین ہے نام تیرا اے کریم — گوشۂ چشمِ کرم کیجیے ادھر بہرِ خُدا

یا رسول اللہ اغثنی ہُوں میں حاضر بے نوا — دُور ہوں دربارِ عالی سے پڑا بیکس شہا

سیّدا بیمار اپنے کا مداوا کیجیے — لاغر و کمزور ہوں اور دُور ہے دارالشفا

بارگاہِ عالیہ سے دُور ہوں شاہِ جہاں — بیکسی کے دشت میں ہُوں مَیں مثالِ نقشِ پا

تمام زندگی آپ کا معمول رہا کہ درگاہ حضرت داتا شاہ جمال نُوری میں باقاعدگی سے حاضر ہوتے جب تک حضرت مولانا محبوب عالم حیات رہے، استاذِ ذی وقار اور شاگردِ سعید بخت میں خصوصی موانست اور خلوص و محبّت کا رشتہ استوار رہا۔ حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد بھی آپ نے تا زیست اس ایمانی و روحانی تعلّق کو قائم رکھا اور رُوحانی و علمی مصروفیات سے جب بھی فرصت میسّر آتی اس خانقاہ میں چلے آتے۔

مولوی غلام قادر زیرک

آپ کا تذکرہ "خراجِ عقیدت" کے باب میں ہو چکا ہے۔ آپ کا شمار حضرت مولانا محبوب عالم کے اہم تلامذہ میں ہوتا ہے۔ آپ نے علومِ دینیہ کی تحصیل کے لیے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضری دی اور پھر زانوئے تلمذ طے کرتے ہُوئے برسوں آپ کی محافل سے علم و حکمت کے موتی چُنتے رہے۔ آپ نے حضرت مولانا ہی سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔

مولانا غلام قادر زیرک دینی علوم پر دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ شعر و ادب اور خطاطی میں بھی کمال رکھتے تھے۔ آپ کا شعری سرمایہ نہایت قابلِ قدر اور پُر مغز ہے۔ مولوی غلام قادر

Marfat.com

زیرک نے محمود وایاز مولانا محبوب عالم کی خاطر ہی تصنیف کیا تھا۔ یہ نسخہ مولوی غلام قادر زیرک کی اعلیٰ خطاطی اور شعری صلاحیتوں کا آئینہ دار ہے۔ خوبصورت کشمیری کاغذ پر خطِ نسخ میں رقم کردہ یہ نسخہ مولوی صاحب کی اہم یادگار ہے۔

مولوی غلام غوث غلامی

مولوی غلام غوث غلامی اپنے دور کے نامور شاعر، ادیب اور عالم تھے۔ آپ کو بھی حضرت مولانا محبوب عالم سے اکتسابِ فیض کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ آپ مینزانوالی ضلع سیالکوٹ کے ایک اہم علمی خانوادہ کے فرد تھے۔ مینزانوالی سے اُٹھ کر گوجرانوالہ آ گئے اور ایک سکول میں مدرس ہو گئے۔ آپ فارسی کے نغز گو شاعر تھے۔ ان کے فارسی قصائد اور مراثی انوری و خاقانی کی شاعری کے ہم پلّہ نظر آتے ہیں۔

آپ نے فردوسی کے شاہنامہ اور نظامی کے سکندر نامہ کے جواب میں سیالکوٹ کے مشہور راجہ سالباہن اور امام علی الحق کا جنگ نامہ فارسی میں نظم کیا ہے۔ مختصر سی مثنوی شاہنامہ اور سکندر نامہ کا پورا پورا جواب دیتی ہے۔ جس سے غلام غوث غلامی کی قادر الکلامی اور ندرتِ فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ نمونہ کے طور پر امام علی الحق کے لشکر کو آراستہ کرنے کا منظر دیکھیے:

بر کرد جوشن بینداخت دلق — چو پروانہ آمد بر آں شمع خلق
ز فولاد ترگے بسر بر نہاد — کمر بست بازو بگردے کشاد
یکے شیر پیکر درفشے بسر — بدستے حسام و بدستے سپر
کمندے و گرزے گراں مایہ خواست — کہ از دیدنش جانِ دشمن بکاست
بہ پُشت جیوں سیدِ با شکوہ — تو گوئی ہژبر است بالائے کوہ
بہ تیغ و کمند و کمان و خدنگ — بر آراست کارِ سپاہ بے درنگ

Marfat.com

بگو پال و خنجر بخشیت و حام　　باسپانِ تازی و زرّیں سنام

آپ نے شاعری کی جملہ اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کی شعری تصانیف کے مطالعہ سے بجا طور پر آپ کی مہارتِ فن، بلندیٔ فکر اور شکوہِ بیان کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ حضرت میر غنی شاہ قادری سے بیعت تھے۔

حضرت میاں نبی بخش رحمۃ اللہ علیہ

آپ گھڑتل گوجرہ ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ صاحبِ فکر انسان تھے۔ تصوّف کے مسائل پر عبور رکھتے تھے۔ ان کی پوری زندگی درویشی و استغنا کی تصویر تھی۔ آپ حضرت مولانا محبوب عالم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور سلسلۂ بیعت استوار کر لیا۔ اپنی عقیدت و محبت کی بنا پر شیخ کی خصوصی توجّہ کے مستحق ٹھہرے اور عارفانہ مراتب تیزی سے طے کرتے ہوئے بالآخر خلافت اور اجازتِ بیعت سے سرفراز ہوئے۔

خلافت عطا ہوئی تو آپ کا حلقۂ مریدین پھیلنے لگا۔ آپ میاں نبی بخش بھٹہ والے کے نام سے معروف تھے۔ آپ کے مریدین اور ارادت مند پنجاب کے متعدد شہروں اور علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔

حضرت بابا علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا خاندان کئی پشتوں سے حضرت مولانا محبوب عالم کے اسلاف سے بیعت چلا آ رہا ہے۔ بابا علی شاہ کے والد بزرگوار حضرت بابا روشن شاہ حضرت مولانا نور احمد کے مرید اور خلیفہ تھے۔ یہ خاندان مزارِ پاک حضرت مبارک شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا سجّادہ نشین ہے۔ بابا روشن شاہ کی دستار بندی مولانا نور احمد نے فرمائی تھی۔ بابا علی شاہ حضرت مولانا محبوب عالم سے بیعت تھے۔

Marfat.com

مولانا محبوب عالم آپ سے خاص محبت اور اُنس فرماتے تھے۔ آپ کی خلافت بھی حضرت مولانا محبوب عالم کے لطفِ بیکرانہ کا حصّہ تھی۔ بابا روشن شاہ کے وصال کے بعد جب حضرت علی شاہ سجادہ نشین مقرر ہُوئے تو ان کی دستار بندی بھی اسلاف کی روایت کے مطابق ان کے پیرومرشد مولانا محبوب عالم ہی نے فرمائی۔ بابا علی شاہ کو اپنے پیرومرشد سے غایت درجہ عقیدت تھی اور کوشش کیا کرتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ عرصہ مولانا محبوب عالم کی خدمت میں حاضر رہیں۔ خانقاہ عالیہ کی قربت کے باعث آپ کو مولانا محبوب عالم کی خدمت میں حاضری کے بکثرت مواقع عطا ہُوئے تھے۔ بابا علی شاہ بعد از وصال احاطہ مزار حضرت مبارک شاہ ہی میں مدفون ہُوئے۔

حضرت مولانا نور حسین رحمۃ اللہ علیہ

مولانا نُور حسینؒ کوٹلی نواب (گوجرانوالہ) کے ایک علمی گھرانے کی ممتاز شخصیت تھے۔ آباواجداد کا پیشہ زمینداری تھا۔ ان کے اسلاف نے زمینداری کے ساتھ ساتھ علومِ دینیہ کی تحصیل اور پھر علومِ دین کو عوام النّاس تک پہنچانے کا کام بھی جاری رکھا۔ آپ کے والدِ محترم علاقہ کی انتہائی محترم سماجی اور معاشرتی شخصیت حضرت مولانا بدر الدینؒ تھے۔ مولانا بدر الدین علیہ الرحمۃ کا نام علمی اور تہذیبی حلقوں میں نہایت عزّت واحترام سے لیا جاتا تھا۔ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ سے عوام النّاس کے علاوہ جنّات بھی تحصیلِ علم کیا کرتے تھے۔ ایک طویل عرصہ تک کوٹلی نواب کو "کوٹلی مولانا بدر الدین" کے نام سے پکارا جاتا رہا۔

مولانا نُور حسین علیہ الرحمۃ قریباً ۱۸۴۰ء میں پیدا ہُوئے۔ آپ کی حضرت مولانا محبوب عالم سے گہری قرابتداری تھی۔ پُرانے تذکروں اور بزرگوں کی زبانی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بزرگ ایک دُوسرے کی شادی بیاہ اور اعراس کی تقاریب میں شریک ہوا کرتے تھے۔ مولانا نُور حسین کی قریبی رشتہ داری ماڑی کلاں (ضلع شیخوپورہ) کے معروف قریشی ہاشمی خاندان سے تھی جو

Marfat.com

کہ حضرت مولانا محبوبؒ عالم کا سُسرال تھا۔

مولانا نُور حسینؒ مولانا محبوب عالمؒ سے از حد محبّت فرماتے اور جب بھی موقع ملتا آپ کے ہاں تشریف لے آتے۔ قرابتداری میں کبھی کبھی مناقشت جنم لے لیتی ہے مگر مولانا نُور حسین نے زندگی بھر اس خاندانِ طریقت کے شیخِ کامل مولانا محبوب عالمؒ سے اپنے تعلّقات کا سلسلہ منقطع ہونے نہ دیا اور مولانا محبوب عالمؒ اور آپ کے خاندان سے وہ محبت جو انہیں ورثہ میں ملی تھی اُسے عُمر بھر نباہے رکھّا۔ آپ پُر تاثیر واعظ اور خوش گلو، خوبصُورت اور بلند سیرت انسان تھے۔ عوام و خواص میں ہر دلعزیز تھے۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ ان بزرگوں کی جب بھی ملاقات ہوتی نہایت تپاک اور رُوحانی محبت آمیز ماحول میں ہوتی۔ آپ مولانا محبوب عالمؒ کا حد درجہ احترام کرتے۔ جس محفل میں مولانا محبوب عالمؒ تشریف فرما ہوتے وہاں آپ مولانا کے مقام کو اپنے بیان سے بلند تر اور وقیع تر کرنے کی کوشش کرتے۔

مولانا نُور حسین کے صاحبزادے مولانا محمد علی (مصنّف کے والد) علاقہ کی ممتاز دینی اور سماجی شخصیت ہیں۔ آپ کو تحریکِ پاکستان کے بے لوث کارکن ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ نے اس وقت علاقہ کالر میں مسلم لیگ اور قائدِ اعظمؒ کے پیغام کو عام کیا جب پنجاب کے بڑے یونینسٹ زمیندار گھرانوں کے سیاسی تسلط کی بنا پر پاکستان کا نام لینا جُرم تھا۔ مولانا محمد علی کے دبستانِ علم سے مدّتوں ایک زمانہ فیضیاب ہوتا رہا۔ دُعا ہے کہ رحمتِ ایزدی آپ کے فیوض و برکات کی شمع فروزاں رکھّے۔ اور آپ کی اولاد اپنے اسلاف کے دینی اور نظریاتی نصب العین کو کبھی بھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دے۔

Marfat.com

حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

Marfat.com

محرمِ اسرارِ حقانی

حضرت قبلہ

مولوی غلام جیلانی

رَحمَۃُ اللہِ عَلَیہِ

Marfat.com

جہانِ معرفت میں فقر کی پہچان جیلانیؒ
غلامِ سرورِ دیں، صاحبِ ایمان جیلانیؒ

مئے حُبِّ خُدا سے کر دیا سرشار بندوں کو
دلِ پُر درد کا ہر حال میں درمان جیلانیؒ

فیوضِ سرمدی سے بھر دیا دامن زمانے کا
دِلوں کی سلطنت کے بالیقیں سُلطان جیلانیؒ

انہی کا ذکر اب بھی ہے سہارا قلبِ خستہ کا
کتابِ معرفت کا اک حسیں عنوان جیلانیؒ

خُدا کی رحمتیں نازل ہوں ہر دم ان کے مرقد پر
زمانے بھر میں تھے اِک بے مثال انسان جیلانیؒ

(محمد اکرم رضا)

Marfat.com

○

قدرت کو جب کسی قوم یا علاقہ کی رہنمائی مقصود ہوتی ہے تو وہاں یکے بعد دیگرے ایسے بلند فکر نفوس پیدا کرتی ہے جو اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت اس علاقہ کی روحانی و فکری رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ خانقاہ داتا شاہ جمال نوری اس لحاظ سے خوش بخت رہی ہے کہ اسے متواتر ایسے اصحابِ علم و عرفان نصیب ہوئے جو اپنے اسلاف کے مقدس نصب العین کو آگے بڑھانے کا اہتمام کرتے رہے۔ اس خانقاہ کے مشائخ و صوفیائے علومِ دین کی اشاعت اور شمعِ روحانیت کی روشنی پھیلانے کے سلسلہ میں جو مساعی انجام دی ہیں اُن سے مستقبل کا مورخ کبھی بھی پہلو تہی نہیں کر سکے گا۔

حضرت مولانا مولوی غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اسلاف کی روحانی عظمتوں کے امین اور اپنے آباؤ اجداد کی مسندِ عرفان کے صحیح معنوں میں وارث تھے۔ آپ نے اپنے اسلاف کی عظیم مسند پر فائز ہو کر زندگی بھر اسی سیرت اور کردار کو اپنائے رکھا جو آپ کے بزرگوں کا معمولِ زندگی تھا۔ آپ نے زندگی بھر سادگی و استغنا، — درویشی و بے ریائی اور فقرِ غیور کو اپنا اعزاز بنائے رکھا، کیونکہ یہی وہ دولتِ بے بہا تھی جو آپ کے جدِّ اعلیٰ نے آپ کو اپنی مسند پر بٹھاتے ہوئے تفویض کی تھی اور آپ نے قناعت اور توکل علے اللہ کا وہ نمونہ پیش کیا کہ آپ کو دیکھنے والے اسلاف کی روایات کا تذکرہ کرنے لگتے۔

Marfat.com

ولادت

آپ ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء پیدا ہوئے - والد محترم کا نام مولانا محمد عبداللہ اور دادا کا نام مولانا حسام الدین تھا جو شمس العلماء حضرت مولانا محبوب عالم کے برادرِ بزرگ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام حسین بی بی تھا۔

اِنتخاب

حضرت مولانا محبوب عالم کی اپنی اولاد نہیں تھی۔ آپ اپنے بھائیوں کی اولاد سے اپنی اولاد کی طرح پیار کرتے تھے۔ حضرت مولانا محبوب عالم کی زندگی کا آخری دَور آ پہنچا تو آپ کو خیال آیا کہ اس خانقاہِ قادریہ کا آئندہ جانشین کون ہوگا؟ آپ کی آرزو تھی کہ خانقاہ کا جانشین ایسا شخص ہو جو حُبِّ دُنیا سے تعلّق نہ رکھے اور دُنیاوی اُمور سے کنارہ کش ہوکر اپنی پُوری پُوری توجّہ اس خانقاہ کو دے تاکہ خانقاہ کا وہ رُوحانی وقار مجروح نہ ہونے پائے جو صدیوں سے قائم ہے۔ جانشین کی تلاش میں مولانا محبوب عالم نے اپنے خاندان میں چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں اور ایسی صاحبِ کردار شخصیت کو ڈھونڈنے لگے جو نہ صرف ان کے معیار پر پُوری اُتر سکے بلکہ اس خانقاہِ عالیہ کی روایات کو سَربلند رکھ سکے۔ کیونکہ مولانا بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ حضرت داتا شاہ جمال نوری کے پاکیزہ دَور میں قائم ہونے والا یہ گلشنِ علم وعمل ایک ایسے باغبان کا متقاضی ہے، جو ہر قسم کے گرم و سرد سے بے نیاز ہوکر فقط رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف کردے۔

مولانا محبوب عالم اپنے برادر زادہ مولانا محمد عبداللہ سے بہت زیادہ شفقت فرمایا کرتے تھے۔ جب مولانا محمد عبداللہ کے ہاں پہلے بیٹے کی ولادت ہُوئی تو مولانا محبوب عالم کے ارشاد پر ہی اس نومولود کا نام غلام جیلانی رکھا گیا۔ غلام جیلانی

Marfat.com

کی پیدائش پر بھتیجے کو مبارکباد دیتے ہُوئے مولانا محبوب عالم نے ارشاد فرمایا کہ :

"غلام جیلانی میرا جانشین اور میری روحانی امانت کا امین ہوگا ۔ آج سے یہ میرا خصوصی فرزند ہے "

مولانا محمد عبداللہ نے اپنے ولی چچا کا ارشاد سُنا تو بصد عقیدت عرض کیا :

"عمِ محترم ! یہ نومولود ہی کیا ہم سب آپ کے غلام ہیں ، یہ بچّہ آپ کی امانت ہے ، آپ جو کچھ ارشاد فرمائیں گے اس کی تعمیل ہوتی رہیگی "

مولانا محمد عبداللہ کے ان الفاظ کی تائید ان کی اہلیہ محترمہ حسین بی بی نے بھی کی ۔ باوجودیکہ ماں کو باپ کی نسبت بچّہ زیادہ عزیز ہوتا ہے ، انہوں نے بھی مولانا کے حکم کی تعمیل میں سر جھکا لیا اور احترام سے عرض کیا :

"حضور ہمارے لیے یہ اعزاز کیا کم ہے کہ آپ نے ہمارے بچّے پہ اس قدر کرم فرمایا اور اسے یہ نوید بخشی کہ یہ آنے والے دَور میں آپ کا جانشین ہوگا ۔"

میاں بیوی دونوں کے جذبات سُن کر مولانا ازحد مسرور ہُوئے اور بچّے کے مستقبل اور والدین کے لیے خصوصی دُعا فرمائی ۔

ماں کے سایۂ شفقت سے محرومی

غلام جیلانی ابھی تین یا چار برس کے تھے کہ والدہ محترمہ کا سایہ سَر سے اُٹھ گیا ۔ والدہ کی شفقت کے سائے سے محرومی اس کمسن بچّے کے لیے بہت بڑا صدمہ تھی ۔ تمام خاندان کی رہائش کھیالی میں تھی جب سے مولانا نے آپ کو اپنے جانشین کے طور پر نامزد کیا تھا ۔ آپ کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ دینی شروع کر دی تھی ۔ ابھی آپ کی والدہ حیات ہی تھیں تو مولانا محبوب عالم ننھے غلام جیلانی کو خانقاہ پر

Marfat.com

بُلوا لیتے اور اسے پُوری پُوری شفقت اور دعاؤں سے نوازتے۔ شام ہوتی، تو واپس کھیالی بچے کو والدہ کے پاس بھجوا دیتے۔ جب غلام جیلانی کی والدہ ماجدہ نے وفات پائی تو مولانا محبوب عالم نے فرمایا کہ:

"آج سے غلام جیلانی خانقاہ ہی میں رہا کرے گا۔"

مولانا محبوب عالم کا یہ فیصلہ نہایت صائب اور درست تھا، کیونکہ اس طور آپ کمسن غلام جیلانی پر پہلے کی نسبت کہیں زیادہ توجہ دے سکتے تھے۔ مولانا محبوب عالم کا یہ فیصلہ اس لحاظ سے بھی برمحل تھا کہ غلام جیلانی کے والد مولانا محمد عبداللہ نے اپنی اہلیہ کی وفات کے بعد دوسری شادی کرلی تھی۔ اب غلام جیلانی کو اپنے گھر میں ماں جیسی شفقت کسی صورت بھی نصیب نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے مولانا محبوب عالم نے یہی مناسب خیال فرمایا کہ اس بچے کو گھر سے نکال کر خانقاہ کی روحانی فضا سے مانوس کر دیا جائے۔

غلام جیلانی کے نانا جان اور نانی جان نے جو کہ اپنی جواں مرگ بیٹی کی وفات پر نڈھال تھے، مولانا محبوب عالم کے اس فیصلے کو نہایت پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا، البتہ اتنی گزارش کی کہ: "غلام جیلانی تمام دن خانقاہ میں رہے گا۔ مگر اتنی اجازت مرحمت فرمایئے کہ یہ صبح و شام کا کھانا ہمارے ہاں سے کھائے اور رات کو ہمارے ہاں ہی سو رہے۔ ہم صبح کو اسے خانقاہ میں چھوڑ جایا کریں گے۔"

ننھیال والوں کو نواسے سے جو محبت اور قلبی لگاؤ ہوتا ہے، وہ ایک فطری امر ہے اور پھر یتیم نواسے سے تو یہ بھی لگاؤ بڑھ جاتا ہے۔ غلام جیلانی اپنے نانا نانی کی آنکھوں کا تارا تھے کہ یہ ان کی مرحومہ بیٹی کی یادگار تھے۔ مولانا محبوب عالم نے یہ سوچ کر کہ ننھیال کی شفقت تھے غلام جیلانی کی سایۂ مادر سے محرومی کا ازالہ کرے گی اور اس طور بہتر تربیت میں مدد ملے گی، اجازت دے دی۔ چنانچہ غلام جیلانی دن بھر خانقاہ میں رہتے اور رات ہوتی تو اپنے نانا کے گھر شب بسری اور طعام کے لیے چلے جاتے۔

Marfat.com

مولانا محبوب عالم کی اہلیہ محترمہ بھی غلام جیلانی سے بہت پیار اور شفقت فرماتی تھیں۔ اس لیے آپ کا جب جی چاہتا غلام جیلانی کو اپنے پاس بلا بھیجتیں۔ آہستہ آہستہ یہ زندگی غلام جیلانی کا معمول بنتی گئی اور یتیمی کا زخم مندمل تو نہ ہوا مگر حضرت مولانا محبوب عالم اور نانا نانی کی شفقت کے سائے میں ان کی تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا۔

تعلیم و تربیت

مولانا غلام جیلانی نے ابتدائی تعلیم اسکول سے حاصل کی اور پھر حضرت مولانا محبوب عالم کے زیرِ نگرانی خانقاہ میں ہی دینی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ تعلیم کے حصول کے ساتھ آپ اس خانقاہ میں درویشوں کی خدمت، طلبہ کی مدارات اور مہمانوں کی تواضع کے سلسلہ میں بھی پورا پورا ہاتھ بٹاتے۔ جوں جوں آپ بڑے ہوتے گئے، آپ پر ذمہ داریوں کا بوجھ بڑھتا گیا۔ مولانا محبوب عالم کی شفقت اور دینی و روحانی رہنمائی آپ کے لیے مشعلِ ہدایت کی حیثیت رکھتی تھی جس کی روشنی میں آپ جادۂ علم و عرفان پر گامزن ہو چکے تھے۔

آپ اپنے جدِّ امجد مولانا محبوب عالم ہی سے بیعت تھے اور آپ ہی کے زیرِ نگرانی منازلِ سلوک و درویشی طے کرتے رہے۔ آپ کی طبیعت میں بچپن ہی سے استغنا و درویشی تھی، بچپن ہی میں ماں کے سائے سے محرومی اور پھر خانقاہ کے سادہ و درویشانہ ماحول نے آپ کی طبیعت پر گہرے نقوش چھوڑے اور آپ حلم و انکساری کی صفات دل میں سمو کر اپنی تربیت کے مراحل طے کرنے لگے۔

آپ نے مولانا محبوب عالم کے علمی مقام و مرتبہ اور روحانی سربلندیوں کے زیرِ سایہ پرورش پائی تھی، اس لیے آپ نے تمام تر احترام اور عقیدت کے ساتھ ان تمام روایات اور خانقاہی رسوم کو جاری رکھا جو اسلاف کے وقتوں سے چلی آ رہی تھیں، اور مولانا

Marfat.com

مجوب عالم کی ہر دلعزیز اور جامع الخصائل شخصیت نے جنھیں نیا حُسن اور دلپذیری عطا کر دی تھی۔ مولانا غلام جیلانی اپنی رُوحانی تربیت کے مراحل میں اپنے جدِ امجد مولانا محبوب عالم کے معیار پر پورے اُترے اور ثابت کر دیا کہ اس خانقاہ کی جانشینی کے لیے ان کا اِنتخاب برحق تھا۔

مسند نشینی

حضرت مولانا محبوب عالم کی وفات کے بعد خانقاہ کی جُملہ ذمّہ داریاں مکمل طور پر آپ کے کندھوں پر آ پڑیں۔ اگرچہ آپ مولانا علیہ الرحمۃ کی زندگی ہی میں خانقاہ کے بہت سے معاملات میں مولانا کے حسبِ الحکم توجّہ دیا کرتے تھے مگر مولانا کے وصال کے بعد تو آپ کو جُملہ اُمور سے بحسن وخوبی عُہدہ برآ ہونا تھا۔ درویشوں کی تواضع، مریدوں کی طمانیتِ قلب، مہمانوں کے قیام وطعام سمیت بہت سے مسائل اب ہمہ تن آپ ہی کی خاص توجّہ کے متقاضی تھے۔ آپ نے ان معاملات پر توجّہ دینی شروع کی تو آپ کو احساس ہُوا کہ یہاں کا سب سے بڑا مسئلہ ہی یہی ہے کہ اس خانقاہی صُوفیانہ معیار اور مزاج کو قائم رکھا جائے جو داتا شاہ جمال نُوری سے مولانا محبوب عالم تک قائم ہو چکا ہے۔ اس مزاج کو قائم رکھنے کے لیے غیر معمولی سادگی و بے ریائی۔ درویشی واستغنا، حلم و بُردباری اور زُہد و توکّل کی ضرورت تھی جو اسلاف کے وقتوں سے چلا آ رہا تھا۔ اور پھر وقت نے ثابت کر دیا کہ مولانا غلام جیلانی ان صفات پر پُورے اُترے، اور اُنھوں نے زندگی بھر خانقاہ کے وقار اور یہاں کے مشائخ کے مقام کو کسی صُورت بھی فروتر نہ ہونے دیا۔

مولانا محبوب عالم آپ کے استاد اور دادا ہی نہیں تھے بلکہ رُوحانی مُرشد بھی تھے۔ جب تک مولانا محبوب عالم حیات رہے، آپ نے ان کی ہر ممکن خدمت

Marfat.com

بجالانے کی کوشش کی۔ اور مولانا کے احکام کو ہمیشہ عبادت کا درجہ دیتے ہوئے قبول کیا۔
مولانا محبوب عالم کی اہلیہ محترمہ کہ جنہیں آپ اماں جی کہتے تھے آپ پر نہایت مہربان تھیں اور شفقت وعنایت سے پیش آیا کرتی تھیں۔ آپ اس بزرگ و محترم خاتون کا اس درجہ احترام کرتے اور ان سے اس درجہ عقیدت و عجز سے پیش آتے کہ بیان سے باہر ہے۔ مولانا محبوب عالم کی اہلیہ نے اپنے نامور شوہر کی وفات کے بعد ہمیشہ مولانا غلام جیلانی کی رائے کو فوقیت دی اور خانقاہ کے نظام کو کامیابی سے چلانے اور ارادتمندوں کی تواضع اور مسافروں کی میزبانی کے لیے ہمیشہ آپ سے تعاون فرمایا۔ اماں جی مولانا محبوب عالم کی وفات کے بعد کافی عرصہ زندہ رہیں۔ مولانا غلام جیلانی نے اماں جی کے حضور احترام وعقیدت میں لحظہ بھر کمی نہ آنے دی، بلکہ ہمیشہ سر جھکا کر عاجزی وانکساری سے بات کرتے۔ اماں جی ان کے حسن سلوک پر ازحد خوش ہوتیں اور آپ کو ہمیشہ دعاؤں اور بہترین تمناؤں سے نوازا کرتیں۔
مولانا محبوب عالم کی وفات کے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ (اماں جی) جائیداد کی تقسیم کے لحاظ سے خانقاہ کے نصف حصے کی قانونی طور پر وارث اور مالک تھیں۔ ان کی مولانا غلام جیلانی سے شفقت و محبت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ جب زمین کے انتقال کا وقت آیا تو تحصیلدار بذاتِ خود خانقاہ میں پہنچا اور وارثوں میں جائیداد کی تقسیم کے لیے فریقین کو بلایا تو اماں جی نے فرمایا:
"میں اپنے حصے کا وارث غلام جیلانی کو قرار دیتی ہوں، کیونکہ یہ ازروئے اصولِ معرفت میرے محترم خاوند کا جانشین اور اس خانقاہ کا سجادہ نشین ہے۔"
اماں جی کی اس تائید و توثیق اور بھرپور اعتماد کی بدولت مولانا غلام جیلانی کی اماں جی سے عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی۔ اور مولانا کی راہ میں روڑے اٹکانے والوں کو بھی مایوسی وناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

Marfat.com

شادی

مولانا غلام جیلانی کی شادی شہر کی ممتاز مذہبی شخصیت مولانا علاءُ الدین[1] کی صاحبزادی سے ہُوئی۔ آپ کی اہلیہ محترمہ کا نام مریم بی بی تھا، جو نہایت زیرک، معاملہ فہم، سلیقہ مند اور وفا شعار خاتون تھیں۔ مذہبی شعائر پر سختی سے کاربند تھیں اور مسائل ضروریہ کا علم رکھتی تھیں۔ مولانا غلام جیلانی کی ازدواجی زندگی مطمئن و سرشار تھی، لیکن فرشتہ اَجل کو یہ رفاقت پسند نہ آئی اور مولانا کی رفیقہ حیات فقط ایک سال کی ازدواجی زندگی گزار کر آپ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جُدا ہو گئیں۔

شادی کے ایک سال کے بعد مولانا کے ہاں بچّی کی ولادت ہوئی۔ مگر اسی دوران میں آپ کی رفیقہ حیات کو شدید بیماری نے آلیا۔ یہی بیماری جان لیوا ثابت ہُوئی۔ معصوم بچّی بھی جانبر نہ ہو سکی اور وہ بھی زندگی کے چند لمحے گزارنے کے بعد ننھّی سی قبر میں پیوندِ خاک ہو گئی ؎

پھُول تو دو چار دن کھِل کر بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھِلے مُرجھا گئے

اگرچہ مولانا غلام جیلانی کی ازدواجی زندگی نہایت مختصر رہی اور آپ کی اہلیہ نے فقط ایک سال ہی آپ کی رفاقت میں بسر کیا مگر اس ایک سال کی رفاقت کی

---

[1] مولانا علاءُ الدین گوجرانوالہ کے نامور عالم دین تھے۔ آپ کے تلامذہ میں کئی معروف علماء شامل ہیں۔ آپ جامعہ محمدیہ چوک نیائیں کے بانی تھے۔ آپ نے اس وقت گوجرانوالہ میں علم و حکمت کے چراغ روشن کیے جب یہاں اسلامی علوم و فنون کی روشنی کی اشد ضرورت تھی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد جامعہ محمدیہ کا نظم و نسق سنبھال نہ سکی و ریہ مسجد انجمن اہلِ حدیث کی تولیّت میں چلی گئی۔ مولانا علاءُ الدین حضرت مولانا محبوب عالم سے دوستانہ اور مخلصانہ تعلّقات رکھتے تھے۔ یہی تعلّقات ان کی صاحبزادی سے مولانا غلام جیلانی کی شادی کی بِنا ثابت ہُوئے۔

Marfat.com

دلآویز اور پُربہار یادیں یُوں مولانا کا سرمایۂ حیات بن گئیں کہ مولانا نے پھر تادم زیست دوسری شادی نہ کی۔ اہلیہ کے ناگہانی انتقال کا آپ نے بہت زیادہ اثر لیا، اور طبعی وفطری تقاضوں کے تحت غمزدہ وافسردہ رہے۔ مگر جلد ہی زندگی معمول پر آگئی۔ خانقاہ کے معاملات، ارادتمندوں کے ہجوم اور عارفانہ ذمہ داریوں نے آپ کو نہایت مصروف کردیا۔ آپ نے ان ذمہ داریوں کے ہجوم میں بھی زندگی بھر اپنی اہلیہ کو فراموش نہ کیا اور ہمیشہ ان کے خصائل وعادات اور محاسن کا تذکرہ فرماتے ہوئے ان کے لیے دُعائے خیر فرماتے رہے۔ زندگی میں بہنوں اور بھائیوں کی طرف سے جب بھی دُوسری شادی کا تقاضا ہوتا تو یہ کہتے ہُوئے ٹال جایا کرتے کہ:

"خانقاہ میں آنے والے تمام ارادت مند اور احباب میرے عزیز اور میری زندگی کے ساتھی ہیں، یہ میرے بیٹے بھی ہیں اور بھائی بھی۔ ان کی خدمت وتواضع اور ان کی ضروریات پُورا کرنے کے بعد میرے پاس اتنا وقت کہاں بچتا ہے کہ میں دوسری شادی کے بارے سوچ بھی سکوں۔"

اور واقعی مولانا نے زائرین، مریدین اور عقیدت مندوں پر اس قدر توجہ دی کہ کسی اور طرف دھیان دینا ممکن ہی نہ رہا۔

خدمتِ درویشاں

مولانا غلام جیلانیؒ کے زمانۂ حیات میں خانقاہ قادریہ کے دروازے ارادت مند، حاجت مندوں اور اصحاب علم وفکر کے لیے ہمیشہ کُھلے رہتے تھے۔ آپ زائرین سے ہمیشہ کشادہ دلی، وسیع النظری، عالی ظرفی سے ملتے، ان کے معاملات سنتے، ان کے مسائل پر غور کرتے، ان کی مشکلات کو سمجھتے اور رُوحانی، مادی مشکلات کے خاتمہ کے لیے ہر ممکن تعاون

Marfat.com

اور امداد سے نوازتے۔ آپ کی حتی الامکان یہ کوشش ہوا کرتی تھی کہ اس خانقاہ میں آنے والا خالی ہاتھ جانے نہ پائے بلکہ گوہرِ مراد لے کر جائے۔

اس خانقاہ میں حاضری دینے والوں میں بیشتر اصحاب تو وہ ہوتے تھے جو فاتحہ خوانی کے لیے آتے اور پھر مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مقصود و مدّعا بیان کرتے اور آپ کی شفقت و عنایات کے حقدار بن کر واپس لوٹ جاتے۔ ان تمام حاضری دینے والوں کو حسب طلب عطا ہوتا تھا۔ آنے والوں میں ایسے حضرات بھی ہوتے جو رات گزارنے کے لیے یہاں ٹھہر جاتے اور پھر درویشوں کا ایسا حلقہ بھی موجود تھا جو یہاں مستقل قیام پذیر رہتا تھا۔ ان مستقل اور عارضی قیام کرنے والے درویشوں کی تواضع اور خدمت کے لیے آپ حتی المقدور کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔ خانقاہ کے وسائل اگرچہ اتنے زیادہ نہیں تھے مگر اس درویشِ کامل کا دل ان وسائل کی نسبت کہیں زیادہ کشادہ تھا، اس لیے حاضری دینے والا ہر شخص مطمئن اور دلشاد تھا

درویشوں اور زائرین کی خدمت بجالانا مولانا اپنا اعزاز تصوّر کرتے تھے۔ بہت سے امور اپنے ہاتھ سے انجام دیتے اور اس معاملے میں راحت اور سکون محسوس کرتے۔ خانقاہ میں آنے والوں کو خوش آمدید کہتے اور انہیں اپنا مہمان تصوّر کرتے ہُوئے ان کی تواضع و مدارات میں کوئی کمی واقع نہ ہونے دیتے۔ آپ کو ان مہمانوں کی خاطر اور رضاجوئی اس قدر محبوب تھی کہ تمام انتظامات کی خود نگرانی فرماتے۔ مہمانوں کی تواضع کے لیے رات رات بھر جاگتے اور دیکھتے کہ کسی مہمان کی خدمت میں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی یا کسی کو کوئی تکلیف تو لاحق نہیں ہے۔

آپ رات کا کھانا اس وقت کھاتے جب تمام درویش کھانا کھا چکتے اور یہ اطمینان ہو جاتا کہ کوئی مہمان بھوکا نہیں ہے۔ بعض اوقات رات کو کوئی مہمان نہ ہوتا تو آپ رات کا کھانا بہت دیر کر دیتے کہ کوئی مہمان شریکِ طعام ہو جائے۔ آپ مہمانوں اور درویشوں کی آمد کو اللہ کی رحمت اور اپنی خدمت کو عین سعادت تصوّر کرتے تھے۔ گرمی کے موسم میں اور خاص طور پر برسات کے دنوں میں چاروں طرف مچھروں کی فراوانی ہوتی تھی۔ اب تو

Marfat.com

خانقاہ کے چاروں طرف آبادی میلوں تک پھیل گئی ہے ۔اس دور میں دور دور تک کھیت ہوتے تھے اس لیے مچھروں اور مکھیوں کی بہتات ہو جاتی ۔آپ رات کو مورچھل اُٹھا کر ایک ایک درویش کی چارپائی کے پاس جاتے اور مچھر اڑایا کرتے ۔ درویش آپ کو یہ خدمت بجالاتے دیکھتے تو ازحد نادم و شرمسار ہوتے اور عرض کرتے :

"حضور خدارا یہ تکلیف نہ اُٹھایئے۔"

آپ یہ فرماتے ہُوئے اپنا معمول جاری رکھتے کہ "تمہاری خدمت بجالانا میرے لیے کارِ ثواب ہے ۔ مجھے اس ثواب کے حصول سے کیوں محروم کرتے ہو۔"

درویش صفت شاعر بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیر مرحوم آپ سے غیر معمولی محبت و عقیدت رکھتے تھے اور زندگی بھر آپ کی خدمت میں حاضری کو اپنا معمول بنائے رکھا وہ بیان کرتے ہیں : جب بھی حاضر ہوتا مولانا عنایات سے مستفیض ہُوئے بغیر واپس نہ آنے دیتے ۔چونکہ میری حاضری روزانہ کا معمول ہوتی تھی ، اس لیے بعض اوقات نادم ہوتا کہ خدمت کرنے کو حاضر ہوتا ہوں مگر خدمت کرواکر لوٹتا ہوں ۔ پھر مَیں نے یہ معمول بنایا کہ رات بارہ بجے کے قریب حاضر ہوتا کہ آپ آرام فرمارہے ہوں گے اور خدام بھی سو چکے ہوں گے لہٰذا اس مرتبہ ندامت سے بچ جاؤں گا ، مگر مَیں رات کو جب بھی حاضر ہُوا حضرت مولانا کو محوِ انتظار پایا ۔ مجھے دیکھتے ہُوئے فوراً میری مدارات کا حکم جاری فرمادیتے اور خود بھی پیش پیش رہتے۔ اس پر مَیں نے سوچا کہ جب رات گئے حاضری پر بھی عنایات اسی شدت سے جاری ہیں تو پھر میں تکلف کیوں کروں ، چنانچہ پھر میں بلا تکلف حاضر ہوتا اور آپکی عنایات کے سرچشمہ سے سیراب ہوتا۔

مولانا غلام جیلانی ڈاکٹر فقیر محمد فقیر سے بہت زیادہ لطف و کرم سے پیش آتے مگر آپ کا یہ انداز صرف ڈاکٹر صاحب ہی کے لیے مخصوص نہیں تھا ، بلکہ وہاں تو ابرِ عنایات برس رہا تھا کہ جو آیا فیضیاب ہوتا تھا۔ مولانا ہر ایک سے محبت و خلوص سے پیش آتے تھے اور آپ کی خدمت میں حاضری دینے والا ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ مولانا سب سے زیادہ مجھ پر ہی مہربان ہیں

Marfat.com

اور سب سے زیادہ میں ہی ان کی عنایات کا حقدار ہوں۔

مولانا کے عہدِ حیات میں خانقاہ قادریہ کی حیثیت محبت سرا کی ہوتی تھی کہ جہاں سبھی آپ کی محبت کی گھنیری چھاؤں تلے امن و سکون کی نیند سویا کرتے تھے۔ شب و روز میلے کا سماں رہتا تھا۔ رونق ہی رونق ہوتی تھی، صبح کو رونق، شام کو رونق، رات کو رونق۔ آنے والے آ رہے ہوتے، جانے والے جا رہے ہوتے۔ اہلِ نظر کا تانتا بندھا رہتا۔ خانقاہ میں لسی، شربت اور چائے بھی ملتی۔ کھانا بھی عطا ہوتا۔ بعض اوقات درویشوں کا ہجوم اس قدر بڑھ جاتا کہ رات کو خانقاہ کے سامنے بھی چارپائیاں بچھ جاتیں۔ مولانا ایک ایک کے پاس جاتے، اس کی ضروریات پوچھتے اور حسبِ تمنا عطا کرتے۔ جب سب کھانا کھا چکتے تو مولانا کے چہرے پر اطمینان و سکون کی جھلک ہویدا ہو جاتی اور کمالِ استغنا سے کسی خادم سے فرماتے: "بھئی! دو لقمے مجھے بھی لا دینا۔"

اکثر اوقات یہ سعادت محترم عاشق حسین جیلانی کو نصیب ہوتی۔ یہاں اپنے پرائے یار و اغیار، آشنا و غیر آشنا کی قید نہ تھی۔ خانقاہ کا ماحول سب کے لیے الطافِ بے کراں کا سرمایہ مہیا کرتا تھا۔ مہمانوں کی ضروریات اور ان کی خواہشات کا احترام آپ کو اس درجہ ملحوظ ہوتا تھا کہ ان کے منہ سے جو کچھ نکل جاتا اسے پورا فرماتے۔ بعض آنے والے کسی ایسی چیز کی فرمائش کر دیتے جو آسانی سے دستیاب نہ ہو سکتی تھی۔ آپ فوراً اس کے حصول کے لیے سرگرم ہو جاتے حتیٰ کہ مطلوبہ چیز مل جاتی تو آپ بڑے شوق سے وہ چیز مہمان کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ مہمانوں کے لیے وقت کی قید نہ تھی۔ ایسا بھی ہوتا کہ نصف رات کا وقت ہے کہ کوئی درویش کسی چیز کی فرمائش کر بیٹھا ہے، آپ بلا تاخیر خدام کو حکم کی تعمیل کے لیے روانہ کر دیتے اور اس وقت تک سکون سے نہ بیٹھتے جب تک طالب کی مراد پوری نہ ہو جاتی۔

شیخ ملنگ کا قیام

خانقاہ میں حاضری دینے اور مولانا غلام جیلانی کی عنایات سے بہرہ ور ہونے والوں

Marfat.com

میں صرف فرزانے اور خرد مند ہی شامل نہیں تھے بلکہ یہاں تو دیوانوں اور ہوش و خرد سے بیگانوں کو بھی نوازا جاتا تھا۔ یہ دیوانے بھی غضب کے ہوتے تھے۔ دُنیاوی علائق سے رشتہ توڑ دیتے، ظاہر داری اور ریاکاری کے لباس کو چاک چاک کر دیتے۔ دکھاوے کے تکلفات سے بے نیاز ہو جاتے، بناوٹ اور نمائش سے مادرزاد ہو جاتے، ہوش و خرد سے گزر جاتے تو پھر جنون کا غلبہ ہو جاتا اور دُنیاداروں کے نزدیک قابلِ سنگ زنی قرار پاتے۔ ایسے دیوانے کہ جن پر ہوش و خرد کی رفعتیں وار دی جائیں۔ ؎

انوکھی وضع ہے ان کی طریقے بھی نرالے ہیں   یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

یہ دیوانے نگری نگری گھومتے، صحرا صحرا کی خاک چھانتے، شہر شہر سے پتھروں کی سوغات سمیٹتے اور چاروں طرف گھوم کر بالآخر ان کو بھی اس خانقاہ کے دامن میں پناہ مل جاتی۔ یہ آتے تو پھر ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہو رہتے۔

مولانا غلام جیلانی کو قدرت نے کمال کا حوصلہ اور ظرف دیا تھا۔ فرزانوں کی خدمت کرتے کرتے جب دیوانوں کی خدمت کی باری آتی تو یہاں بھی تغافل یا کسی غفلت کا مظاہرہ نہ ہوتے دیتے بلکہ بڑی خندہ پیشانی سے انہیں خوش آمدید کہتے اور ان کی خواہشات کی تعمیل میں بچھ بچھ جاتے۔ کسی خرد مند کی آرزوؤں کی تکمیل تو ممکن ہے کیونکہ وہ اپنی عقل اور علم و شعور کی روشنی میں مراد مانگتا ہے۔ مگر دیوانوں کی تو اضع نہایت کٹھن امر ہے کہ کیا معلوم وہ کب کیا مانگ بیٹھیں اور کب کسی ناممکن الحصول چیز کے لیے ضد کر بیٹھیں۔ اور ایسا ہوتا بھی تھا۔ ان دیوانوں کے منہ سے بے وقت ایسی فرمائش نکل جاتی جسے پورا کرنا امرِ محال ہوتا مگر مولانا کا جذبہ ان کی خواہش کی تعمیل کر کے چھوڑتا۔

ایسے ہی ایک مجذوب صفت شیخ ملنگ تھے جن کا اس خانقاہ میں برسوں قیام رہا۔ ان کے متعلق مشہور تھا کہ یہ یُو۔ پی (بھارت) میں بہت بڑے افسر ہُوا کرتے تھے۔ امیرانہ وضع قطع تھی۔ اعلیٰ ٹھاٹھ باٹھ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے پاس ایک

Marfat.com

کیس آیا جس میں ایک غریب خدارسیدہ درویش کی زمین پر ایک بہت بڑا امیر آدمی قبضہ کررہا تھا۔ امیر نے اپنی حمایت میں بہت سے گواہ پیش کردیئے۔ جب کہ غریب فریق ایک گواہ بھی پیش نہ کرسکا۔ جب شیخ صاحب نے اس سے پُوچھا کہ تم بھی کوئی گواہ پیش کرو۔ تو وہ نہایت اطمینان وسکون سے بولا: "میرا گواہ تو میرا خدا ہے۔" اس کی یہ بات فوراً شیخ صاحب کے دل میں اثر کرگئی۔ اُنھوں نے غور سے اس درویش کی طرف دیکھا، تو پھر اس نے بھی دل میں اُتر جانے والی نگاہ ان پر ڈالی۔ یہ نگاہ ایسی بھرپُور تھی کہ پھر شیخ صاحب کے لیے نوکری کرنا ممکن نہ رہا۔ نوکری سے استعفےٰ دے دیا اور اسی درویش کی خدمت میں رہنے لگے۔ چند سال وہاں گزارے، گھر سے تعلق چھوٹ گیا۔ دُنیا ایک فسانہ معلوم ہونے لگی۔ جی اُچاٹ ہوگیا اور جذب ومستی میں ہی معرفتِ خداوندی کے اسرار ڈھونڈنے لگے۔ پھر اسی درویش کے حکم پر شیخ ملنگ (دُنیا اب انہیں شیخ ملنگ کے نام سے پُکارنے لگی تھی) گوجرانوالہ آکر مولانا غلام جیلانی کی خانقاہ میں مقیم ہوگیا۔

اس خانقاہ میں شیخ ملنگ کا قیام دس بارہ سال رہا۔ اسی دوران میں ایک دن شیخ ملنگ کے بیوی بچے انہیں ڈھونڈتے ہُوئے خانقاہ میں آگئے اور واپسی کی استدعا کی مگر شیخ ملنگ نہ مانا۔ اس کی بیوی نے مولانا غلام جیلانی سے درخواست کی کہ آپ ہی اس سلسلہ میں ہماری معاونت کیجیئے۔ مُولانا نے شیخ ملنگ سے کہا تو اس نے بیوی کو مخاطب کرتے ہُوئے کہا:

"گھر بار، جائیداد، سب کچھ تمہارے پاس ہے گزارہ کرلو۔ اگر علیحدہ گھر بسانا چاہتی ہو تو مَیں اس کی اجازت دینے کو تیار ہوں۔ مَیں اب وہاں پہنچ گیا ہُوں کہ اب میرے لیے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔" وہ خاتون روتی ہُوئی اپنے بچّوں کو لے کر واپس اپنے وطن چلی گئی۔

عام حالات میں شیخ ملنگ گُم صُم بیٹھا رہتا تھا، مگر جب کسی بات پر غصّہ آجاتا تو

Marfat.com

زور زور سے گرجتا اور پھر اپنے آپ کو مکے مارتا۔ مولانا غلام جیلانیؒ کی پوری پوری کوشش ہوتی تھی کہ شیخ کو غصہ نہ آئے۔ شیخ ملنگ نے عجیب طبیعت پائی تھی کہ رات کے بارہ بج جاتے تو کسی چیز کی فرمائش کر دیتا اور پھر کہتا کہ وہ چیز مجھے ہر صورت درکار ہے مولانا فوراً شیخ کی خواہش کی تکمیل کے لیے سرگرم ہو جاتے۔ آپ نے احباب کو بھی یہی تلقین کر رکھی تھی کہ شیخ کی ہر بات کو ہر حال میں پورا کرنا ہے۔ ایک دفعہ آدھی رات کے وقت شیخ ملنگ نے کھیر کی فرمائش کر دی کہ "مولانا کھیر لاؤ"۔ مولانا نے بہت کوشش کی مگر کسی دکان سے کھیر نہ ملی۔ ادھر شیخ برابر ضد کرتا رہا کہ "مولانا کھیر لاؤ۔ مولانا کھیر لاؤ"۔ کچھ ہی دیر بعد سیالکوٹ سے ایک خاتون کھیر کا پتیلا سر پر اُٹھائے خانقاہ میں حاضر ہو گئی۔ اس خاتون نے شام کو بڑے اہتمام سے کھیر پکائی تھی اور اب خانقاہ میں لے آئی تھی۔ وہ خاتون اور اس کا تمام خاندان اس خانقاہ سے ارادت رکھتے تھے۔ مولانا نے کھیر دیکھی تو شیخ ملنگ سے کہنے لگے: "شیخ صاحب کھیر تو آپ نے خود منگوالی ہے، ہمیں ناحق کیوں مشقت میں ڈال رکھا تھا"۔

شیخ ملنگ کو اس خانقاہ سے خصوصی اُنس تھا اس لیے یہاں اتنے برس گزار دیئے۔ ایک مرتبہ شیخ ملنگ بہاولنگر چلا گیا۔ کچھ عرصہ وہاں مقیم رہا۔ جب واپس آیا تو خانقاہ کے بجائے کسی ارادت مند کے ہاں ٹھہر گیا۔ مولانا کو معلوم ہوا کہ شیخ شہر میں آگیا ہے تو فوراً احباب سے کہا کہ چلو ہم مِل آتے ہیں۔ جب مولانا شیخ کے پاس پہنچے تو وہ دُنیا و مافیہا سے بے خبر حالتِ مراقبہ میں تھا۔ مولانا نے السلام علیکم کہا تو اس نے سر اُوپر اُٹھایا، جی بھر کر دیکھا اور پھر نظریں جھکا کر اپنی دُنیا میں گُم ہو گیا۔ مولانا کافی دیر وہاں بیٹھے رہے اور پھر چلے آئے۔

شیخ ملنگ نے منڈی بہاءُالدین میں وفات پائی، مولانا کو اس کی وفات کا علم ہوا تو فوراً اس کی قبر پر جا کر فاتحہ خوانی کی۔ اسی طرح خانقاہ میں ایک اور مست ملنگ

Marfat.com

ہوا کرتا تھا، جو مجذوب تھا اور موسیقی کی طرز پر لفظ "ڈگدگا" کی تکرار کیا کرتا تھا۔ مولانا اپنے مزاج کے مطابق احباب کو تلقین کیا کرتے تھے کہ اسے ہر طریق سے خوش رکھا جائے اور اس کی کسی بات کو رد نہ کیا جائے۔ مولانا خود اس کے چہرے کو صاف کرتے اور اس کا دھیان رکھا کرتے۔ ایک مرتبہ آدھی رات کو اچانک "ڈگدگا" مجذوب رونے لگا۔ اس کے رونے میں شدت پیدا ہو گئی، تو مولانا نے خدام سے کہا کہ پانی میں شکر گھول کر شربت بنا کر اسے پلا دو۔ سردی کا موسم تھا۔ آدھی رات کا وقت تھا، سب حیران رہ گئے۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ شربت پیتے ہی ڈگدگا خاموش ہو گیا اور مطمئن ہو کر سو گیا۔

مولانا خود بھی درویشوں اور مجذوبوں کی خدمت کرتے تھے اور ساتھیوں کو بھی ان کی اطاعت گزاری کی تلقین کر رکھی تھی۔ ایک دفعہ ڈگدگا مجذوب نہانے لگا تو میاں فضل چک ۴۲ والے پانی ڈالنے لگے۔ یہ پانی ڈالتے گئے اور وہ نہاتا رہا۔ کافی دیر گزر گئی آخر پانی ڈالتے ڈالتے یہ تھک گئے مگر وہ غسل خانے سے باہر نہ نکلا بلکہ فضول پانی بہاتا رہا۔ بالآخر وہ غسل خانے سے برہنہ باہر نکل آیا۔ میاں صاحب کو غصہ آ گیا اور اس مجذوب کو سخت سست کہا۔ مولانا غلام جیلانیؒ کو علم ہوا تو میاں صاحب کو پاس بلایا اور فرمانے لگے:

"عقلمندوں سے سب نباہ کر لیتے ہیں کمال تو یہ ہے کہ ان مجذوبوں سے نباہ کر کے دکھایا جائے۔ اگر ہم نے اسے نکال دیا تو اسے کون سنبھالے گا۔"

میاں صاحب نے معذرت کی کہ آئندہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ پھر آپ نے اس مجذوب سے کہا کہ شرم و حیا کیا کرو۔ آپ اس مجذوب کو پاس بٹھا کر کھلاتے، منہ دھلاتے، حقہ تازہ کر کے سامنے رکھتے۔ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے۔ دیکھنے والے مولانا کو ان بیگانہ صفت درویشوں کی خدمت کرتے دیکھتے تو حیران رہ جاتے اور انہیں بصیرت عطا ہو جاتی کہ زندگی اسی کا نام ہے۔ کہ درماندہ و خستہ حالوں کے کام

Marfat.com

آیا جائے: ؎ نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

ایک ضعیف العمر مجذوبہ بھی بہت عرصہ خانقاہ میں قیام پذیر رہی۔ مولانا نے مریدین کو کہہ رکھا تھا کہ مائی صاحبہ جو کہیں اس کی تعمیل ہونی چاہیے۔ مریدین نے مولانا کے حسب حکم مائی صاحبہ کا پُورا پُورا خیال رکھا۔ مولانا خود بھی مائی صاحبہ سے کہا کرتے کہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ۔ اور پھر وہ جو کچھ کہتی اسے پُورا کر کے رہتے۔

مولانا کے پاس جہاں فرزانے اپنی متاعِ عقل و خرد لے کر آتے تھے وہاں دیوانے بھی سرمایہ جنوں لے کر حاضر ہوتے تھے۔ فرزانوں اور دیوانوں کے ہجوم میں گھِر کر مولانا سرخوش و سرشار رہتے۔ ان کو کبھی کسی نے ان کی خاطر داری، تواضع یا مدارات کے معاملے میں غصہ میں آتے یا ناراض ہوتے نہیں دیکھا۔ بھرپور کوشش کرتے کہ کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اور اگر کبھی مجبوری کی بنا پر کوئی کمی رہ جاتی تو اس پر سخت افسوس کرتے اور اسے اپنی کوتاہی سمجھتے اور کوشش کرتے کہ آئندہ یہ کوتاہی نہ ہونے پائے۔ مولانا کی سیرت کا یہ پہلو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے بھی دُنیا والوں سے الگ ہو کر اپنی علیحدہ دُنیا بسا رکھی تھی۔ ایسی دُنیا کہ جس میں محبت ہی محبت تھی، خلوص ہی خلوص تھا جس میں نفرت کا گزر نہیں تھا بلکہ ہر آن اخلاص کی خوشبو پھیلتی رہتی تھی۔

عادات و خصائل

آپ کی طبیعت میں حلم و تواضع اور مروّت و استغنا بدرجۂ اتم موجود تھے۔ سوالی کو خالی ہاتھ واپس لوٹانا انہیں کسی صورت بھی منظور نہیں ہوتا تھا۔ کوشش فرماتے کہ آنے والا جو حاجت لے کر آیا ہے وہ پُوری کی جائے۔ آپ خلق و وفا اور مہر و مروّت کی تصویر تھے۔ جو آپ کے پاس ایک مرتبہ آتا ہمیشہ کے لیے آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے

Marfat.com

خوشہ چینی کرنے لگتا۔

یُوں تو آپ سب کے لیے سراپا اخلاص تھے لیکن بچّوں سے خاص طور پر شفقت سے پیش آتے۔ خود بڑھ کر بچّوں کو سلام کرتے، انہیں دُعاؤں سے نوازتے۔ بچّے خانقاہ میں آتے تو بہت جلد مانوس ہو جاتے اور دیر تک کھیلتے رہتے۔ آپ بچّوں کو انعامات سے نوازتے۔ بچّوں سے خصوصی شفقت کرتے ہُوئے فرمایا کرتے کہ بچّے ہماری نسبت زیادہ خوش قسمت ہیں کہ ان کا دامن ابھی گناہوں سے آلودہ نہیں ہوا۔

آپ ماہِ صیام سے پہلے شعبان کے مہینہ میں پندرہ دن مسلسل روزہ رکھتے اور روزہ بھی آٹھ پہر کا رکھتے، ماہِ صیام کی پابندی خود بھی کرتے اور دوسروں سے بھی کرواتے ماہ صیام گزر جاتا تو ہر جُمعہ کو روزہ رکھنے کا معمول پھر سے جاری ہو جاتا۔

ظہر کی نماز عام طور پر ملیاں والے کھوہ پر واقع چھوٹی سی کچّی مسجد میں ادا کرتے۔ کیونکہ آپ کے مُرشد حضرت مولانا محبوب عالم بھی وہیں ظہر کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ نماز عصر اور بقیہ نمازیں اپنی مسجد ہی میں ادا فرماتے۔ نمازِ ظہر کے فوراً بعد خانقاہ شریف میں وظیفہ کی ادائیگی کے لیے بیٹھ جاتے۔ یہ روحانی وظیفہ آپ کے معمولات کا لازمی جزو تھا۔ عصر کے قریب وظیفہ ختم ہو جاتا اور آپ اُٹھتے تو چہرے پر جلال و جمال کی کیفیت طاری ہوتی۔ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ چہرہ منوّر ہوتا اور رعب و جلال چہرے سے یُوں آشکارا ہوتا کہ کسی کی ہمّت ہی نہ پڑتی کہ آپ کا سامنا کر سکے۔ سب چُھپتے پھرتے۔ حتیٰ کہ آپ خود ہی سب کو باری باری آواز دیتے اور خلوص و عقیدت کا دَور پھر سے شروع ہو جاتا۔

طبیعت میں حد درجہ سادگی و انکساری تھی۔ ہمیشہ تکلّفات سے گریز کرتے ہُوئے خود بھی سادہ زندگی بسر کی اور دوسروں کو بھی ایسی ہی سادہ زندگی کی تلقین فرمایا کرتے۔ آپ کو ریاکاری، فریب اور نمائش و تصنّع سے سخت نفرت تھی۔ کبھی دوسروں کے سامنے اپنی بڑائی بیان نہ کی۔ اگر دوسرا آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہوتا تو اسے ٹال جاتے یا ٹوک

Marfat.com

دیتے۔ اپنے مریدین اور دُوسرے نیاز مندوں کو کبھی پیروں یا پیشواؤں جیسی شان سے نہیں بلایا بلکہ آپ انہیں اپنا بھائی تصوّر کرتے۔ دوسروں کے لیے دُعا بھی کرتے اور ان سے دُعا کے طالب بھی ہوتے۔

خود نمائی آپ کو کسی صُورت بھی پسند نہیں تھی۔ اپنے احباب اور مریدین کے ساتھ برابر ہی بیٹھ جاتے کبھی بھی یہ پسند نہ فرمایا کہ دُوسروں سے ممتاز یا سر بلند ہو کر بیٹھیں۔ ایک مرتبہ آپ چوکی پر بیٹھے تھے۔ سامنے اور کئی چوکیاں پڑی تھیں۔ دُوسرے حضرات آئے تو آپ نے انہیں چوکیوں پر بیٹھنے کو کہا۔ انہوں نے ادب سے عرض کیا، حضور ہم آپ کے برابر کس طرح بیٹھ سکتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی سب کے سب زمین پر صف پر بیٹھ گئے۔ آپ بھی فوراً چوکی سے اُٹھے اور ان کے برابر صف پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ:

"اگر تم مجھ سے مزید نیچے ہونا چاہتے ہو تو بے شک ہو جاؤ۔"

مریدین خاموش ہو گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"ہم سب برابر ہیں۔ اسلام ہمیں ایسی تفریق یا امتیاز سے منع کرتا ہے جس کی بدولت طبقہ بندی ہو یا کوئی آدمی دُوسروں سے بالاتر یا سر بلند نظر آئے۔ تم سب میرے بھائی ہو تو پھر یہ امتیاز کیسا۔"

آپ کو غصہ بہت کم آتا تھا، مگر جب آتا تو شدید آتا اور پھر بہت جلد اُتر جاتا۔ آپ جس پر ناراض ہو رہے ہوتے اس سے معذرت طلب کر لیتے۔ اس ضمن میں یہ امر خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ آپ کا غصہ بلا وجہ نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ اس کا مقصد کسی کو کارِ بد سے روکنا اور سیدھے راستے پر گامزن کرنا ہوتا تھا۔ جس کو ایک بار اپنا کہا اسے زندگی بھر اپنائے رکھا۔ دولت و ثروت کا کبھی بھی دل میں خیال نہ آیا۔ جو کچھ بھی ملتا اسے خیرات کر دیتے یا حاجت مندوں اور مہمانوں پر صرف کر دیتے۔ کبھی روپیہ جمع نہ کیا بلکہ اسے ہمیشہ ہاتھ کا میل سمجھا اور حاجت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کو ہمیشہ مقدم جانا۔ جب روپیہ ختم

Marfat.com

ہو جاتا اور لنگر کا خرچ تقاضا کرتا تو لنگر کے لیے قرض لے لیتے جس کی ادائیگی بلا تاخیر کر دیا کرتے۔ آپ نے اپنے لیے کوئی مکان نہ بنوایا نہ ہی کوئی اور جائیداد چھوڑی۔ آپ کی پہلی اور آخری متاعِ عزیز خانقاہ قادریہ تھی۔ یہی آپ کی زندگی تھی اور یہی آپ کی کائنات تھی۔ مہمانوں اور درویشوں کے درمیان گھل مل کر یوں محسوس کرتے جیسے اپنے خاندان کے افراد میں بیٹھے ہوں۔ اور واقعی آپ نے اپنے صُوفیانہ طرزِ عمل اور درویشانہ بُود و باش سے ثابت کر دیا کہ خانقاہ کے ماحول میں کوئی کسی سے برتر نہیں ہے اور خاندان کے ایک فرد کی عظمت دُوسرے کی سربلندی سے عبارت ہے۔

گفتگو میں عاجزی و انکساری ہوتی، جس سے ملتے اسے اپنے سے بلند تر ہونے کا تاثر دیتے۔ پیروکوٹ (آستانہ حضرت سخی احمد یار رحمۃ اللہ علیہ) اور دربار عالیہ قادریہ (بازار خراداں والا) سے کوئی شخصیت خانقاہ میں آجاتی تو اسے سر آنکھوں پر بٹھایا کرتے۔ صاحبزادہ میاں محمد بشیر قادری عباسی مرحوم (سجادہ نشین حضرت غوث العصر) تشریف لاتے تو انہیں پُورے احترام سے بٹھاتے۔ حالانکہ میاں صاحب مرحوم حضرت مولانا غلام جیلانی سے عُمر میں چھوٹے تھے اور مولانا غلام جیلانی کی خانقاہ ان کے اسلاف کا پیر خانہ تھی، مگر مولانا جیلانی اس کے باوجود ان کے ساتھ تکریم و محبت سے پیش آتے اور میاں صاحب قبلہ کے منع کرنے کے باوجود ان کی تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔

مولانا غلام جیلانی کی شخصیت میں ایسی کشش اور جاذبیت تھی کہ صرف عوام النّاس ہی حاضر نہ ہوتے بلکہ علماء و فضلاء اور مشائخ و صُوفیا بھی حاضر ہوتے تھے۔ مولانا غلام جیلانی سب کے ساتھ محبت و خلوص سے پیش آتے اور حسبِ توفیق سب پر اپنے پیار کی چھاؤں کر دیتے۔ کئی درگاہوں اور آستانوں کے سجادہ نشین بھی آیا کرتے۔

کرتو شریف کی ممتاز رُوحانی شخصیت حضرت سیّد غلام حیدر شاہ جو کہ حضرت مولانا محبوب عالم کے شاگردِ رشید تھے، مولانا غلام جیلانی کی زندگی میں اکثر تشریف لایا کرتے تھے۔ ان کو یہاں

Marfat.com

کے درودیوار سے عشق تھا کہ یہاں ان کے استادِ محترم کی مہک رچی ہوئی تھی۔ جب سیّد غلام حیدر شاہ آجاتے تو پھر مولانا کی تواضع اور مہمانداری ان کا راستہ روک لیتی اور ہفتوں تک جانے کا نام نہ لیتے۔ سیّد غلام حیدر شاہ کے صاحبزادے سیّد پیر محمد حسین کا بھی یہی معمول رہا اور وہ بھی آتے تو کئی کئی روز تک مولانا کے دسترخوانِ نعمت سے فیضیاب ہوتے۔ ایک مرتبہ سیّد غلام حیدر خانقاہ میں آئے تو مولانا کے نیازمند ماسٹر طالب حسین حُقے کا ملکو بنا رہے تھے۔ پیر حیدر شاہ نے پُوچھا کیا کر رہے ہیں؟ تو ماسٹر صاحب نے کہا کہ بتانے سے کیا فائدہ، آپ نے کون سے اس پر اشعار کہنے ہیں۔ اس پر پیر غلام حیدر نے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے:

حُقّی شہر گوجرانوالے وچوں آندی بنی ہوئے کسے استاد کاردی اے
نیچی ایس نے خوب چھب رہی جیہڑی لائق اس دے مقدار دی اے
حق حق دا ذکر ایہہ کرے ایسا جاندیاں رہیاں نُوں پئی کھلار دی اے
پیسے تھوڑے جیہے لگ کے موج بن گئی ریجھ پُوری ہوگئی طالب یار دی اے

مولانا غلام جیلانی کی خدمت میں باقاعدگی سے حاضری دینے والوں میں ایک اہم نام ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کا ہے جن کا حوالہ ہم پہلے بھی دے چکے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب پنجابی زبان کے نامور شاعر، سکالر اور نقاد تھے۔ آپ کو صُوفیاء سے غیر معمولی لگن اور عقیدت تھی جب بھی موقع ملتا، آپ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دیر تک بیٹھے تصوّف، روحانیت اور دُوسرے موضوعات پر گفتگو کرتے رہتے۔ ڈاکٹر صاحب کو ان کی شعری خدمات کی بنا پر بابائے پنجابی کہا جاتا ہے۔ وفات کے بعد آپ کو دربار حضرت مبارک شاہ کے احاطہ میں دفن کیا گیا۔

جُود و عنایت

مولانا غلام جیلانی کو قدرت نے جُود و سخا کی عادتِ حسنہ عطا کر رکھی تھی۔ آپ ہمیشہ

Marfat.com

کوشش کرتے کہ آپ کی ذات سے دُوسروں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے محفل میں ہوتے تو خود خاموش رہتے اور دوسروں کو نمایاں کرتے کسی حقدار کی حق تلفی نہ ہونے دیتے بلکہ مانگنے والے کا خاموش اشارہ سمجھ کر عطا کر دیتے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ نیا لباس سلوایا تو کسی نے سوال کر دیا، فوراً یہ لباس ہی اس کو بخش دیا۔ جب حاجتمند کو اس کی طلب کے مطابق عطا کر چکتے تو از حد مسرور ہوتے، کئی مرتبہ ایسا بھی ہُوا کہ آپ نے سردی کے موسم میں گرم شال اوڑھ رکھی تھی، کسی نے تعریف کر دی کہ ماشاء اللہ کیا خوب شال ہے۔ آپ نے فوراً وہ قیمتی شال یہ کہتے ہُوئے اس کے حوالے کر دی کہ اب یہ تمہاری ہے۔

بعض اوقات کسی کو چادر عطا کرنا ہوتی تو اسے کہتے کہ اوڑھ کر دکھائے، وہ اوڑھتا تو فرماتے کہ تمہیں خوب سجتی ہے اور اس کے ساتھ ہی چادر اس کی ملکیت میں دے دیتے۔ یہ تو فقط عطا کرنے کے بہانے ہوتے تھے۔ دینے والے کو اس طرح عطا کرتے کہ اُسے احسان معلوم نہ ہو۔ اور پھر کبھی بھُول کر بھی عطا کردہ بنے والی چیز کا تذکرہ اپنے لبوں نہ لاتے کہ کہیں کسی کو ممنونِ احسان نہ ہونا پڑے۔

آپ کو اسلاف کی عظمت ہر لحظہ عزیز رہتی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ مَیں تو اپنے اسلاف کی عظمتوں کا امین ہُوں۔ میری تو یہی دُعا رہتی ہے کہ خدا مجھے اسلاف کی روایات کو زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ کی عنایاتِ کریمانہ بھی اسلاف کی عظمتوں کو زندہ رکھنے کا بہانہ ہوتی تھیں۔ اور آپ کی کوشش ہوتی تھی کہ اس خانقاہ میں آنے والا کوئی زائر مہمان یا درویش کھانا کھائے یا حسبِ توفیق کچھ حاصل کیے بغیر واپس نہ جائے۔ آپ کی طبیعت میں جُود و عنایت کا احساس کس قدر کار فرما تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جس کے راوی بابا محمد دین خادم دربار حضرت میاں میرؒ لاہوری ہیں۔

"مولانا غلام جیلانیؒ ہر سال باقاعدگی سے عُرس حضرت میاں میرؒ میں شرکت کے لیے لاہور آیا کرتے تھے۔ اِن دنوں دربار اوقاف نے نہیں

Marfat.com

لیا تھا۔ اور حضرت مخدوم سید سید علی مرحوم کی زیرِ نگرانی عُرس پُورے رُوحانی تزک و احتشام سے کئی دن مسلسل جاری رہتا تھا۔ مولانا غلام جیلانی صاحب سجادہ نشین مخدوم صاحب کے ہمراہ ان کمروں میں (کہ جہاں اب اوقاف کا دفتر ہے) تشریف رکھتے۔ عرس کے ایّام میں آپ کی حیثیت نہایت امتیازی ہوتی تھی، عُرس کے ایّام کا تذکرہ ہے۔ مولانا غلام جیلانی برآمدہ میں تخت پوش پر لیٹے آرام کر رہے تھے۔ وہاں سے اُٹھے اور کمرے کے اندر جا کر رونے لگے۔ اسی دوران میں مجھے مخدوم صاحب نے کسی کام سے مولانا کے پاس بھیجا۔ مَیں نے مولانا کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو خیال کیا کہ شائد ہم سے کوئی گستاخی ہوئی ہے یا مولانا کسی تکلیف کی بنا ء پر آزردہ ہیں۔ مَیں نے بڑے ادب سے مولانا سے آزردگی کا سبب دریافت کیا تو مولانا نے پہلے تو مجھے ٹالا مگر جب میرا اصرار بڑھتا گیا تو فرمانے لگے کہ کچھ دیر قبل میں لیٹا ہوا تھا تو ایک شخص ازراہِ عقیدت آیا اور میرا جسم دبانے لگا۔ مَیں نیم خوابی کے عالم میں تھا اور کروٹ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ اس شخص نے چوری کی نیت سے میری جیب ٹٹولی مگر چونکہ اس طرف کی جیب میں پیسے نہیں تھے اس لیے اسے ناکامی ہُوئی۔ میری پیسوں والی جیب جسم کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ جب اس شخص کو کچھ نہ ملا تو وہ مایوس ہو گیا۔ مَیں نے سوچا کہ یہ چور شائد ضرورت مند ہو اور خالی کیوں جائے۔ چنانچہ مَیں نے کروٹ بدلنے کے بہانے وہ جیب اُوپر کر دی جس میں روپے تھے اور بدستور آنکھیں بند کیے پڑا رہا۔ میرے کروٹ بدلنے کا اس شخص نے غلط مطلب لیا اور سمجھا کہ میں جاگ گیا ہُوں۔ چنانچہ وہ شخص خالی ہاتھ وہاں سے چلا گیا ——— وہ تو چلا گیا مگر مجھے بدستور یہ ندامت آ رہی ہے کہ مَیں

Marfat.com

نے اس شخص کو خالی کیوں بھیج دیا۔ کیا خبر وہ کتنا ضرورت مند ہو اور ہاتھ پھیلا سکتا ہو۔"

شاید ایسے ہی کریم النفس انسانوں کے لیے شاعر نے کہا تھا کہ ؎

یُوں بھی کچھ لوگ انھیں لُوٹ کے لے جاتے ہیں
کچھ طبیعت بھی فقیروں کی غنی ہوتی ہے

اِصلاحِ احوال اور راہنمائی

صوفیائے کرام خانقاہیں اس لیے آباد کرتے ہیں کہ ان مراکز کی بدولت انہیں اصلاحِ احوال اور طالبانِ شوق کی روحانی تربیت کے مواقع میسر آتے ہیں۔ انداز بیشک جُدا ہوں مگر مقصد سب کا ایک ہی ہوتا ہے کہ مخلوقِ خُدا کو صراطِ مستقیم پر گامزن کر کے معرفتِ خداوندی عطا کی جائے۔ ان برگزیدہ نفوس نے اُمتِ اسلام کو معرفتِ خدا اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سوغات اس شان سے عطا کی کہ چاروں طرف ایمان کی روشنی پھیل گئی۔ حضرت مولانا غلام جیلانی کے پیشِ نظر بھی یہی عظیم مقصد تھا اور آپ بھی اس علاقہ میں رشد و ہدایت کے انوار لٹانا چاہتے تھے۔ آپ جس خانقاہِ قادریہ کے سجادہ نشین تھے وہ صدیوں سے ایمان و یقین کی رفعتوں کی پاسدار تھی۔ آپ کے اسلاف کی روایات صدیوں سے اس علاقے کی تاریخ کا حِصہ بنی نظر آتی تھیں، اس لیے آپ کی بھرپور کوشش تھی کہ ان روایات کا چراغ مدھم نہ پڑنے پائے۔

مولانا غلام جیلانی عام اصطلاح میں خطیب یا واعظ نہ تھے۔ آپ نے کبھی تقاریر یا مواعظ کی صُورت میں ارادت مندوں سے خطاب نہ کیا۔ کبھی پند و نصائح کا طویل سلسلہ شروع نہ کیا بلکہ آپ تو محفل میں زیادہ عرصہ خاموش رہ کر دوسروں کو بات کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقعہ دیا کرتے تھے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ تقاریر اس وقت تک

Marfat.com

بیکار ہوتی ہیں جب تک تاثیر نہ ہو۔ گویا تقاریر اور مواعظ کا حقیقی مقصود تاثیر ہوتی ہے۔

مولانا غلام جیلانی کی نگاہ پُرتاثیر تھی۔ بات ایسی کرتے کہ دلوں میں اُتر جاتی۔ تقاریر سے گریز تھا، مگر اہلِ دل کی محافل میں جب ضرورت سمجھتے کوئی بات اس مؤثر طریق سے کرتے کہ تسلیم کرتے ہی بنتی۔ مولانا بات اس انداز سے کرتے کہ سُننے والوں کو احساس تک نہ ہونے پائے کہ آپ نصیحت کر رہے ہیں۔ گلاب کے پھول کو جس نام سے بھی پکاریں وہ گلاب کا پھول ہی رہے گا۔ اسی طرح مولانا بے شک پند و نصائح کا عنوان دیے بغیر گفتگو فرماتے تھے، لیکن ان باتوں میں نصیحت اور تلقین کا ایسا اثر ہوتا تھا کہ مخاطب فوراً اسے دل و جان سے قبول کر لیتا تھا۔

آپ کا نصیحت کرنے کا انداز دوسروں سے جُدا تھا۔ اپنے عمل سے اہلِ نظر کو سبق دیتے کہ یُوں کرنا چاہیئے۔ پُوچھنے والوں کو جو سمجھانا ہوتا تھا وہ عملی طور پر کر کے دکھا دیتے تھے کہ اگر حقیقت کے متلاشی ہو تو پھر اس طرح کرو جس طرح میں کر رہا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ جو آپ کی صحبتوں کے مستقل ساتھی ہوتے تھے وہ آپ کے رنگ میں رنگے جاتے اور زندگی بھر کے لیے آپ ہی کا اندازِ حیات اپنا لیتے۔

آپ کا طریقِ زندگی دوسروں کے لیے نمونہ تھا۔ چھوٹے آتے تو انہیں اپنے برابر جگہ دیتے۔ احباب آتے تو خصوصی شفقت سے نوازتے۔ اور جب کوئی بزرگ ہستی تشریف لے آتی تو اس قدر احترام و توقیر کرتے اور اس عجز و انکساری سے ملتے کہ آنے والا نادم ہونے لگتا کہ مولانا کو ناجائز تکلیف دے رہا ہوں۔ مگر مولانا کی ایک ہی ضد ہوتی تھی کہ آپ احترام کے قابل ہیں لہٰذا آپ کا احترام مجھ پر فرض ہے۔

باوجودیکہ آپ بہت بڑے روحانی سجادہ نشین تھے، آپ نے دوسروں کو اپنی ذات پر فوقیت دی۔ بزرگوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت کر کے آپ اپنے نیازمندوں کو عملی تعلیم دے رہے ہوتے تھے کہ دیکھو میرا طریق فقیری ہے اس میں تہذیبی

Marfat.com

اقدار کی بلندی ہے، اور اسی کی بدولت فوز و فلاح ممکن ہے۔

مولانا غلام جیلانی صحیح معنوں میں درویشی و فقر کی تصویر تھے، ایسے درویش خدا مست کہ جن پر دُنیا کی امارت فدا کی جا سکتی ہے۔ ایسے فقیر خود دار کہ کبھی کسی کے سامنے ذاتی خواہشات کی تکمیل کے لیے سوال نہ کیا۔ خانقاہ میں جو آتا تھا وہ لنگر کے خرچ اور مہمانوں اور درویشوں کی خدمت پر اُٹھ جاتا تھا۔ جب آمدن نہ رہتی تو قرض لے لیتے کہ درویشوں اور مہمانوں کی مدارات میں کسی صورت بھی کمی نہ آنے پائے۔ حتیٰ کہ جب آپ کا وصال ہوا تو اس وقت بھی آپ کے پاس سے ایک روپیہ بھی برآمد نہ ہوا بلکہ لنگر اور خانقاہ شریف کے خرچ کے لیے کئی حضرات سے لیا ہوا قرض ادا کرنا تھا جو آپ کے حسبِ وصیت بہت جلد ادا کر دیا گیا۔

آپ کی سادگی میں اسلاف کی بے ریائی کی جھلک تھی۔ ہمیشہ دوسروں کو خود پر ترجیح دی۔ جانِ محفل بننے کے بجائے محفل میں عام حیثیت کو ترجیح دی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ آپ کی یہی سادگی و بے نیازی آپ کا اعزاز بن جاتی تھی اور جہاں ہوتے وہاں مرکزِ توجہ فقط آپ ہی کی ذات ہوتی تھی۔ اس میں ارادے یا کوشش کو دخل نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ تو خدائے کریم کا فضلِ عظیم ہے کہ جب وہ بندگانِ خاص کو نوازتا ہے تو انہیں اپنے انعاماتِ دُنیوی و اُخروی کا حقدار بنا دیتا ہے۔

قدر و منزلت اور پذیرائی

چونکہ حضرت مولانا غلام جیلانیؒ کا تعلق ایک بہت بڑے روحانی خانوادے سے تھا اور اطراف و اکنافِ برِصغیر میں بالخصوص خطۂ پنجاب میں آپ کے اسلاف کی علمی و رُوحانی تب و تاب سے بے شمار اصحابِ نظر کے قلوب آباد اور روشن تھے، اِس لیے آپ جدھر بھی جاتے سر آنکھوں پر بٹھائے جاتے۔ آپ خانقاہ

Marfat.com

کو چھوڑ کر کہیں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ فقط دربارِ عالیہ حضرت میاں میرؒ قادری لاہوری کی زیارت کی تمنا آپ کے دل میں ہر آن مچلتی رہتی تھی۔ اور آپ کو جب بھی فرصت میسر آتی دربارِ عالیہ حضرت میاں میرؒ میں پہنچ جاتے تھے۔ وہاں کے سجادہ نشین حضرت مخدوم پیر سید عنایت علی شاہ مرحوم سے آپ کے گہرے تعلقات تھے۔ اس قدر گہرے کہ چند یوم کی جدائی بھی بوجھ محسوس ہونے لگتی۔ آپ لاہور جاتے تو مخدوم سید عنایت علی شاہ بڑھ کر آپ کو خوش آمدید کہتے اور آپ کی اس قدر پذیرائی اور قدر و منزلت کرتے کہ یوں نظر آیا کہ دربار حضرت میاں میرؒ کے اصل سجادہ نشین مولانا غلام جیلانیؒ ہی ہیں۔ اور جب مولانا وہاں چند روز قیام کے بعد واپس گوجرانوالہ آتے تو مخدوم صاحب چند روز بعد ہی اداس ہو جاتے یا تو خود گوجرانوالہ تشریف لے آتے یا مولانا کو جلد لاہور پہنچنے کا خط اور پیغام بھیجنے لگتے۔

مخدوم سید عنایت علی شاہ مرحوم کے بعد مخدوم پیر سید سید علی شاہ سجادہ نشین مقرر ہوتے تو ان کی مولانا سے محبت بھی دیدنی تھی۔ مولانا بھی ان سے حد درجہ پیار اور محبت کرتے۔ اس محبت میں شفقت بھی تھی اور اخلاص بھی۔ آپ مخدوم صاحب کو مشوروں سے بھی نوازتے اور اپنے پاس بلا کر ان کی میزبانی کا لطف بھی اٹھاتے۔ یہ اسی محبت کی خوشبو تھی کہ مخدوم صاحب کے صاحبزادگان مولانا غلام جیلانی ہی سے بیعت ہوئے۔ معاصر مشائخ اور صوفیاء مولانا غلام جیلانی کو کس قدر و منزلت کا مستحق سمجھتے تھے، اس ضمن میں ایک دو واقعات کا تذکرہ ہم کیے دیتے ہیں۔

مولانا غلام جیلانی ایک مرتبہ اپنے ایک مرید کے اصرار پر شرقپور تشریف لے گئے۔ آپ خانقاہ سے جدائی گوارا نہیں کرتے تھے، اس مرید کے بیٹے کی شادی تھی۔ مولانا جانا نہیں چاہتے تھے مگر شادی سے ایک روز قبل وہ مرید آپ کو لے جانے کے لیے خود حاضر خدمت ہو گیا اور استدعا کی کہ آپ ہمارے گھر میں زیادہ نہ ٹھہریں، فقط اپنے بابرکت قدم وہاں

Marfat.com

لٹکا دیں میں آپ کو فوراً واپس چھوڑ جاؤں گا۔ بالآخر مولانا مان گئے اور اس کے ہمراہ شرقپور چلے گئے۔ شرقپور شریف پہنچ کر آپ نے جس راستے سے گزر کر اپنے مرید کے ہاں پہنچنا تھا وہاں ایک مسجد تھی۔ وہ جمعۃ المبارک کا روز تھا اور اس مسجد میں جمعہ کا خطبہ ہو رہا تھا اور خطبہ دینے والے تھے شیرِ ربّانی حضرت قبلہ میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا غلام جیلانی مسجد میں داخل ہوئے تو میاں صاحبؒ نے تقریر چھوڑ دی، منبر سے اُترے، آگے بڑھے اور مولانا غلام جیلانی کا استقبال کرتے ہوئے ان سے منبر پر بیٹھنے کو کہا۔ شیرِ ربّانی حضرت شرقپوریؒ کی نگاہ باطن شناس تھی اور فوراً انسان کی ظاہریت سے گزر کر اس کے باطن تک رسائی حاصل کر لیتی۔ مولانا غلام جیلانی کی اس سے قبل حضرت میاں صاحب شرقپوریؒ سے کوئی ملاقات نہ تھی مگر اس پہلی ملاقات ہی میں میاں صاحب پہچان گئے کہ کوئی مردِ یگانہ مسجد میں داخل ہوا ہے۔ میاں صاحب کے اصرار کے جواب میں مولانا نے کہا کہ حضرت آپ مجھ سے زیادہ عالم و فاضل ہیں۔ اس کے جواب میں میاں صاحب نے فرمایا: "میں سب سمجھتا ہوں۔"

میاں صاحب کے اس جواب میں کئی اسرار پوشیدہ تھے۔ پھر میاں صاحبؒ نے حاضرینِ مسجد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! دُنیا خدا کی رحمت کی متلاشی ہوتی ہے۔ آج ان کی تشریف آوری کی صورت میں خدا نے ہم پر رحمت فرمائی ہے، ان کی زیارت کر لو۔"

میاں صاحب شرقپوری کے اس قول نے کئی حقائق واضح کر دیئے۔ مولانا غلام جیلانی کو کسی صورت گوارا ہی نہیں ہوتا تھا کہ ان کی ذات یا شخصیت پر گفتگو کی جائے مگر یہاں تو وہ شخص آپ کے بارے میں اظہارِ خیال کر رہا تھا جو خود دانائے راز تھا۔ جب مولانا غلام جیلانی مسجد سے رخصت ہوئے تو حضرت میاں صاحب شرقپوریؒ آپ کو خود رخصت کرنے کے لیے آئے اور دُور تک آپ کے ساتھ چلتے گئے اگرچہ مولانا نے بہت منع کیا اور رُکنے کی استدعا کی مگر

Marfat.com

میاں صاحبؒ نہ مانے اور کافی آگے جا کر آپ سے رخصت طلب کی۔

اسی طرح آپ کی حضرت قبلہ پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ اور امیرِ ملت حافظ پیر سیّد جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ سے اتفاقیہ ملاقاتوں کی روایات بھی مشہور ہیں۔ ان ملاقاتوں میں ان محترم حضرات نے آپ کو عنایات و محبت سے نوازا اور آپ کی شایانِ شان پذیرائی کی۔

آپ سے محبت و عقیدت رکھنے والوں میں ایک اہم نام معروف صوفی بزرگ حضرت مولانا محمد یٰسین کا ہے۔ مولانا محمد یٰسین نابیناؤں کی مسجد اور مدرسہ کے ناظم ہیں۔ جب مولانا محمد یٰسین قیامِ پاکستان کے بعد ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے اور گوجرانوالہ میں مقیم ہوئے تو انہوں نے حضرت مولانا غلام جیلانی کا رُوحانی شہرہ سُن کر آپ کی خدمت میں حاضری دی۔ مولانا غلام جیلانی کی خدمت میں حاضری کا یہ سلسلہ آپ کی وفات تک جاری رہا۔ کبھی کبھی مولانا غلام جیلانی بھی مولانا محمد یٰسین کی مسجد میں آجاتے۔ مولانا محمد یٰسین خانقاہ قادریہ میں ہفتہ عشرہ کے بعد ضرور جاتے۔ ان ملاقاتوں میں ان کے ہمراہ ان کے بھتیجے جناب پیر قمر علی خاں بھی موجود ہوتے۔ یہ تعلق بہت زیادہ بڑھ گیا۔ جب مولانا محمد یٰسین پہلی بار خانقاہ میں گئے تو مولانا غلام جیلانی نے انہیں واپسی پر ایک روپیہ خدمت میں پیش کیا جو انہوں بصد مسرت قبول کر لیا۔ یہ ایک روپیہ دراصل محبت اور خلوص کے رشتے کی علامت تھا۔ مولانا یٰسین جب بھی جاتے مولانا غلام جیلانی ایک روپیہ ضرور پیش کرتے۔ اس وضعداری میں زندگی بھر فرق نہ آیا۔ مولانا یٰسین ہر بار یہ روپیہ ایک نعمتِ گراں بہا کے طور پر لے لیتے اور بہت زیادہ مسرت و فرحت کا اظہار کرتے۔ یہ وضعداری و استواری اس وقت بھی قائم رہی جب مولانا غلام جیلانی کا وقتِ وصال آپہنچا۔ یہ مولانا یٰسین کی مولانا غلام جیلانی سے آخری ملاقات تھی۔ پیر قمر علی خاں اس ملاقات میں بھی مولانا یٰسین کے ہمراہ تھے، وہ بیان کرتے ہیں:

Marfat.com

"ہم ویسے ہی مولانا غلام جیلانی کی خدمت میں حاضری کے لیے پہنچے تھے یہ تو پتہ تھا کہ آپ کی طبیعت خراب ہے مگر یہ علم نہیں تھا یہ ہماری مولانا سے آخری ملاقات ہے۔ ہم جب مولانا علیہ الرحمہ کے قریب پہنچے تو وقتِ نزع تھا، سانس اکھڑ رہے تھے جب مولانا محمد لیسین آپ کی چارپائی کے قریب آ گئے تو مولانا غلام جیلانیؒ نے نگاہ بھر کر مولانا محمد لیسین کی طرف دیکھا۔ مولانا لیسین نے بھی نگاہوں میں خلوص و محبت کی شمع ہویدا کر کے مولانا غلام جیلانی کی طرف دیکھا۔ یوں نظر آنے لگا جیسے مولانا غلام جیلانی کی طبیعت کو قرار آنے لگا ہے۔ تقریباً دس منٹ تک دونوں حضرات ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

پھر مولانا غلام جیلانی نے اپنے مریدِ خاص عاشق جیلانی کو اشارے سے طلب کیا، وہ وہیں موجود تھے فوراً شیخ کے اشارے کی تعمیل میں آگے بڑھے تو مولانا غلام جیلانی نے مولانا لیسین کی طرف اشارہ کیا۔ مرید فوراً سمجھ گیا کہ شیخ کا کیا حکم ہے۔ آگے بڑھ کر ایک روپیہ مولانا لیسین کی خدمت میں پیش کیا۔ جسے مولانا محمد لیسین نے متاعِ عزیز سمجھتے ہوئے ادب و عقیدت سے جیب میں رکھ لیا۔ کچھ دیر بعد ہم نے اجازت طلب کی اور مولانا سے مصافحہ کیا۔ مولانا نے سلام کا جواب دیتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اجازت عطا کر دی۔ ہم واپس ہوئے تو مولانا کی دائمی جدائی کے تصور سے افسردہ و غمگین تھے کہ اب اس مشفق و صاحبِ دل درویش سے کبھی ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ ابھی ہم غم و اندوہ کی کیفیت میں کھیالی دروازہ کے قریب ہی پہنچے تھے کہ ہمیں معلوم ہو گیا کہ حضرت مولانا مولوی غلام جیلانی اس دارِ فانی سے دار البقا کی جانب کوچ کر گئے ہیں۔"

مولانا محمد لیسین نے گزشتہ دور کی حسین و ایمان افروز یادوں کو ذہن میں تازہ کرتے ہوئے کہا کہ "مجھے وہ روپیہ انتہائی عزیز ہے، میرے لیے اس کی حیثیت نہایت محترم اور متبرک ہے اور میں نے آج تک اسے ایک ولی کی یادگار سمجھ کر سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ مولانا غلام جیلانی کی محبت و شفقت کی یاد ہمیشہ میرے ذہن میں تازہ رہتی ہے۔

Marfat.com

جب ہم حاضر ہوتے تو کبھی خالی ہاتھ نہ آنے دیا۔ خدمت بھی کرتے اور دعاؤں سے بھی نوازتے۔ میرا ان سے تعلق محض خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر تھا۔ مولانا کی دوستی بھی خدا کے نام پر تھی۔ ان کے تعلقات انہی لوگوں سے تھے جو شعائرِ اسلامی کے پابند اور اصحابِ تصوّف تھے۔ جب میں ان کے پاس جاتا تو وہ سب سے زیادہ مجھے نوازتے، مجھے اپنے پاس بٹھا لیتے۔ مولانا غلام جیلانی بہت بڑے درویش اور صوفی کامل تھے۔ ان جیسی شخصیات اب کہاں ملتی ہیں۔ مولانا بڑھ چڑھ کر باتیں کرنے یا اپنی بڑائی اور عظمت بیان کرنے والے انسان نہیں تھے وہ تو دوسروں کو خوش دیکھ کر جیتے تھے۔ جب میرے پاس آتے تو بھی زیادہ تر خاموش رہتے۔ جب بھی گفتگو ہوئی خدا کی توحید اور خلقِ خدا کی بھلائی کے سلسلہ میں ہوئی۔ میں خانقاہ میں جاتا تو میرا مقصد زیارت ہوتا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اُٹھ کر آنے لگتا تو روک لیتے۔ دراصل مولانا مجلسوں اور محفلوں کے آدمی نہ تھے وہ تو دلوں پر حکومت کرنے والے بزرگ تھے۔ ان کی خاموشی بے ساختہ دلوں میں اُتر جاتی تھی۔ بات کرتے تو اس کا اثر سننے والے کے دل تک محسوس ہوتا مولانا غلام جیلانی کی شفقت زندگی بھر کے لیے میرا سرمایہ ہے۔ میں جب بھی قبرستان جاتا ہوں تو واپسی پر ان کے مزار پر ضرور فاتحہ پڑھتا ہوں۔ ویسے تو روزانہ ہی انہیں ثواب پہنچاتا ہوں مگر قبرستان میں حاضری کے دوران میں وہ بہت قریب محسوس ہوتے ہیں اور ان کی دلآویز یادیں پلکوں کو نم کر دیتی ہیں:"

مولانا غلام جیلانی کی شخصیت نہایت سادہ تھی، مگر اس سادگی میں ایسا وقار تھا کہ جدھر سے گزرتے لوگ بے اختیار آپ کی جانب دیکھنے لگتے۔ جس مجلس میں جاتے سب کی نگاہیں آپ پر مرکوز ہو جاتیں۔ جس محفل میں جاتے سر آنکھوں پر بٹھائے جاتے اور ساتھ چلنے والوں کو فخر و مسرت کا اظہار ہوتا کہ انہیں ایسی جلیل القدر شخصیت کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ ان کی صورت دیکھ کر اسلاف کی عظمتِ دیرینہ کی یاد تازہ

Marfat.com

ہو جاتی تھی اور بے ساختہ ذہن میں یہ احساس اُبھرتا تھا کہ اس درگاہِ پاک کا جانشین ایسا ہی مردِ یقین ہونا چاہیے۔ دربار قادریہ بازار خداداں والا کے سجادہ نشین حضرت خواجہ میاں محمد کریم اللہ بھی آپ سے بہت زیادہ شفقت و عنایت سے پیش آتے اور آپ کو اپنی محبت کا خصوصی حقدار ٹھہراتے تھے۔ وہ خانقاہ میں آتے یا مولانا غلام جیلانی انکے ہاں جاتے بہر صورت اُنس و خلوص اور مہر و وفا کا یہ سلسلہ جاری رہتا۔ حضرت میاں محمد کریم اللہ عباسیؒ کے بعد آپ کے صاحبزادہ والا شان حضرت میاں محمد بشیرؒ قادری عباسی نے بھی زندگی بھر اس خانقاہ اور مولانا غلام جیلانی سے محبت کو اپنا معمول بنائے رکھا۔

عجز و فروتنی

مولانا غلام جیلانی کو خدائے کریم نے گوناگوں صفات سے نواز رکھا تھا، مگر آپ کی طبیعت میں اس قدر حلیمی و بُردباری تھی کہ کبھی فخر و مباہات کا اظہار نہ کیا۔ بحث سے گریز کرتے تھے۔ جب کوئی بحث طلب مسئلہ چھڑ جاتا تو کسی عالم کو آگے کر دیتے کہ اس سے سوال جواب کرو اور خود بحث سے دامن بچا لیتے۔ عاجزی کا یہ عالم تھا کہ خود کو سب سے کم تر بتاتے اور دوسروں کو فوقیت دیتے۔ اپنی رائے دوسروں پر ٹھونستے نہیں تھے بلکہ دوسروں کے اچھے مشوروں کو قبول کر لیتے۔ اپنی بات منوانے پر اصرار نہ کرتے۔ جب بھی محفل میں اعمال پر گفتگو ہوتی تو خود کو سب سے بڑا عاصی کہتے۔ یہ سب عاجزی کی باتیں تھیں اور ان سے اس درویش کا مقصد دوسروں کو عاجزی کی تعلیم دینا تھا۔

چک ۸۲ کا گاؤں آپ کے مریدین پر مشتمل ہے۔ ایک مرتبہ جبکہ مولانا غلام جیلانیؒ اس گاؤں میں گئے ہوئے تھے وہاں کی وارہ بندی ٹوٹ گئی۔ بارشیں نہیں ہو رہی تھیں اور فصلوں کا تمام تر دارومدار نہر کے پانی پر تھا۔ طاقتور زمیندار اپنی فصلوں کو سیراب کرنے کے لیے رات کو نہر توڑ دیتے تھے جس سے ان کو تو فائدہ ہوتا تھا، مگر نہر کا پانی ضائع

Marfat.com

ہو جانے کی بنا پر دوسروں کی زمینیں بے جان ہو رہی تھیں۔ اس پر گاؤں کا نمبردار جو کہ مولانا کا ارادتمند تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ :

"طاقتور اور امیر زمیندار نہر کو توڑ کر اس کا پانی اپنی زمینوں تک پہنچا رہے ہیں جبکہ غریب زمیندار پریشان و غمزدہ ہیں کیونکہ طاقتوران کے حصے کا پانی بھی حاصل کر رہے ہیں۔ خدا سے دعا فرمائیے کہ بارانِ کرم نازل ہو اور نہر کے پانی کی محتاجی ختم ہو جائے۔"

مولانا غلام جیلانی نے نمبردار کی استدعا سُن کر فرمایا :

"تم بھی دعا کرو، مَیں بھی دعا کرتا ہوں۔"

اس وقت آپ نے سر پر پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ فوراً وہ پگڑی سر سے اُتار لی۔ اور فرمانے لگے :

"مجھے یوں نظر آتا ہے جیسے اِس بستی میں سب سے بڑا گنہگار میں ہی ہوں۔ مَیں یہاں سے چلا جاتا ہوں شائد قدرت کو رحم آجائے اور رحمت کی بارش نازل ہونے لگے۔"

گاؤں والے مولانا کے جانے کا سُن کر رونے لگے کہ ابھی تو آپ آئے ہی ہیں، اتنی جلدی آپ کو نہیں جانے دیں گے۔ اُنہوں نے بہت اصرار کیا مگر مولانا نہ مانے اور اپنی پگڑی ہاتھوں میں لیے وہاں سے روانہ ہو گئے۔ گاؤں کے کئی باشندے شاہکوٹ تک پیدل آپ کے ہمراہ آئے اور بار بار واپسی کی استدعا کرتے رہے مگر مولانا نے اپنا سفر جاری رکھا۔ ساتھ ہی ساتھ مولانا بارانِ رحمت کی دعا بھی کیے جا رہے تھے۔ اس روز مطلع بالکل صاف تھا۔ دھوپ چمک رہی تھی مگر ابھی یہ مردِ درویش شاہکوٹ تک ہی پہنچا تھا کہ یکایک آسمان پر ایک بدلی نمودار ہوئی اور پھر یہی بدلی پھیلتے پھیلتے گھنیرے بادلوں میں تبدیل ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے موسلادھار بارش برسنے لگی۔ اس بارش

Marfat.com

نے چاروں طرف جل تھل کر دیا۔ پورا علاقہ سیراب ہو گیا اور پھر کسی کو پانی کی کمی کی شکایت نہ رہی۔ اس گاؤں کے وہ چند باسی جو اب تک بقیدِ حیات ہیں جب بھی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں تو ان کی آنکھیں ماضی کے حوالے سے بھیگ جاتی ہیں۔

مُلاقاتِ حبیب

حضرت مولانا غلام جیلانی کی آستانہ عالیہ حضرت میاں میرؒ سے روحانی وابستگی کے سبب آپ کے مخدوم صاحب سے محبّانہ و مخلصانہ تعلقات کے بارے میں ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں۔ مخدوم سید سید علی شاہ سجادہ نشین کی شخصیت مولانا کے نزدیک انتہائی موقر اور محترم تھی۔ دونوں بزرگ کسی نہ کسی بہانے ملاقات اور مجلس آرائی کے مواقع ڈھونڈا کرتے تھے۔ ان کی مجالس دیکھنے والوں کے نزدیک نہایت ایمان افروز ہوتی تھیں۔ اللہ اللہ! آج ہم ان بزرگوں کے باہمی ارتباط اور تعلق کا ذکر کرتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے! اس نفسا نفسی کے دور نے رشتوں کا تقدس اور خون کی پہچان تک چھین لی ہے۔

ان دونوں بزرگوں کی باہمی محبت اور اَنمٹ خلوص کا ذکر کرتے ہوئے مخدوم سید سید علی شاہ مرحوم کے سفرِ آخرت کا ذکر کرنا مناسب امر ہو گا۔ جب مخدوم صاحبؒ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو کئی ڈاکٹر بُلائے گئے۔ دوپہر کا وقت تھا جب ڈاکٹر ممتاز رگڑھی شاہو والے) کو جو کہ خاندانی معالج تھا بُلایا۔ ڈاکٹر نے ان کا معائنہ کیا تو اسے نظر آیا کہ مریض بس اب چند گھڑیوں کا مہمان ہے۔ اس نے مخدوم صاحب سے کچھ نہ کہا البتہ ان کی اہلیہ محترمہ سے کہہ دیا کہ اب مخدوم صاحب کا چل چلاؤ ہے۔ یہ شام سے پہلے پہلے ختم ہو جائیں گے۔ آپ نے جن عزیزوں کو بُلانا ہے آخری دیدار کے لیے بُلا لیں۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ بات سُن کر ان کی اہلیہ کے ہوش اُڑ گئے۔ اُنھوں نے ضبط کی کوشش کی مگر اپنا غم ضبط نہ کر سکیں۔ جس پر مخدوم صاحب کو معلوم ہو گیا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔

Marfat.com

مخدوم صاحب اپنی اہلیہ سے اپنی زندگی کے اختتامی لمحات کا سُن کر بالکل نہ گھبرائے بلکہ کہا: "ڈاکٹر غلط کہتا ہے کہ مَیں شام تک زندہ نہیں رہوں گا۔ جب تک میرا دوست (غلام جیلانی) گوجرانوالہ سے آکر مجھ سے مل نہ لے مَیں نہیں مروں گا۔"

مخدوم صاحب نے یہ الفاظ اتنے یقین اور اعتماد سے کہے کہ سُننے والے حیران رہ گئے۔ بعض نے اسے مخدوم صاحب کی رُوحانی قوت سے تعبیر کیا جب کہ بعض نے خیال کیا کہ شاید یہ بیماری کا اثر ہے کہ مخدوم صاحب بہکنے لگے ہیں۔ یہ لوگوں کے قیافے تھے، لیکن تقدیر اپنا فیصلہ سُنا چکی تھی کہ مخدوم صاحب نے جو کہا ہے وہی عین صداقت ہے۔

مخدوم صاحب نے اس کے ساتھ ہی اپنے داماد سیّد صفدر شاہ کو مولانا غلام جیلانی کی طرف گوجرانوالہ روانہ کر دیا کہ مولانا کے میرا حال کہنا اور جتنی جلدی وہ آسکتے ہیں انہیں لے کر آجانا۔ جب مخدوم صاحب سے داماد مولانا غلام جیلانی کے پاس خانقاہ میں پہنچے تو اس وقت سُورج غروب ہونے کو تھا۔ قاصد نے مخدوم صاحب کی مخدوش حالت اور ڈاکٹر کے الفاظ سے آگاہ کر کے مولانا سے جلد چلنے کی گزارش کی مگر مولانا نے کمال استغنا سے فرمایا:

"بھئی کل چلیں گے، اِنشاءاللہ۔"

قاصد بڑا حیران ہوا کہ مولانا تو مخدوم کے بڑے قریبی دوست ہیں اور مخدوم صاحب رخصت ہونے کو ہیں، بلکہ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ کو دیکھا جائے تو اب تک دُنیا سے رخصت ہو چکے ہوں گے۔ پھر مولانا کی دیر کے کیا معنی؟ کچھ دیر اصرار کے بعد قاصد خاموش ہو گیا اور مولانا اس رات نہ تو خود لاہور گئے اور نہ ہی قاصد کو واپس جانے دیا۔ اگلے دن نمازِ فجر کے بعد مولانا معمولات سے فارغ ہوئے تو لاہور چلنے کی تیاری کرنے لگے۔ دن کافی چڑھ چکا تھا۔ قاصد بار بار چلنے کے لیے گزارش کر رہا تھا۔ مولانا بڑے

Marfat.com

اطمینان سے تیار ہُوئے اور لاہور کی جانب روانہ ہُوئے اس وقت گیارہ بجنے کو تھے۔

جب مولانا غلام جیلانی لاہور دربار حضرت میاں میرؒ میں مخدوم صاحب کے پاس پہنچے تو دوپہر ڈھل رہی تھی اور مخدوم صاحب بڑے اطمینان سے لیٹے ہوئے تھے۔ مولانا کمرے میں داخل ہُوئے تو مخدوم صاحب کا چہرہ کِھل اُٹھا، یُوں نظر آیا جیسے بیتاب روح کو قرار آگیا ہو یا منتظر نظروں کو مراد حاصل ہو گئی۔ فوراً سب کی طرف دیکھ کر کہنے لگے:

"مَیں نہ کہتا تھا کہ جبتک میرا دوست آکر مُجھ سے نہ مِل لے مَیں نہیں مر سکتا"

مولانا نے مخدوم صاحب کی حالت دیکھی تو آنکھوں کے پیمانے چھلک اُٹھے۔ بے اختیار آگے بڑھے اور مخدوم صاحب سے لپٹ گئے۔ مخدوم صاحب نے بھی پُوری قوت سے مولانا کو خود سے لپٹا لیا اور حاضرین سے وہاں سے چلے جانے کو کہا۔

حاضرین مجلس سے رخصت ہو گئے تو پھران دوستوں کی گفتگو شروع ہُوئی۔ تخلیہ کی اس مُلاقات میں رازونیاز کی کیا باتیں ہُوئیں، زندگی اور موت کے کون سے رموز زیرِ بحث آئے، ان سے سوائے ان دو بزرگوں کے اور کوئی باخبر نہیں، کافی دیر تک خلوت کی یہ مُلاقات جاری رہی۔ پھر مخدوم صاحب نے اپنی اہلیہ اور دوسرے عزیزوں سے مُلاقات کی۔ اس کے بعد اپنے احباب اور نیازمندوں کو طلب کیا جو ان کے کمرے کے باہر ٹھہرے ہُوئے تھے جب سب آچکے تو مخدوم صاحب نے فرمایا:

"دوستو! جو ہم نے کہا تھا وہ پُورا ہو گیا۔ ہماری اپنے حبیب سے مُلاقات ہو گئی۔ اب ہم جا رہے ہیں"

مخدوم صاحب کی یہ بات سُن کر اہلِ محفل آبدیدہ ہو گئے، بعض کی غم و اندوہ سے ہچکیاں بندھ گئیں۔ مخدوم صاحب اور مولانا غلام جیلانی نے سب سے صبر کرنے کی تلقین کی۔ اس وقت تک شام کے سائے پھیلنا شروع ہو گئے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد

Marfat.com

مخدوم سید سید علی شاہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت میاں میرؒ قادری وصال فرماگئے۔

مولانا غلام جیلانی پر اپنے نہایت ہی عزیز و محترم دوست کی جدائی کا غم پہاڑ بن کر گرا اور ازحد ملول و پریشان ہوگئے۔ ان کا دل اندر سے غم کے مارے ٹوٹ گیا مگر صبر و شکر کی تصویر بنے مخدوم صاحب کے صاحبزادگان کو حوصلہ کرنے کی تلقین کر رہے تھے۔ تجہیز و تکفین سے فارغ ہوکر اور قل شریف کی ایصالِ ثواب کی تقریب سے فارغ ہو کر گوجرانوالہ چلے آئے۔ مگر اس واقعہ نے آپ کے دل پر اس قدر اثر چھوڑا کہ اس کے بعد مسلسل غمزدہ و ملول رہنے لگے اور طبیعت کی شگفتگی جاتی رہی۔

صلہ رحمی اور رقیق القلبی

آپ کی طبیعت میں انتہائی نرمی اور ملائمت تھی۔ ناراض بہت کم ہوتے تھے کسی کو دکھ اور غم کی کیفیت میں دیکھتے تو اس کا مداوا کرنے کی کوشش کرتے مصائب کے ستائے ہوؤں کے کام آتے مگر اس طرح کہ دوسروں کو خبر نہ ہو کئی بیوگان تھیں جنہیں آپ اناج یا نقدی کی صورت میں ماہانہ امداد پہنچایا کرتے تھے۔ کئی یتیم بچے آپ کی شفقت و عنایت کے سہارے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اس امداد سے آپ کے علاوہ یا تو وہ فرد باخبر ہوتا کہ آپ جس کی امداد کر رہے ہوتے اور یا وہ شخص جو آپ کے حکم کے مطابق مطلوبہ سامان دوسروں تک پہنچا رہا ہوتا۔

انسان تو انسان مولانا غلام جیلانی کو یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ کوئی جانوروں کو دُکھ دے۔ اس ضمن میں آپ کے اوائل عمر کے ایک واقعے کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ آپ کے والد مولوی محمد عبداللہ مرحوم شکار کے شوقین تھے۔ بندوق سے شکار کرنے میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ مولانا غلام جیلانی کو اس وقت بھی گوارا نہیں تھا کہ ان کے والد شکار کھیلا کریں کیونکہ اس طور پرندوں پر جو کچھ بیتتی ہے اس کا مشاہدہ ان کے لیے خوشگوار نہیں ہوتا تھا۔

Marfat.com

یہ مولانا غلام جیلانی کے اوائل عمر کی بات ہے۔ ایک مرتبہ ان کے والد مولوی محمد عبداللہ ان کے ساتھ موضع کھیالی سے گوجرانوالہ خانقاہ کی طرف آ رہے تھے۔ راستے میں کچھ کبوتر اڑتے ہوئے نظر آئے تو مولوی محمد عبداللہ نے گولی چلا دی جس سے ایک کبوتر زخمی ہو کر نیچے گر پڑا۔ مولوی صاحب نے کبوتر کو ذبح کیا اور شکاریوں کے معمول کے مطابق اس کے شہ پر نوچ کر وہیں پھینک دیئے۔ کبوتر کو تھیلے میں ڈالا اور آگے کو روانہ ہوئے۔ مولانا غلام جیلانی بار بار مڑ کر پیچھے دیکھ رہے تھے۔ ابھی تھوڑا ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ انہیں کبوتروں کا ایک غول اڑتا ہوا نظر آیا۔ اس غول سے ایک کبوتر جدا ہوا اور ذبح شدہ کبوتر کے نچے ہوئے پروں کے قریب آ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ معلوم نہیں یہ کبوتر نر تھا یا مادہ۔ اس نے پہلے تو پروں کے ساتھ اپنی چونچ مس کی اور پھر بےتابانہ انداز سے وہیں لوٹنے لگا۔ وہ بار بار ان پروں کے ساتھ چونچ اور آنکھیں لگاتا اور پھر بےقراری کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوٹنے لگتا۔ ذرا دیر کے لیے رکتا، آسمان کی طرف دیکھتا اور دردناک آوازیں نکالتا۔

مولانا غلام جیلانی وہیں رک کر یہ منظر دیکھ رہے تھے، آپ کے اشارے پر رکے ہوئے مولوی محمد عبداللہ کی نگاہیں بھی یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ مولانا غلام جیلانی کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے اور فرمایا:

"ابا جان! آپ نے دیکھا کہ میں آپ کو شکار سے کیوں منع کرتا تھا۔ اب دیکھیے اس پرندے پر کیا قیامت بیت رہی ہے۔"

مولوی محمد عبداللہ یہ منظر دیکھ کر پہلے ہی متاثر ہو چکے تھے، بیٹے کی بات دل میں اتر گئی اور عہد کر لیا کہ وہ آئندہ کبھی پرندوں پر گولی نہیں چلائیں گے اور پھر واقعی انہوں نے زندگی بھر شکار نہیں کھیلا۔

روحانی سرفرازی

مولانا غلام جیلانی درویش صفت مردِ کامل تھے۔ متوکل علی اللہ تھے۔ اپنی تمام زندگی

Marfat.com

رضائے خداوندی اور مخلوقِ خدا کی خدمت میں بسر کردی۔ زمانہ شاہد ہے کہ جب کوئی خدا کا ہوجائے تو پھر خدا بھی اس کا ہوجاتا ہے۔ اور پھر یہ بندۂ خدا جو کچھ کہتا ہے اور کرتا ہے وہ منشائے قدرت میں ڈھل جاتا ہے۔ مولانا غلام جیلانی رموزِ معرفت سے آشنا تھے۔ ان کے ارادت مند بھی ان کی رُوحانی مجالس کی بدولت علمِ معرفت کے کمالات کی جھلک دیکھ لیتے تھے۔ صُوفی عبدالعزیز کہ جنہیں ایک طویل عرصہ مولانا کی خدمت میں حاضری دینے کا شرف حاصل تھا مولانا کی رُوحانی سرفرازی کے متعلق ایک واقعہ یُوں بیان کرتے ہیں:

"ایک مرتبہ میں مولانا کی مجلس میں تھا کہ سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر چل پڑا۔ گفتگو بڑھتے بڑھتے سیّدنا فاروقِ اعظم کے ارشاد "یاساریۃ اِلی الجبل" تک جا پہنچی۔ مَیں نے بصد احترام مولانا سے عرض کیا کہ حضور کیا اب بھی اس نوعیت کا مشاہدہ ہوسکتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ کیا تمہیں اس واقعہ کی صحت میں شک ہے اس پر میں نے عرض کیا کہ میرا سوال شک کی بُنیاد پر نہیں۔ میرا اس پر کامل یقین ہے۔ میرے سوال کا مقصود تو محض حق الیقین ہے۔ اس پر مولانا خاموش ہوگئے۔ اس مجلس سے فارغ ہوکر میں گھر چلا آیا۔ رات کو سونے کے لیے چارپائی پر لیٹا تو اچانک میرے کانوں میں مولانا غلام جیلانی کی آواز گونجی کہ "عبدالعزیز خانقاہ میں چلے آؤ"۔ مَیں چونک پڑا مولانا یہاں موجود نہیں تھے مگر آواز انہی کی تھی۔ مَیں بڑا حیران ہُوا اور بلا تاخیر گھر سے نکلا اور خانقاہ کی جانب مولانا کی خدمت میں حاضری کے لیے چل دیا جب میں خانقاہ پہنچا تو مولانا کو وہاں تشریف فرما پایا۔ مولانا مجھے دیکھتے ہی فرمانے لگے۔ عبدالعزیز میں نے تمہیں بلایا تھا، اچھا کیا جلدی آگئے۔ مولانا کے یہ فرماتے ہی میرے دل کو سکون آگیا۔ اُلجھی ہُوئی گرہ سُلجھ گئی اور معلوم ہوگیا کہ یہ حق الیقین کی تفسیر تھی کہ مولانا خود تو خانقاہ میں ہیں مگر آپ کی آواز میں اپنے گھر میں سُن رہا ہوں۔"

Marfat.com

خدا کی رحمت شامل حال ہو تو مرشد مریدوں کے حالات کا نگران ہو جاتا ہے اور اس سے ارادتمندوں کے نیک و بد مخفی نہیں رہتے کیونکہ اس کشفِ حالات کی بدولت ہی وہ ان کی ظاہری و باطنی اصلاح کرسکتا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا کے مریدِ صادق میاں فضل احمد کا بیان کردہ یہ واقعہ خاص اہمیت کا حامل ہے:

"ایک مرتبہ میاں فضل احمد اپنے گاؤں سے گوجرانوالہ کی جانب روانہ ہوئے کہ مُرشد کی خدمت میں حاضری دے سکیں۔ ان کا سفر ٹرین کے ذریعے جاری تھا۔ ایک مقام پر کسی اور ٹرین نے بھی گزرنا تھا۔ اس لیے ان کی ٹرین رُک گئی۔ ان کی ٹرین کے بالمقابل ایک اور ٹرین کھڑی تھی جس کی ایک کھڑکی سے ایک خوبصورت خاتون جھانک رہی تھی۔ میاں صاحب نے جب اس خاتون کو دیکھا تو اس کا جمال دیکھ کر نظّارہ میں کھو گئے۔ ایک بار ضمیر نے ملامت کی کہ اس قدر محترم ہستی کی خدمتِ اقدس میں حاضری کے لیے جا رہے ہو اور اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکتے۔ ضمیر کی ملامت پر نفس غالب آگیا اور یہ اس خاتون کو ٹکٹکی باندھے مسلسل دیکھتے رہے۔ جواباً وہ خاتون بھی اس جوان کو اپنی طرف دیکھتا دیکھ کر مسکرانے لگی۔ اتنے میں ان کی ٹرین روانہ ہو گئی۔ مگر اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھوں کو شدید درد اور جلن نے آلیا۔ فوراً سمجھ گئے کہ اس نگاہِ بد کی سزا ہے۔ سفر طے ہو چکا تو یہ گوجرانوالہ سٹیشن سے ہوتے خانقاہ پر مولانا غلام جیلانی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا نے ان کی طرف جی بھر کر دیکھا تو یہ بے چین ہو کر آنکھوں کے شدید درد کی شکایت کرنے لگے کہ حضور درد کے مارے میری تو آنکھیں نہیں کھل رہیں۔ مولانا نے ان کی آنکھوں میں جھانکا اور شدید غصّے میں فرمایا کہ راستے میں اس نامحرم کو کیوں گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ میاں فضل سمجھ گئے کہ معاملہ ازراہِ کشف

Marfat.com

یشخ پر عیاں ہو چکا ہے۔ فوراً شیخ کے قدموں میں جھک گئے اور اپنے جرم پر معافی کے طلب گار ہُوئے۔"

مولانا نے فرمایا کہ" ہر عورت کسی کی ماں، بہن اور بیٹی ہوتی ہے۔ مسلمان پہ لازم ہے کہ اپنی نگاہوں کی عصمت کو داغدار نہ کرے اور کسی نامحرم عورت کی طرف ہوس آلود نگاہ اٹھانے سے پہلے اپنے ضمیر میں جھانک کر دیکھ لے کہ یہی تو ایمان کی نشانی ہے۔"

میاں صاحب مولانا کے یہ ارشادات سُن کر شرم کے مارے زمین میں گڑ گئے۔ بالآخر مولانا کا غصّہ ٹھنڈا ہو گیا اور میاں صاحب پہ ان کی شفقت پہلے کی طرح سایہ فگن ہو گئی۔ پھر مولانا نے روئی اور پانی کے ساتھ میاں صاحب کی آنکھیں خود دھوئیں اور آیاتِ قرآن پڑھ کر انہیں دَم کیا تو میاں صاحب کا درد فوراً کافور ہو گیا۔

اس روایت سے جہاں مولانا غلام جیلانی کی رُوحانی سرفرازی کا اظہار ہوتا ہے وہاں آپ کے حسن تربیت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے ارادتمندوں میں اخلاق اور کردار کی عظمت کس طور دیکھنا چاہتے تھے۔ تقاریر، خطبات اور مواعظ سے گریز کرتے ہُوئے آپ چند لفظوں میں اپنا مدّعا اس پُر تاثیر لہجے میں بیان کر جاتے تھے کہ سُننے والا فوراً ان الفاظ کی تاثیر میں کھو جاتا۔

خانقاہ کے روحانی ماحول کو مرکزِ عافیت سمجھ کر یہاں مدّتوں قیام کرنے والے مجذوبوں میں ایک مجذوب" ڈگڈگا" کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے، یہ مجذوب جو چاہتا کرتا اور جو چاہتا کہتا۔ مولانا غلام جیلانی اس کی کوئی بات ٹالتے نہیں تھے۔ ایک مرتبہ گرمیوں کے موسم میں رات کے گیارہ بجے اس مجذوب نے اچانک شور مچانا شروع کر دیا کہ وہ نہانا چاہتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ اُٹھ کر غسل خانے کی طرف چلنے لگا۔ پہلے جب وہ نہانے کی خواہش ظاہر کرتا تھا تو مولانا ایک آدمی ہمراہ کر دیتے تھے کہ کنوئیں سے پانی کے ڈول نکال نکال کر غسل خانہ کے حوض میں ڈالتا رہے، مگر اس

Marfat.com

مرتبہ مولانا نے خلافِ توقع دگدگا کو غسل خانے کی جانب جانے سے سختی سے روک دیا اور کہا کہ باہر جاکر کسی ٹیوب ویل سے نہالے۔ ایک آدمی کو اس مقصد کی خاطر ہمراہ کر دیا۔ دگدگا خانقاہ کے غسل خانے میں ہی نہانا چاہتا تھا مگر مولانا سختی سے منع کر رہے تھے جب دگدگا نے اصرار کیا تو مولانا نے درشت لہجے میں دگدگا کے ساتھ جانے والے سے کہا کہ اسے باہر لے جائے۔ دیکھنے والے متعجب تھے کہ اس مجذوب کی آج تک کوئی بات مولانا نے نہیں ٹالی۔ آج کیا معاملہ ہے کہ مولانا خفگی کے عالم میں اس کی فرمائش رد کر رہے ہیں۔

مولانا کے حکم کی تعمیل میں آدمی اس مجذوب کو نہانے کے لیے خانقاہ کے احاطے سے باہر لے کر چلا گیا۔ احباب ایک ایک کر کے رخصت ہونے یا سونے لگے تو آپ کے خادم خاص عاشق حسین اُٹھے اور لوٹا تلاش کرنے لگے کہ لوٹا بھر کر مولانا کی چارپائی کے سرہانے رکھ کر رخصت کی اجازت طلب کریں۔ یہ روزانہ کا معمول تھا۔ عاشق حسین سب سے آخر میں پانی سے بھرا ہوا لوٹا رکھ کر اجازت طلب کیا کرتے تھے۔ اس رات عاشق حسین نے لوٹا تلاش کیا تو نہ ملا۔ خیال گزرا کہ کہیں یہ غسل خانے میں نہ ہو۔ اندھیری رات تھی، لالٹین اٹھائی اور اس کی روشنی میں غسل خانے کی طرف بڑھے غسل خانے میں داخل ہوئے تو لوٹا وہیں موجود پایا مگر اس طرح کہ لوٹے کے ساتھ ہی ایک سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ فوراً حقیقت واضح ہوگئی کہ مولانا کیوں اس مجذوب کو غسل خانے کی طرف جانے سے سختی سے روک رہے تھے۔ کیونکہ خدشہ تھا کہ تاریک رات میں وہ سانپ اس مجذوب کو ڈس لے گا۔

عاشق حسین فوراً واپس آگئے۔ مولانا کے پاس وقت مستری عبدالواحد بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے سارا ماجرا عرض کیا۔ مستری عبدالواحد عاشق حسین کے ساتھ غسل خانے میں آئے تو سانپ وہاں سے رینگتا ہوا اُوپر کے حصّے میں

Marfat.com

ایک سوراخ میں داخل ہو رہا تھا۔ مستری عبدالواحد نے کپڑے کا ایک ٹکڑا مٹی کے تیل میں بھگویا اور اسے سوراخ میں رکھ کر آگ لگادی۔ اگلی صبح جب اس سوراخ سے اوپر والی اینٹ اکھاڑ کر دیکھا تو سانپ جل کر ہلاک ہو چکا تھا۔

متوکّل علی اللہ

جب کوئی درویش خود کو قدرت کے حوالے کر دیتا ہے تو پھر وہ دنیادی اسباب سے زیادہ خدا کی رضا کو مقدم رکھتا اور وہ سمجھتا ہے کہ فقط ذاتِ خداوندی پر توکّل کی صورت میں ہی وہ سرخروئی کا حقدار ٹھہر سکتا ہے۔ مولانا غلام جیلانی متوکّل علی اللہ تھے۔ جو کچھ آتا خدا کی راہ میں لٹادیتے تھے۔ آپ اس بات سے بے نیاز رہتے تھے کہ کل کے لیے کچھ بچا ہے یا نہیں۔ مہمانوں کی مدارات کے ضمن میں قرض لینا گوارا کر لیتے مگر یہ گوارا نہ کرتے کہ کوئی مہمان بھوکا سو جائے یا کوئی آرزومند اپنی حاجت کے پورا ہونے سے محروم رہے۔ آپ کل کے لیے بچا کر رکھنے کے عادی نہیں تھے بلکہ کل کا مسئلہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ رکھا تھا۔ عاشق جیلانی کہ جنہیں بچپن ہی سے آپ کی صحبت نصیب ہوئی تھی اور جن کے سپرد لنگر کا انتظام تھا، کہتے ہیں:

"آپ نے مجھے کبھی یہ تاکید نہیں کی کہ پس انداز کر کے رکھوں۔ دل کے سخی اور ہاتھ کے غنی تھے۔ خانقاہ میں جو کچھ آتا تقسیم کر دیا جاتا۔ تنگدستی کی حالت میں بھی معمولات میں فرق نہ آنے دیا۔ ایک مرتبہ حضرت میاں میر قادری لاہوری کا سالانہ عرس قریب تھا۔ مولانا اس عرس میں پوری دلجمعی اور ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے۔ عرس سے پانچ چھ روز قبل ایک ارادت مند نے سو روپے مولانا کی خدمت میں پیش کیے۔ مولانا نے وہ روپے میرے حوالے کر دیے۔ میں نے ان روپوں کو لنگر کے خرچ سے بچانے کے لیے علیحدہ

Marfat.com

رکھ لیا۔ میرا خیال تھا کہ لنگر کا روزانہ کا خرچ معمول کی آمدنی سے چلتا رہے اور یہ سو روپیہ بچ جائے۔ تاکہ اس سے عُرس میاں میرؒ کا خرچ نکل سکے۔ اتفاق جانیے کہ اگلے روز لنگر کے لیے کہیں سے کوئی پیسہ نہ آیا مگر میں نے قرض لے کر کام چلایا۔ مولانا نے پُوچھا تو مَیں نے عرض کیا کہ ان روپوں سے کام چل رہا ہے۔ مولانا پُوچھتے تو یہی کہتا کہ آپ کے دیے ہُوئے روپوں سے ہی کام چلا رہا ہُوں۔ میرا مقصود یہی تھا کہ یہ سو روپیہ خرچ نہ ہو اور کہیں اور جگہ سے آنے والے روپوں سے کام چل جائے۔ مگر ان تین دنوں میں کہیں سے ایک روپیہ بھی نہ آیا۔ مَیں مولانا سے وضاحتِ حال عرض کرتا تو مولانا مُسکرا دیتے۔ اور مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے مولانا میرے دل میں جھانک کر سب کچُھ جان گئے ہوں۔ چوتھے روز مَیں نے مایوس ہو کر وہ سو روپیہ خرچ کر کے ان دُکانداروں کا قرض چُکا دیا جن کی بدولت اب تک کام چل رہا تھا۔ یہ سو روپیہ خرچ کرنے کی دیر تھی کہ لنگر کے لیے پیسے آنے لگے اور خرچ کی کمی نہ رہی۔ مولانا نے مجھے چند روپے دے کر کہا کہ اس لنگر کا خرچ چلاؤ۔ ابھی میں اہتمام کر ہی رہا تھا کہ ایک نیازمند نے پچاس رُوپے پیش کیے۔ مولانا نے فوراً مجھے آواز دی۔ مَیں حاضر ہُوا تو وہ پچاس روپے میرے حوالے کر دیے اور تبسّم کے ساتھ فرمایا: عاشق! تم نے جلد بازی کی، وہ سو رُوپے بچانے کے لیے نہیں تھے۔ ابھی عُرس دُور تھا اور تم نے پہلے ہی لنگر کا خرچ بچانا شروع کر دیا۔ یہ پچاس رُوپے عُرس حضرت میاں میرؒ کے لیے رکھ لو۔ انشاء اللہ تمہیں اس سلسلہ میں اب کوئی دقّت نہیں ہوگی۔ یاد رکھو! مستقبل کا خدا مالک ہوتا ہے اور وُہی مسبّب الاسباب ہے۔

مولانا کا یہ ارشادِ گرامی میرے دل میں جاگزیں ہو گیا۔ اگرچہ مَیں نے مولانا سے

Marfat.com

اس دوران اپنی خواہش پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی تھی مگر ان کی مسکراہٹ ہر مرتبہ مجھے یہی احساس دلاتی رہی کہ مولانا سے میرے دل کا راز پوشیدہ نہیں ہے۔ ایک بات میں نے خاص طور پر یہ دیکھی کہ جب مولانا مجھ سے روپوں کے بارے میں استفسار کرتے تو میں یہی کہتا کہ حضور وہ خرچ ہو گئے۔ مولانا جواب میں کمال استغنا سے فرماتے کہ کوئی فکر نہ کرو، خرچ ہو گئے تو اور آ جائیں گے۔ تمام زندگی لنگر کے سلسلہ میں مولانا کا یہی اندازِ فکر رہا۔ واقعی مولانا کا فیض جاری تھا۔ خدا دیتا تھا، مخلوقِ خدا پر خرچ ہوتا تھا۔ ہم نے کسی پریشانی کو پریشانی سمجھا ہی نہیں۔"

آپ نے زندگی بھر ریا کاری اور تصنع کو کبھی قریب نہ آنے دیا۔ آپ نے خود کو ہمیشہ انسان سمجھا اور اپنی پارسائی اور زُہد و تقویٰ کا ڈھنڈورا پیٹ کر کبھی بھی اپنے فرشتہ ہونے کا احساس نہ دلایا۔ آپ سمجھتے تھے کہ ؎

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

اپنی گفتگو اور کردار و سیرت کے ذریعہ آپ نے ہمیشہ یہی باور کرایا کہ ہمیں قُدرت نے اشرف المخلوقات بنایا ہے تو پھر ہم پر لازم ہے کہ خود کو انسانیت کے اوصاف کے شایانِ شان بنائیں۔ آپ نے ہر دَور میں ہر قسم کے شدائد کا مقابلہ کیا اور کبھی شکوہ زبان پر نہ لائے۔ خود کو اللہ کی رضا پر راضی رکھنے کی کوشش کی۔ کبھی بھی عیش و عشرت کی زندگی کی تمنا نہ کی بلکہ سادگی و درویشی کو اپنے لیے اعزاز قرار دیا۔ آپ ایسے نام نہاد پیروں اور مذہبی مقتداؤں کے خلاف تھے جو قول و فعل میں گہرا تضاد رکھتے ہیں اور نذرانوں کی رقوم سے اپنے لیے عیش و عشرت کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ آپ فقط یہی چاہتے تھے کہ اس خانقاہ کے مہمان کبھی کسی شوری یا تنگی کے شکار نہ ہوں۔ آپ ریا کاری اور ظاہر داری سے کس قدر نفرت رکھتے تھے اس کا

Marfat.com

اندازہ ایک واقعہ سے ہوتا ہے۔ صُوفی عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ:

"آپ محفلِ پاک میں تشریف فرما ہوتے۔ خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ پاک سے محفل جم جاتی۔ سوز و گداز کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ آپ کی آنکھوں میں آنسوؤں کے موتی چمکنے لگتے۔ آپ فوراً چہرے کو ایک طرف کر لیتے اور اپنے آنسو پُونچھ لیتے۔ جب احباب کو اپنی طرف متوجہ دیکھتے تو فرماتے کہ میری آنکھیں درد کر رہی ہیں۔ مجلس کے حاضرین سمجھ جاتے کہ مولانا اس خیال سے اپنے آنسو چُھپا رہے ہیں کہ ان کے آنسو، ریاکاری محسوس نہ ہوں۔ آپ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ ایسے آنسوؤں کا کیا فائدہ جو مخلوق کو دھوکا دینے اور زُہد و تقوٰی کا ڈھنڈورا پیٹنے کا باعث بنیں۔ لُطف تو یہ ہے کہ انسان اپنے اندر سمندروں کو جذب کر لینے کی صلاحیت پیدا کرلے۔"

سچ ہے کہ ؎

تر آنکھیں تو ہو جاتی ہیں پر کیا لذت اس رونے میں
جب خونِ جگر کی آمیزش سے اشکِ پیازی بن نہ سکا

جب انسان کا خدا پر توکل پُختہ ہو جاتا ہے تو پھر وہ خدا کا ہو جاتا ہے اور وہ ریاکاری سے ہٹ کر ہر کام خدا کی خوشنودی اور رسولِ خدا علیہ التحیتہ والثنا کی عنایت کا طلبگار بن کر کرتا ہے۔ اسے دُنیا بھر کے مال و منال اور اسبابِ تعیّش کی فراوانی متاثر نہیں کرتی۔ وہ اپنے آپ میں مگن رہتا ہے۔

ایک مرتبہ عُرس حضرت میاں میرؒ کے موقعہ پر آپ تشریف فرما تھے۔ صُوفی عبدالعزیز بھی پاس ہی بیٹھے ہُوئے تھے۔ صُوفی صاحب نے ایک پیر صاحب کو دیکھا کہ جو لباسِ فاخرانہ پہنے ہُوئے تھے اور جن کے تعویذوں کی بڑی دھوم تھی۔ ہر وقت

Marfat.com

ان کے پاس مخلوق کا ہجوم رہتا تھا۔ ان صاحب نے تعویذوں کو کاروبار بنالیا تھا۔ صُوفی عبدالعزیز نے مولانا سے عرض کیا: "حضور یہ شخص بڑی کامیاب زندگی بسر کررہا ہے اس کا کام بہت چلتا ہے۔" اس پر مولانا نے فرمایا "میرے لیے دُعا کرو کہ خدا مجھے ان چکّروں سے بچائے رکھے۔ میری سادگی میرا سرمایہ ہے۔ مَیں تصنّع سے پاک زندگی کا آرزومند ہُوں۔ یاد رکھو ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی۔ ظاہری نمود و نمائش باطنی ترقّی کا باعث نہیں بن سکتی۔ خدا سے جب بھی مانگو تو اس پر متوکّل رہنے کی دُعا مانگو۔ درویش ظاہری کرّوفر اور مصنوعیت سے بے نیاز ہوتا ہے۔ وہ تو اللہ پر توکّل کے سہارے عرفانِ خُدا کی دولت مانگتا ہے۔ اپنے لیے پاکیزگیٔ کردار کا سامان حاصل کرو اور خدا تعالیٰ پر توکّل کی شمع کو کبھی مدہم نہ ہونے دو۔

مولانا غلام جیلانی سمجھتے تھے کہ خدا کو راضی کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اس کی مخلوق کو راضی رکھا جائے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو نقصان پہنچا کر اور انسانیت کی تذلیل کرکے کبھی بھی فوز و فلاح کا تصوّر نہیں کیا جاسکتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ خُدا کا قُرب چاہتے ہو تو مخلوقِ خدا کو فیض پہنچاؤ۔ توکّل اور فقر و غنا سے کام لیتے ہُوئے دوسرں کے کام آؤ۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا تذکرہ بصیرت افروز ذہنوں کے لیے ایمانی جِلا کا باعث بنے گا۔

ایک مرتبہ ایک ظاہر بین نے مولانا سے استفسار کیا کہ "حضرت! خدا کو کیسا سمجھنا چاہیے۔" آپ نے اس کے سوال کو مُسکرا کر ڈال دیا۔ جب اس نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا: "کم از کم اپنے جیسا تو سمجھنا چاہیے"۔ مولانا کے اس جواب پر وہ ظاہر بین بڑا چیں بہ جبیں ہُوا اور کہنے لگا: "مولانا توبہ کیجیے۔ آپ نے کیا کہہ دیا ہے۔" مولانا نے کمال سادگی سے ارشاد فرمایا:

"بھئی ہم نے جو کہنا تھا وہ کہہ چکے، اب تمہاری مرضی ہے مانو یا نہ مانو۔"

وہ شخص دوپہر کو گھر پہنچا اور روٹی کھانے بیٹھا تو اسی دوران میں ایک فقیر نے اس کے

Marfat.com

دروازے پر صدا لگائی کہ "بابا خُدا کے نام پر کچھ مجھے بھی دو۔" اس شخص نے اپنی تازہ روٹی دینے کے بجائے اس کے نیچے پڑی ہوئی ایک باسی روٹی اٹھائی اور فقیر کو دے دی۔ فقیر چلا گیا۔ اسی روز شام کو وہ شخص مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا تو مولانا نے اسے دیکھتے ہی فرمایا:

"کیوں بھئی! اب سناؤ تم نے تو خدا کو اپنے جیسا بھی نہیں سمجھا۔ فقیر نے تم سے خدا کے نام پر کچھ مانگا تھا۔ تم نے تازہ اور روغنی روٹی تو خود کھائی اور باسی روٹی خدا کے نام پر دے دی۔ اگر تم خدا کو کم از کم اپنے جیسا سمجھتے تو تازہ روٹی سے بھی دیتے اور خود اسے کھلاتے۔ اگر اپنے سے بڑھ کر سمجھتے تو باسی خود کھاتے اور تازہ فقیر کو کھلاتے۔ خدا پرستی اور خدا کی محبت کے سلسلے میں ہمارے سارے دعوے جھوٹے ہیں۔ ہم خدا کے نام پر معمولی سی قربانی بھی نہیں دے سکتے اور حبِ خدا کے بڑھ چڑھ کر اعلان بھی کرتے ہیں۔ خدا پر توکل رکھو۔ وہ ہم سب کے رزق اور حیات و موت کا مالک ہے۔ خدا کے نام پر سوال کرنے والوں کی حاجت روائی کرو۔ یہی تحدیثِ نعمت ہے"

مولانا کے باطنی مشاہدہ اور پھر آپ کی نصیحت نے اس شخص کو زندگی بھر کے لیے آپ کا غلام بنا دیا۔ اب وہ سمجھ چکا تھا کہ خداشناسی کا حقیقی راستہ خدا پر توکل اور خدمتِ خلقِ خدا میں مضمر ہے۔

جاہ طلبی سے اجتناب

جب کوئی صاحبِ ایمان خُدا پر مکمل طور پر بھروسہ کرتا ہے تو پھر اسے دُنیاوی مال و متاع، ہیچ دکھائی دیتے ہیں۔ وہ درباروں سے جی چُراتا اور افسروں سے میل ملاپ کو کسی صُورت دل میں جگہ نہیں دیتا۔ وہ کسی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی مرعوب نہیں

Marfat.com

ہوتا بلکہ سرکار کی کاسہ لیسی سے پناہ مانگتا ہے۔ ایک بار دربار حضرت میاں میرؒ قادری لاہوری کے سجّادہ نشین کو معلوم ہُوا کہ پنجاب کے لاٹ صاحب بہادر (لیفٹیننٹ گورنر پنجاب) درگاہ شریف میں حاضری کے لیے فلاں روز آ رہے ہیں۔ سجادہ نشین مخدوم سید سیّد علی شاہ تھے۔ اُنہوں نے گوجرانوالہ سے مولانا غلام جیلانی کو بُلوا لیا کہ مِل کر گورنر سے ملاقات کریں گے۔ جب مولانا حکم کی تعمیل میں دربار میاں میرؒ پہنچے تو آپ نے کسی قسم کی گرمجوشی کا اظہار نہ کیا۔ جس روز لیفٹننٹ گورنر پنجاب نے دربار حضرت میاں میرؒ میں آنا تھا اس روز مخدوم صاحب مولانا کو لے کر دربار میں ہمہ تن انتظار بیٹھے تھے۔ مقررہ وقت پر لاٹ صاحب کے آنے کی اطلاع ہُوئی تو مخدوم صاحب نے مولانا سے کہا کہ اُٹھیے تاکہ ہم مرکزی دروازہ تک جاکر گورنر صاحب کا استقبال کر سکیں۔ مولانا نے کہا: "مخدوم صاحب! لاٹ صاحب کی اس درگاہ میں آمد زیارت کے لیے ہے اس لیے ہمارے لیے مناسب نہیں ہے کہ مرکزی دروازہ تک پہنچ کر اس کا استقبال کریں۔ یہ حضرت میاں میرؒ کی مملکت ہے یہاں جو بھی آنا چاہتا ہے سر کو جھکا کر آئے گا۔

مخدوم صاحب نے مولانا کی رائے کو فوقیت دی۔ لیفٹننٹ گورنر حاضر ہُوا۔ حضرت میاں میرؒ کے حضور اُس نے سلام کیا اور پھر مخدوم صاحب اور مولانا غلام جیلانی سے نہایت احترام سے ملا۔ رخصت ہونے لگا تو اُس نے مخدوم صاحب کو "خان بہادری" کے اعزاز کا پروانہ دیا اور کہا کہ حکومتِ برطانیہ آپ کو یہ اعزاز دے کر خوشی محسوس کرتی ہے۔ گورنر چلا گیا تو حضرت مولانا نے مخدوم صاحب سے کہا:

"مخدوم صاحب! آپ ہم سب کے لیے محبوب و محترم ہیں۔ یہ اقلیم معرفت کے امیر حضرت میاں میرؒ قادری کی درگاہ ہے۔ یہاں شاہانِ وقت بھی خمیدہ سر آتے ہیں۔ ہمارے نزدیک آپ کے لیے سب سے مستحسن اور موزوں لقب "مخدوم صاحب" ہے۔ خان بہادری کی اس کے سامنے کوئی حیثیت

Marfat.com

نہیں۔ ہم نے ہمیشہ آپ کو مخدوم صاحب کہا اور سمجھا ہے۔ ہماری زبانوں اور دلوں میں کسی اور لفظ یا خطاب کی رسائی ممکن نہیں۔ آپ خان بہادری کا خطاب استعمال کریں گے تو بھی ہم آپ کو مخدوم صاحب ہی کہتے رہیں گے۔ بہتر ہے کہ آپ اس اعزاز کو ذرّہ بھر بھی وقعت نہ دیں۔"

مخدوم صاحب نے مولانا کی پُر تاثیر گفتگو سُنی تو بہت متاثر ہُوئے اور فرمایا کہ "ہم درویش ہیں ہمارا ان اعزازات سے کیا واسطہ"۔ اور واقعی مخدوم صاحب نے مولانا کے مشورہ کے پیشِ نظر جیسا کہا تھا ویسا ہی کر کے دکھایا اور زندگی بھر خان بہادری کے اعزاز کو نہ تو اپنے لیے کبھی وجہِ عزّت سمجھا اور نہ ہی اسے کہیں استعمال کر دیا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ؎

تختِ سکندری پر وُہ تھوکتے نہیں ہیں
بستر لگا ہُوا ہے جن کا تری گلی میں

مولانا غلام جیلانی شاہی درباروں کے قُرب سے کس قدر نفرت کا اظہار کرتے تھے! اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مخدوم سیّد سید علی شاہؒ سجادہ نشین نے دربار حضرت میاں میرؒ سے ملحقہ چند ایکڑ پر باغ لگوایا جس میں طرح طرح کے پھل دار پودے لگائے۔ لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ چودہ پندرہ برس گُزر جانے کے باوجود بھی ان درختوں پر پھل نہیں لگ رہے تھے۔ اس طرح باغ اپنے حقیقی حُسن سے محروم تھا! اسی دوران میں جب مولانا غلام جیلانی دربار حضرت میاں میرؒ گئے ہُوئے تھے تو مخدوم صاحب نے اس باغ کا تذکرہ کرتے ہُوتے باغ کی پھل سے محرومی کے بارے میں تعجّب کا اظہار کیا کہ اتنے برس گزر جانے کے باوجود بھی پھل نہیں لگ رہے، پھر اُنھوں نے مولانا سے کہا کہ آپ دُعا کریں کہ یہاں کے درختوں پر ثمر آ جائیں۔

اس پر مولانا کہنے لگے:

Marfat.com

"مخدوم صاحب! دُعاؤں کا مرکز تو یہاں ہمارے پاس حضرت میاں میرؒ قادری کی ذاتِ والا صفات ہے میں اور آپ دونوں چل کر حضرت میاں میرؒ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دُعا کرتے ہیں لیکن آپ ایک وعدہ فرمائیے کہ جب یہاں کے درختوں پر پھل آجائیں تو آپ یہ پھل نہ تو بازار میں فروخت کریں گے نہ ہی کسی بڑے افسر کو یہاں بُلا کر پھلوں سے اس کی ضیافت کریں گے اور نہ ہی یہاں کے پھل کسی دُنیادار رئیس یا سرکاری دربار سے وابستہ کسی شخصیت کے گھر تحفہ اور سوغات کی غرض سے بھیجیں گے"

مخدوم صاحب نے کہا:

"مولانا یہ باغ مکمل طور پر اہلِ درگاہ اور زائرین کے لیے وقف ہے انشاء اللہ اس کے پھل کبھی بھی افسروں یا دُنیادار اُمراء کی نذر نہیں کیے جائیں گے۔"

مولانا نے مخدوم صاحب کا جواب سنا تو بہت خوش ہوئے اور باغ کی ثمر آوری کے لیے خصوصی دُعا فرمائی۔ مخدوم صاحب بھی دُعا مانگتے رہے۔ یہ دعائیں شرفِ قبولیت سے ہمکنار ہوئیں۔ اگلے سال درختوں پر پھل نہایت کثرت سے آئے۔ مخدوم صاحب نے جیسا کہا تھا ویسا ہی کر کے دکھا دیا اور یہاں کے پھل صرف اہلِ دربار اور درگاہ پاک میں حاضری دینے والے زائرین کی تواضع کے لیے وقف رکھے۔

درگاہ حضرت میاں میرؒ میں جب سالانہ عُرس ختم ہوتا تو مولانا غلام جیلانیؒ اور دُوسرے اصحاب کے وہاں سے رُخصت ہونے کا وقت آتا۔ رخصتی کے اس موقعہ پر حضرت مخدوم صاحب رخصت ہونے والوں کو خصوصی تحائف جو تبرکات کی حیثیت رکھتے تھے نوازتے۔ اس کی ایک جھلک ملاحظہ کیجیے۔ عاشق حسین جیلانی نے جنہیں مولانا غلام جیلانی کی مصاحبت میں ہر سال اور درمیان میں بھی کبھی کبھی درگاہ میاں میرؒ پر حاضری

کی سعادت نصیب ہوتی تھی، ان تحائف کے بارے میں کہتے ہیں:

"جب ہمارا دربار پاک سے رخصت ہونے کا وقت آجاتا تو مخدوم صاحب قبلہ اپنے دستِ خاص سے چند تحائف عطا فرماتے۔ حضرت مولانا غلام جیلانی کو دس روپے اور ایک دوپٹہ عطا ہوتا، حضرت میاں محمد بشیر عباسیؒ کو پانچ روپے اور ایک دوپٹہ۔ میاں غلام محمد سجادہ نشین حضرت سخی احمد یار کو پانچ روپے اور ایک دوپٹہ۔ اور مجھے (عاشق حسین) دو روپے اور ایک دوپٹہ عطا ہوتے۔"

معمولات و تاثرات

حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سادگی اور درویشی کی تصویر تھے۔ لباس سادہ تھا اور کھانے کے سلسلے میں بھی تکلفات سے دُور رہتے تھے۔ مہمانوں اور زائرین کی تواضع کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ جی چاہتا تھا کہ زائرین اور مہمانوں کے قدموں میں آسمانوں کے ستارے ڈھیر کر دیں۔ جب سب کو کھلا چکتے تو جو کچھ میسر آتا کھا لیتے۔ حتی الامکان یہ کوشش فرماتے کہ مہمانوں کے لیے اچھے سے اچھا کھانا پکے اور انہیں اپنے گھر سے بھی زیادہ یہاں آرام اور راحت محسوس ہو۔

مولانا کے معمولات جاننے کے لیے جب مولانا کی ہمشیرہ محترمہ مریم خاتون[1] سے رابطہ قائم کیا گیا تو وہ کہنے لگیں:

"مَیں نے پُورے خاندان میں اپنے بھائی کو سب سے برتر پایا۔ حد درجہ خلیق اور مہربان۔ دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر تڑپنے والے۔ دُوسروں کے کام

---

[1] اہلیہ حضرت شیخ الحدیث مولانا مفتی بشیر حسین چشتی قادری بانی جامع الغوثیہ قبرستان روڈ۔ گوجرانوالہ۔

Marfat.com

آکر راحت محسوس کرنے والے، نہایت نیک اور خوش خُو، میرے لیے تو وہ سراپا شفقت تھے۔ مجھے جب بھی کوئی صدمہ ہوتا تو بے چین ہو جاتے اور اپنی دانائی اور حکمتِ عملی سے میرے دُکھ درد کو دُور کر کے ہی چین لیتے۔ اتنے سخی تھے کہ جو چیز مانگی عطا کر دی۔ آپ کا تمام وقت خانقاہ میں گزرتا تھا۔ میں بچپن میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جب بھی خانقاہ میں آتی تو ہم سب کو کچھ نہ کچھ عطا کر کے بھیجتے۔ یہی طریقہ آپ کا دوسرے بچوں کے ساتھ بھی تھا۔ میرے ساتھ ان کی یہ کرم فرمائی میرے بچپن سے لے کر میری شادی اور عائلی زندگی تک قائم رہی اور آپ کی شفقت مجھے مشکل میں سہارا دیتی رہی۔ آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال پہلی بچی کی ولادت کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ آپ نے باقی زندگی خلقِ خدا کی خدمت میں گزار دی۔ ہم جب بھی دُوسری شادی کے لیے عرض کرتے تو ٹال دیتے۔ جب اصرار کرتے تو انکار کر دیتے۔ اب یہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ آپ نے خود کو مخلوق کی خدمت میں اس قدر گم کر دیا تھا کہ کسی اور طرف دھیان ہی نہیں جاتا تھا۔ طبیعت میں حد درجہ گداز تھا۔"

مولانا غلام جیلانی ہر ممکن طریق سے خود کو جھگڑوں اور مناقشتوں سے دُور رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک دو شخصیات کے سوا آپ کی کسی ذات سے کبھی رنجش نہیں ہوئی۔ یہ رنجش بھی ان شخصیات کی پیدا کردہ تھی، مولانا کا اس میں دخل نہیں تھا۔ چنانچہ جب بھی ان حضرات نے اس رنجش کو ختم کرنا چاہا مولانا نے بیک جنبشِ زبان ختم کر دیا۔ اس سلسلے میں دو واقعات کا ذکر کرنا مناسب ہو گا۔

حضرت مولانا نُور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے وقتِ وصال سے پہلے اپنے بیٹوں میں جائداد تقسیم کی تھی تو ایک بیٹے کو خانقاہ عطا کی تھی۔ ان کے دو بیٹے تھے ایک مولوی ہدایت علی اور دوسرے غلام رسول، جو اپنی علمی فضیلت کی بنا پر علامہ غلام رسول کہلاتے تھے۔ مولوی

Marfat.com

ہدایت علی سیلانی آدمی تھے۔ پیری مریدی کرتے تھے، ساری زندگی گھومتے گزار دی اور مولانا غلام جیلانی سے راہ و رسم نہ رکھی۔ مولانا بھی خاموش رہے۔ زندگی کے آخری دَور میں وہ خود ہی خانقاہ میں آ گئے۔ اور یہیں مولانا محبوب عالم کے مزار کے سرہانے مدفون ہُوئے جب وہ خانقاہ میں آئے تو مولانا نے اس تپاک اور خوشدلی سے ان کا خیر مقدم کیا کہ وہ حیران رہ گئے۔ وہ کہا کرتے تھے:

"غلام جیلانی ہم تجھ کو پہچان نہیں پائے۔ ہمیں اگر علم ہوتا کہ تو اس مقام کا حامل ہے جس پر ہم تجھے آج دیکھ رہے ہیں، تو کبھی تُجھ سے جُدا نہ ہوتے اور ساری زندگی تیری صحبت میں گزار دیتے۔"

ان کے دُوسرے بھائی علامہ غلام رسول ٹھاکر سنگھ گیٹ کی مسجد کے حُجرہ میں رہتے۔ ان سے مولانا کے تعلقات استوار ہُوئے تو وہ حد درجہ ادب و احترام کرنے لگے۔ جب حضرت صاحبزادہ میاں محمد بشیر عباسیؒ قادری سجادہ نشین دربار قادریہ نے دربار حضرت خواجہ محمد عمر قادریؒ کی مرمت اور تزئین و آرائش کروائی تو انہوں نے مولانا غلام جیلانیؒ ہی کے کہنے پر اس شعر کی صُورت میں تاریخ نکالی:

زاولادِ نیک است ابنِ صغیر
مرمّت کنندہ محمد بشیر

یہ تاریخ پہلے دربار شریف پر رقم ہُوئی پھر مِٹ گئی۔

دُوسرا واقعہ مولوی غلام غوث کا ہے۔ مولوی غلام غوث بھی حضرت مولانا نُور احمدؒ کے پوتے تھے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے اُنہوں نے دربار کی ملکیت کا دعویٰ کیا اور مولانا غلام جیلانیؒ پر ناجائز قابض ہونے کا الزام لگانے کے علاوہ تہمتیں بھی لگائیں۔ یہ چاند پر تھوکنے والی بات تھی جس پر شہر میں مولوی غلام غوث کے خلاف شدید ردِّعمل پیدا ہُوا۔ مولانا نے نہایت صبر و استقامت سے قانونی کارروائی میں حِصّہ لیا۔ سانچ کو آنچ نہیں آتی۔ تائیدِ ایزدی ہر قدم پر

Marfat.com

مولانا کی حفاظت کر رہی تھی۔ انجام کار مولوی غلام غوث کو غلط الزامات اور تہمتوں کی پاداش میں عدالت سے ایک سال کی سزا اور پچاس روپے جرمانہ کا حکم صادر ہُوا۔ اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ مولوی غلام غوث اپنی اس قبیح حرکت پر شرمساری کا اظہار کرتے ہُوئے معافی نامہ شائع کریں۔ مولوی غلام غوث نے فوراً معافی نامہ شائع کرا دیا جس میں اپنے گناہوں سے تائب ہونے کا اقرار کرنے کے ساتھ بے سروپا الزامات پر معافی بھی مانگی گئی۔ جرمانہ ادا کر دیا گیا مگر جب ایک سال سزا کی باری آئی تو مولانا غلام جیلانیؒ نے ازراہِ لطف وکرم معاف فرما دیا۔ کچھ عرصہ بول چال بند رہی۔ ایک روز اچانک مولوی غلام غوث خانقاہ میں آئے اور مولانا غلام جیلانی کو اپنے گھر آنے کو کہا۔ مولانا غلام جیلانی ان کے ہاں پہنچے تو ان کی اہلیہ محترمہ احمداں بیگم کہنے لگیں کہ:

"مجھے خواب میں حضور محمدؐ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت نصیب ہُوئی ہے۔ آپ نے صُلح کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ اسی خاطر ہم نے آپکو گھر آنے کی زحمت دی ہے۔"

مولانا غلام جیلانیؒ نے فوراً مولوی غلام غوث کو سینے سے لگایا اور ہر رنجش بُھلا دی۔ یہ صُلح آخر تک قائم رہی اور مولوی غلام غوث خانقاہ قادریہ میں آتے اور مولانا کی محبت سے بہرہ وَر ہوتے رہے۔

اس سے معلوم ہوتا کہ مولانا غلام جیلانیؒ کبھی کسی سے ناراض نہیں ہُوئے۔ جب بھی ناراضگی کی کیفیت پیدا ہُوئی تو دوسرے فریق کی طرف سے۔ آپ حتی المقدور کوشش کرتے کہ جھگڑا جلد از جلد رفع دفع ہو جائے۔ چنانچہ جب بھی اس ناراض فریق نے اپنی خطاؤں پر نادم ہوکر صُلح کے لیے ہاتھ پھیلا دیا تو اس درویش نے اس سے فقط ہاتھ ہی نہیں ملایا بلکہ دل وجان کی کشادگی اس کے لیے وقف کر دی اور اسے ہر طرح سے بہترین سلوک کا مستحق ٹھہرا لیا۔ اس حسنِ سلوک اور صلۂ رحمی کے ذریعے آپ نے ثابت کر دیا کہ درویش خلقِ خدا

Marfat.com

کے لیے جیتا ہے۔ اور اس کی ذاتی ناراضگی اور رنجش کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

حضرت میاں میر قادریؒ سے غیر معمولی عقیدت

چونکہ داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادہ کو حضرت میاں میر بالا پیر قادری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے فیض پہنچا تھا اس لیے اس خاندان کا ہر فرد حضرت میاں میرؒ سے غیر معمولی عقیدت و محبّت رکھتا تھا۔ حضرت مولانا غلام جیلانیؒ کو یہ عقیدت ورثہ میں عطا ہوئی تھی۔ آپ کو حضرت میاں میرؒ کے آستانہ عالیہ کا ہر ذرہ آفتاب نظر آتا تھا۔ دل چاہتا تھا کہ ہمیشہ وہیں رہیں مگر مجبوریاں واپس آنے پر مجبور کر دیتی تھیں۔ حضرت میاں میرؒ کی پاکیزہ تعلیمات کا آپ پر گہرا اثر تھا اپنی زندگی کو حضرت میاں میرؒ کی شخصیت کے سانچے میں گزارنے کی کوشش کرتے تھے اور ہمیشہ یہی آرزو رہتی تھی کہ ان کا ہر عمل حضرت میاں میرؒ کے اسوہ کے تابع ہو جائے۔

آپ حضرت میاں میرؒ کے سالانہ عرس پر پابندی سے حاضر ہوتے۔ آپ کے ساتھ مریدین، نیازمندوں اور احباب کی بھاری تعداد ہوتی۔ جب عرس پہ جانے کا وقت آتا تو ہفتوں پہلے ہی سے جذباتی کیفیت طاری ہو جاتی۔ یُوں محسوس ہوتا جیسے حضرت میاں میرؒ کا مزار آپ کی نگاہوں میں بسا ہوا ہے۔ اور آپ دیکھ دیکھ کر وجد میں آ رہے ہیں۔ سالانہ عُرس مبارک کے علاوہ بھی جب وقت ملتا اچانک رختِ سفر باندھ لیتے اور یہ کہتے ہوئے چل پڑتے کہ "حضرت میاں میرؒ نے یاد فرمایا ہے غلام حاضر ہو رہا ہے۔"

جس سے محبت ہو اُس سے وابستہ ہر چیز سے پیار ہونے لگتا ہے۔ مولانا کو حضرت میاں میرؒ کے آستانہ عالیہ کے در و دیوار سے عقیدت تھی، وہاں کے سنگریزوں اور ذرّات سے محبّت تھی۔ وہاں کی گرد سُرمۂ چشمِ بصیرت نظر آتی تھی۔ اور وہاں کے سجادہ نشین حضرت مخدوم سید سید علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے تو اس درجہ محبّت تھی کہ اس کا تذکرہ لفظوں میں نہیں سما سکتا۔ مخدوم صاحب سے اس حد تک محبّت کے پسِ پردہ یہ

Marfat.com

حقیقت جلوہ گر تھی کہ یہ اس درگاہِ معلّٰی کے سجادہ نشین ہیں جہاں ہماری عقیدتوں کا مرجع آرام فرما ہے۔ مخدوم صاحب سے محبت اور تعلق کے ضمن میں کئی واقعات ہمارے قارئین کی نگاہوں سے گزر چکے ہیں۔ آپ ہر ممکن طریق سے مخدوم صاحب سے اپنی محبت کا اظہار فرماتے۔ مخدوم صاحب بھی آپ کے تعلق اور ذوق وشوق کو سمجھتے تھے۔

مولانا غلام جیلانیؒ کو جب بھی کوئی اچھی چیز یا نادر شہکار میسر آجاتا انتہائے عقیدت کے ساتھ اسے دربار حضرت میاں میرؒ کی جانب روانہ کر دیتے۔ ایک مرتبہ مولانا نے کمالیہ کے ایک ماہر آدمی سے ایسا خوبصورت حُقّہ تیار کروایا کہ اس پر مکمل طور پر چاندی لگی ہوئی تھی۔ یہ حُقّہ نہایت قیمتی اور مثالی تھا۔ مولانا نے فوراً ایک آدمی کے ذریعے وہ حُقّہ حضرت مخدوم صاحب کی نذر کر دیا۔ مخدوم صاحب یہ حُقّہ دیکھ کر ازحد مسرور ہوئے۔ درگاہ میں آئے ہوئے چاندی کے تحائف میں سے چاندی کا ایک وزنی تحفہ مولانا کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے نذر کر دیا کہ :

"مولانا آپ کا تحفہ سر آنکھوں پر۔ میں اس تحفے کی قیمت تو نہیں چکا سکتا کہ اس کا مقام میرے دل میں ہے مگر اتنے سیر چاندی پیش ہے کہ حُقّہ تیار کرنے والے کو کم از کم چاندی تو مل جائے۔"

غرضیکہ مولانا کو جب بھی جہاں بھی کوئی بہترین چیز دکھائی دیتی فوراً دل میں خیال اُبھرتا کہ اس چیز کا اصل مقام دربار میاں میرؒ ہے۔ یہ قیمتی چیز ہے، یہ بادشاہوں کے لائق ہے اور حضرت میاں میرؒ تو سلطان الاولیاء ہیں۔

حضرت میاں میرؒ کے سالانہ عُرس مبارک پر لاہور حاضری آپ کے لیے عبادت کا درجہ رکھتی تھی۔ عُرس پر حاضری کی تیاریاں زور شور سے شروع ہو جاتیں۔ آپ لاہور پہنچنے کے لیے ایک عرصہ تک وہی راستہ اختیار کرتے رہے جس کے ذریعہ آپ کے جدِ امجد مولانا محبوبؒ عالم لاہور پہنچتے تھے۔ مولانا محبوب عالم عُرس حضرت میاں میرؒ

Marfat.com

میں شرکت کے لیے لاہور جاتے تو گوجرانوالہ سے پیدل چلتے اور ایمن آباد پہنچتے۔ یہاں آپ کا مرید بابا بلندا ہوا کرتا تھا۔ آپ رات اس کے ہاں قیام کرتے۔ مختلف اوقات میں آپ کے ہمراہ حضرت والا خواجہ محمد عمرؒ قادری عباسی، حضرت خواجہ محمد عبداللہؒ قادری، حضرت میاں محمد کریم اللہ قادریؒ (دربار قادریہ بازار فرادیاں والا کی نامور روحانی شخصیات) اور سائیں عبداللہ قادری (ساہو والہ) ہوتے تھے۔ اگلے روز ایمن آباد سے پیدل چل کر کاموکے پہنچتے اور پھر کاموکے اسٹیشن سے سوار ہو کر لاہور پہنچتے۔ لاہور اسٹیشن پر اُتر کر یہ عظیم ہستیاں پیدل درگاہ حضرت میاں میرؒ پہنچتیں۔

مولانا غلام جیلانیؒ نے بھی اپنا یہی معمول اس وقت تک جاری رکھا جب تک بابا بلندا اور پھر اس کا بیٹا زندہ رہے۔ آپ بھی پہلے پیدل ایمن آباد اور اگلے روز کاموکے جاتے، وہاں سے ٹرین پر سوار ہو کر لاہور پہنچتے اور پیدل حضرت میاں میرؒ کی درگاہ کو روانہ ہوتے۔ بعد میں آپ نے ایمن آباد جانا چھوڑ دیا اور گوجرانوالہ ہی سے ٹرین پر سوار ہو جاتے۔ لاہور اسٹیشن سے بہر صورت پیدل درگاہ کو روانہ ہوتے۔ آپ کا یہ معمول زندگی بھر جاری رہا۔ جب عُرس مبارک کی تقریبات ختم ہو جاتیں تو پھر وہاں سے پیدل پہلے داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک پر حاضری دیتے اور پھر وہاں سے بس پر سوار ہو کر گوجرانوالہ آجاتے۔

عُرس مُبارک کی خاطر اس سفر میں درجنوں افراد آپ کے ہمراہ ہوتے۔ آپ جدھر سے گزرتے ایک قافلہ آپکے ہمراہ سفر کرتا نظر آتا۔ آپ ۷، ربیع الاوّل کو درگاہ حضرت میاں میرؒ پہنچتے اور ۱۲، ربیع الاوّل کو وہاں سے واپسی ہوتی۔ جب تک آپ کا دربار حضرت میاں میرؒ میں قیام رہتا مخدوم صاحب آپ کی اور آپکے ساتھیوں کی مدارات میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتے۔ جب رخصتی کا دن آتا تو اس روز سہ پہر کا کھانا آپ مشہور ادیب منشی طالب علی پابند ایڈیٹر ہفت روزہ "اخبار التعلیم" کے ہاں کھاتے۔ اس

Marfat.com

کھانے میں آپ کے ساتھ اسّی سے زائد افراد ہوتے۔ منشی صاحب اس کھانے کا اہتمام نہایت ذوق وشوق اور دلجمی سے کرتے۔

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو اس درجہ عقیدت تھی کہ جب آپ کا ذکر چھڑتا تو مولانا پر عجیب سی استغراقی کیفیت طاری ہو جاتی۔ یُوں محسوس ہوتا کہ جیسے آپ حضرت میاں میرؒ کو سامنے دیکھ رہے ہوں۔ ایک مرتبہ آپ حضرت میاں میرؒ کے دربار پر حاضر تھے۔ احباب نے تقاضا کیا کہ اس مرتبہ حضرت میاں میرؒ کے مرشد حضرت خضرؑ ابدال بیابانی کے مزار (جو کہ روہڑی اور سکھر کے درمیان واقع ہے) پر حاضری دی جائے۔ آپ پہلے تو راضی ہو گئے مگر جب روانہ ہونے کا وقت آیا تو آپ سے حضرت میاں میرؒ کے دربار کے احاطہ سے باہر قدم بھی نہ نکالا گیا اور یہ فرماتے ہُوئے جانے سے انکار کر دیا کہ:

"میری نگاہیں حضرت میاں میر قادریؒ سے ہٹ کر کسی اور جانب دیکھتی ہی نہیں ہیں۔ مجھے چاروں طرف آپ ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ ابھی تو مجھ سے حضرت میاں میرؒ سے عقیدت کا حق ہی ادا نہیں ہُوا۔ مَیں کسی اور مقام پر کیسے جا سکتا ہُوں۔"

دراصل یہ عشق و عقیدت کے مقامات ہیں جنھیں ظاہر بین کیا جانیں۔ ان مقامات کو تو اہلِ نظر ہی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ اہلِ نظر ہی ہوتے ہیں کہ جنھیں فنا فی الشیخ کی صُورت میں ہی بقائے دوام کی منزل نظر آتی ہے۔ مولانا غلام جیلانیؒ تو اہلِ نظر کے قافلے کے رکن رکین تھے۔ وہ بھلا حضرت میاں میرؒ کے انوار سے آنکھیں بچا کر کسی اور جانب کیونکر دیکھ سکتے تھے۔ ان کے لیے تو سب سے بڑا افتخار یہی تھا کہ وہ حضرت میاں میرؒ قادری کے قدموں میں کھڑے ہیں۔

شکل و شمائل

مولانا غلام جیلانی شکل و شمائل کے لحاظ سے انسانی وجاہت اور وقار کا منہ بولتا

Marfat.com

شاہکار تھے۔ جن لوگوں کو آپ کی پاکیزہ محفلوں میں آپ کا قرب حاصل ہے، ان کا بیان ہے کہ آپ کی شخصیت مرجع خلائق تھی۔ عجیب تاثیر تھی آپ کی شخصیت میں کہ دیکھنے لگیں تو دیکھتے رہیں اور جب اُن کی قربت میسر آجائے تو اُٹھنے کا نام نہ لیں۔

مولانا خوبصورت خدوخال کے حامل تھے۔ رنگ گندمی تھا۔ ناک ستواں، آنکھیں پُرکشش بڑی بڑی مگر ایسی حیادار کہ کبھی آنکھ اُٹھا کر بات نہ کرتے۔ ماتھا فراخ، سر چوڑا، مگر عجز و فروتنی سے جُھکا ہوا۔ قد بلند کہ جسے دیکھ کر سرافرازی کا احساس ہو، جسم درمیانہ کہ جسے دیکھ کر بے اختیار موزونیت اور دلکشی کا خیال گزرے۔ بال پٹے دار، پٹے کانوں تک تھے۔ ریش مبارک گول اور گھنی کہ جس کا حُسن شخصیت کے وقار میں کہیں زیادہ اضافہ کرتا تھا۔ آواز بارُعب اور دبنگ، مگر بلند آواز سے نہیں بولتے تھے۔ جو کہنا ہوتا مدھم لہجہ میں کہہ دیتے مگر اس طرح کہ سُننے والا اس آواز کے سحر میں کھو جاتا۔ شیریں گفتار اس قدر کہ جسے اپنے اقوال کی تاثیر سے نوازا وہ پھر انہی کا ہو کر رہ گیا کہ ؎

اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

رفتار آہستہ آہستہ جیسے بادِ خنک دلوں کو سکون بخشتی ہوئی سفر کرتی ہے۔ طبیعت میں ٹھہراؤ، مزاج میں اعتدال، کہ اوّل تو غصہ آتا نہیں تھا اور جب آتا تو بہت جلد اُتر جاتا۔ یُوں معلوم ہوتا کہ ایک گھٹا اُبھری تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے برس کر غائب ہو گئی۔ بیشتر حالتوں میں اگر غصہ آتا تھا تو کسی بہتری کے لیے۔ خفگی پیدا ہوتی تھی تو کسی کی اصلاح کے لیے۔ ذاتی انتقام کے بارے میں کبھی سوچا نہیں تھا۔ نہ اعدا سے نہ حاسدوں سے۔ بقول شاعر ؎

ان کے غصے میں ہے دلسوزی، ملامت میں پیار
مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح

Marfat.com

کام سے کام اپنے ان کو گو ہو عالم نکتہ چیں
رہتے ہیں بتیس دانتوں میں زبانوں کی طرح

گرمیوں میں کھلی آستینوں والا ململ کا کُرتہ اور تہمد پہنتے ۔ سردیوں میں قمیض تہمد پہنتے اور اُوپر کالی گرم چادر اوڑھتے ۔ زندگی بھر کبھی کالا یا سبز تہمد نہیں باندھا، نہ ہی کالا جُوتا استعمال کیا ۔ اپنے ملنے والوں کو سختی سے منع کرتے کہ وہ بھی یہ رنگ استعمال نہ کریں ۔ کالے رنگ سے تصوّر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی کالی کملی کا ہوتا اور سبز رنگ سے گنبدِ خضریٰ کا تقدس ملحوظ خاطر ہوتا ۔ قمیض عام طور پر سفید پہنتے یا دھاری دار ۔ جُوتا چمڑے کا ہوتا ۔ واسکٹ پہنتے کبھی کسی رنگ کی اور کبھی کسی رنگ کی ۔ پگڑی سفید یا کالے رنگ کی باندھتے ۔ دستار کا طرّہ بہت معمولی ہوتا کہ غرور یا نمائش کا احساس نہ ہو ۔ ایک مرتبہ مخدوم سید سید علی شاہؒ سجادہ نشین درگاہ حضرت میاں میرؒ نے گرم کپڑا کوٹ کے لیے بھیجا، تو آپ نے متبرک جان کر سلوا لیا اور پھر خاص خاص دینی، روحانی اجتماعات اور تقاریب میں زیبِ تن کرتے ورنہ عام طور پر واسکٹ اور گرم چادر ہی استعمال کرتے ۔

مجموعی طور پر آپ کی شخصیت حُسنِ نظر اور حسنِ باطن کا ایسا امتزاج لیے ہُوئے تھی، کہ ملنے والے آپ کی صحبت سے اُٹھنے کا نام نہ لیتے ۔ شخصیت پر عاجزی اور سادگی و انکساری کی گہری چھاپ تھی ۔ گفتار ہو یا کردار ہر لحاظ سے غرور و تکبّر سے دامن بچایا اور اپنے ملنے والوں کو ہمیشہ اپنی ذات سے زیادہ مرتبہ دیا ۔

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلےٰ کر دیا
خاکساری اپنے کام آئی بہت

آپ کی غذا سادہ تھی ۔ جو مل جاتا کھا لیتے ، مگر مہمانوں کی خاطر مدارات کے سلسلہ میں ہر ممکن تکلف سے کام لیتے اور کہتے کہ یہ خدا کی رحمت ہیں اور مہمانوں سے تو خانقاہ ہر وقت آباد رہا کرتی تھی ۔ سب کو کھلا چکتے تو جو بچ جاتا خود کھا لیتے ۔ خانقاہ کے لنگر میں

Marfat.com

عام طور پر جو سالن پکتے تھے ان میں کریلے۔ کوفتے، کدّو گوشت، مونگ کی دال۔ کھچڑی سب کچھ مہمانوں کے لیے وقف ہوتا۔ مہمانوں کی فرمائش سُنتے اور فوراً اسے پُورا کرنے کی ٹھان لیتے۔

وصال

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مولانا غلام جیلانی اپنے ہمدم دیرینہ حضرت مخدوم سید سید علیؒ سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت میاں میرؒ قادری کی وفات کے صدمہ سے بہت ملول و غمگین رہنے لگے تھے۔ جب بھی موقع ملتا مخدوم صاحبؒ کا ذِکر چھیڑ دیتے اور یُوں ظاہر کرتے کہ جیسے اب زندگی بے معنی و بے مقصد ہوگئی ہو۔ اس دوران میں بخار رہنے لگا، جسمانی کمزوری لاحق ہوگئی۔ دل کی حرکت متاثر ہونے لگی۔ یہ سب جسمانی عوارض تھے۔ اور جب زندگی کے چراغ کے بُجھنے کا وقت قریب آنے لگتا ہے تو سب بیماریاں تقاضائے بشری بن کر جسم و جان کو ستانے لگتی ہیں۔ اس بیماری کے دوران میں کئی معالج مولانا مرحوم کے علاج کے لیے آتے رہے جن میں ڈاکٹر عبدالرحیم قریشی اور ڈاکٹر بشیر الرحمٰن قابلِ ذکر ہیں۔

بالآخر ۱۸ اپریل ۱۹۵۷ء کی تاریخ آپہنچی جس دن آپ نے اس دارِ فانی سے کُوچ کرنا تھا اس تاریخ سے ایک یوم قبل آپ پر غشی طاری ہُوئی تو معاً آپ کی وفات کی خبر مشہور ہوگئی اور چاروں طرف سے غمگساروں کا ہجوم اُمڈ پڑا مگر اس روز بہت جلد آپ ہوش میں آگئے اور طبیعت سنبھل گئی تو آپ نے سب احباب کو طلب کیا اور دیر تک سب سے شگفتہ مزاجی سے گفتگو فرماتے رہے۔ اس روز آپ کی طبیعت کا سنبھلنا محض ایک بہلاوا تھا کیونکہ اگلے روز علی الصبح ہی طبیعت پھر بگڑ گئی۔

۱۸ اپریل بمطابق ۷ ارمضان المبارک / ۶ بیساکھ آپ کا وصال ہُوا۔ آپ کی علالت کے پیشِ نظر دُور دُور سے ارادت مند، متعلقین اور محبانِ خاص آپ کی خدمت میں بار بار

Marfat.com

حاضر ہو رہے تھے۔ اور بہت سے غمزدہ افراد جو دُوسرے علاقوں سے آئے تھے خاد ہی میں مقیم تھے۔ آپ کی وفات اس روز ساڑھے آٹھ بجے صبح ہُوئی۔ وفات سے کچھ دیر پہلے آپ کے نیاز مند مرد و زن آپ کی چارپائی کے چاروں طرف رنج والم کی تصویر بنے بیٹھے تھے۔ دل رو رہے تھے مگر ضبطِ گریہ کرتے ہُوئے سب آیاتِ قرآنی اور درود شریف کی تلاوت کر رہے تھے۔ اس وقت آپ کروٹ کے بَل لیٹے ہوئے تھے۔ اس ہنگامِ اجل میں درود شریف کی مبارک آوازیں آپ کے کانوں میں پہنچیں تو آپ نے اشارے سے ایک خادم خاص کو بُلایا اور فرمانے لگے:

"جس طرف میری پُشت ہے اس طرف بیٹھے ہُوئے لوگ درود شریف نہ پڑھیں۔ بہتر یہی ہے کہ وہ میرے سامنے کے رُخ آکر بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلّم میں ہدیۂ درود و سلام پیش کریں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس وقت میری مجبوری و معذوری بے ادبی بن جائے۔"

چنانچہ اس عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کی تعمیل میں ایسا ہی کیا گیا۔ آپکے پیچھے بیٹھے ہُوئے احباب آپ کے سامنے آکر درود شریف پڑھنے لگے۔ ذرا دیر بعد آپ نے عاشق حسین کو قریب بُلایا۔ وہ آنسوؤں کو آنکھوں میں سجائے فوراً قریب آکر جھک گئے، پھر آپ نے ان سے پُوچھا کہ میاں فضل احمد چک بیاسی والے کدھر ہیں۔ میاں صاحب قریب ہی تھے۔ حاضر ہو گئے۔ مولانا نے میاں صاحب کو دیکھا تو فرمانے لگے:

"میاں جی! عاشق ابھی بچّہ ہے اس کا خیال رکھیے گا۔"

میاں صاحب نے نیاز مندانہ عرض کیا: "حضور! انشاء اللہ آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔"

اس کے بعد پھر مولانا علیہ الرحمۃ نے کوئی بات نہیں کی۔

آپ خاموش ہو گئے اور فرشتۂ اجل اپنا فرض ادا کرنے لگا۔ جب نزع کی حالت وارد ہو گئی تو آپ نے کلمۂ شہادت پڑھا اور اپنی جان خالقِ کائنات کے سپرد کردی۔

Marfat.com

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔"

جونہی خانقاہ میں موجود عوام نے دیکھا کہ مولانا ہم سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہو گئے ہیں تو کہرام مچ گیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی وفات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح چاروں طرف پھیل گئی۔ وہ لوگ جو آپ کی علالت کے پیشِ نظر اس خبر کے متوقع تھے اور دُعا کرتے تھے کہ وہ یہ خبر نہ سُنیں، بے اختیار دلوں کو تھام کر رہ گئے۔ مولانا کا احترام ہر طبقۂ فکر کے لوگوں کو ملحوظ تھا اور ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد آپ کو دل میں جگہ دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی وفات کی خبر جس نے بھی سُنی غمگین و ملول ہو گیا اور پھر تعزیت گزاروں کا بہت بڑا ہجوم خانقاہ کی جانب رواں ہو گیا۔

ہر شخص رو رہا تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔ ہر دل ماتم کناں تھا۔ ہر سوچ سہمی ہوئی تھی۔ خانقاہ میں آنے والے مرد و زن کا تانتا بندھا ہُوا تھا۔ ان میں اپنے بھی شامل تھے اور پرائے بھی۔ وہ بھی تھے کہ جن سے مولانا کی برسوں کی رفاقت تھی اور وہ بھی کہ جو پہلی مرتبہ مولانا کا آخری دیدار کرنے آئے تھے کہ مردِ مومن کا چہرہ ہے، خاک میں چھُپنے سے پہلے اس کی زیارت کر لیں۔ مولانا کے عزیز و اقارب بھی تھے اور ارادت مند اور نیاز مند بھی۔ ہر لب پر آپ کے کردار اور سیرت کے تذکرے تھے اور ہر شخص آپ کے محاسن کا بیان بڑھ چڑھ کر کر رہا تھا۔ وہ لوگ جو مدّتوں سے اس خانقاہ میں آتے جاتے رہتے تھے اور یہاں کی مجلسوں سے فیضیاب ہُوئے تھے، یُوں محسوس کر رہے تھے جیسے ان کے سر سے محبت و شفقت کا سائبان اُٹھ گیا ہو اور وہ بے آسرا ہو گئے ہوں۔

آج سب کو اس غلام جیلانی کی یاد ستا رہی تھی جس نے طویل عرصہ تک خانقاہ کے فیوض کو عوام تک پہنچایا تھا، جس نے طریقت اور معرفت کے آداب سکھائے تھے، جو دلوں کو فتح کرنے کے ڈھنگ جانتا تھا، جو اپنوں کو ہی نہیں غیروں کو بھی سینے سے لگانے کا حوصلہ رکھتا تھا، جو اپنی ذات میں ایک انجمن تھا کہ ایک زمانہ اس کی صحبتوں کے

Marfat.com

کے طفیل زندگی کے انداز سیکھتا رہا۔ جو اسلاف کی عظمتوں کا امین اور اہلِ نظر کی آنکھ کا تارا تھا۔ جو غمزدوں کے دلوں کی ڈھارس اور حالات کے دُکھوں کے ستائے ہُوئے مایوس اِنسانوں کے لیے اُمید و سکون کا پیغام تھا۔

قلندر کی نگاہ اسرارِ فطرت کے پار دیکھ لیتی ہے۔ مولانا غلام جیلانیؒ نے اپنی وفات سے کئی یوم قبل ہی بتا دیا تھا کہ آپ کی وفات کتنے دنوں بعد ہو گی۔ آپ کے وصال سے دس روز قبل درگاہ حضرت سخی احمد یارؒ، پیرو کوٹ کے سجادہ نشین میاں غلام محمد مرحوم آپ سے مُلاقات کرنے خانقاہ میں آئے۔ اِس وقت مولانا غلام جیلانی چارپائی پر بیٹھے تھے۔ پاؤں زمین پر لٹکا رکھے تھے اور دو تین خدام نیم گرم پانی سے آپ کی پنڈلیوں کو ٹکور کر رہے تھے۔ جب میاں غلام محمد قریب آئے تو مولانا بڑی محبّت اور عقیدت سے ان سے ملے۔ علیک سلیک ہو چکی تو مولانا نے خدّام سے کہا کہ وہ دُور چلے جائیں ہم آپس میں کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ خدّام پیچھے ہٹ گئے۔ دونوں بُزرگ کچھ دیر تک آپس میں گفتگو فرماتے رہے۔ جب میاں غلام محمدؒ جانے لگے تو جاتے جاتے ان خدّام کے پاس رُکے جنہیں دُور جانے کا اشارا کیا تھا۔ میاں صاحب نے فرمایا:

"حضرت مولانا! ہم سے جُدا ہونے ہی والے ہیں۔ آپ نے مجھے اپنے وصال کے متعلق بتا دیا ہے کہ آج سے دس روز بعد میں اس دُنیا سے کُوچ کر جاؤں گا۔ عزیزو! ان کی جتنی خدمت کر سکتے ہو کرو۔ جتنی دُعائیں لے سکتے ہو لے لو۔ اب مردِ کامل کے رُخصت ہونے کا وقت آنے والا ہے۔"

یہ کہتے کہتے میاں غلام محمد کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ خدّام کو تسلی دی اور خانقاہ سے تشریف لے گئے۔

تجہیز و تکفین

چاروں طرف سے سوگواروں کا ہجوم خانقاہ کی حدود میں داخل ہو رہا تھا۔ ہر شخص شدتِ غم

Marfat.com

سے نڈھال تھا۔ سہ پہر کا وقت آ پہنچا تو تجہیز و تکفین کی تیاریاں ہونے لگیں۔ آپ کے جسمِ پاک کو غسل دیا جا چکا اور کفن پہنایا جا چکا تو نمازِ جنازہ ادا کرنے کے لیے آپ کے جسدِ خاکی کو اسلامیہ ہائی سکول کی وسیع و عریض گراؤنڈ میں لے جایا گیا۔ آپ کے جنازہ کے ساتھ بہت بڑی تعداد میں غمگین و سوگوار افراد چل رہے تھے اور باری باری آپ کے جنازہ کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کر رہے تھے۔

نمازِ جنازہ کے لیے گراؤنڈ میں صفیں آراستہ ہو چکیں تو معروف صوفی بزرگ حضرت مولانا محمد لٰسین سے امامت کے لیے درخواست کی گئی۔ اس وقت تک نمازِ جنازہ میں شرکت کے لیے عوام مسلسل آ رہے تھے۔ آنے والے شامل ہوتے رہے اور مولانا محمد لٰسین کی اقتدا میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ نمازِ جنازہ ادا ہو چکنے کے بعد نمازِ جنازہ میں شرکت کے لیے آنے والے افراد کا تانتا بندھا رہا۔ چنانچہ دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھے جانے کی صلاح ٹھہری۔ دوسری نمازِ جنازہ درگاہ حضرت خواجہ محمد عمرؒ کے سجادہ نشین حضرت قبلہ میاں محمد بشیر عباسی قادری رحمۃ اللہ نے پڑھائی۔

نمازِ جنازہ ہو چکی تو آپ کے وجودِ مسعود کو خانقاہ عالیہ کے احاطے میں لایا گیا جہاں قبر تیار ہو چکی تھی۔ سوگواروں کی سسکیوں اور آہوں کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ حضرت میاں محمد بشیرؒ عباسی قادری، میاں محمد فضل، منشی طالب حسین اور غلام علی نے آپ کے وجود کو لحد میں اُتارا۔ آپ کو لحد میں اُتارا جا چکا تو حضرت میاں محمد بشیر عباسی نے اپنی ذاتی نگرانی میں آپ کا مزار تعمیر کروایا۔ (اس سلسلے میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ۱۹۶۷ء میں آپ کے مزارِ پاک کی دوبارہ تعمیر عمل میں لائی گئی اور حاجی عاشق حسین جیلانی نے اپنے مرشد کو خراجِ عقیدت ادا کرتے ہوئے لحدِ مبارک اور خوبصورت پالکی کی تعمیر کا اہتمام کیا۔)

پابندئ سُنّتِ مشائخ

خانقاہ عالیہ قادریہ میں مدفون مشائخ و صوفیائے کرام کے اعراس کی تقاریب

Marfat.com

نہایت پابندی اور رُوحانی تزک واحتشام سے منعقد کی جاتی ہیں. حضرت مولانا غلام جیلانیؒ نے زندگی بھران رُوحانی تقاریب کی بروقت ادائیگی کو ملحوظِ خاطر رکھا۔ آپ کو ان کی ادائیگی کس قدر عزیز تھی اس کا اندازہ آپ کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جو آپ نے اپنی وفات سے تین یوم قبل ادا کیے۔

آپ کئی دنوں سے بیمار تھے اور محسوس فرما چکے تھے کہ شمعِ زندگی کے ٹمٹمانے کا وقت آپہنچا ہے۔ آپ نے اپنی وفات سے تین یوم قبل یعنی ۱۳ رمضان المبارک کو رات کے گیارہ بجے عیادت کے لیے آئے ہُوئے صاحبزادہ حضرت میاں محمد بشیرؒ عباسی قادری سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"صاحبزادہ صاحب! خانقاہ کے سالانہ عرس قریب آرہے ہیں۔ مَیں بیمار ہُوں۔ چل چلاؤ نظر آرہا ہے۔ مَیں رہوں یا نہ رہوں، ان اعراس کے اہتمام میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔"

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: "مولانا انشاءاللہ العزیز آپ جیسا فرما رہے ہیں ویسا ہی ہوگا۔"

قارئین کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ۱۵ رمضان المبارک کو حضرت مولانا محبوب عالمؒ اور ۱۷ رمضان المبارک کو حضرت مولانا محمد فیض کے عرس اور ختم شریف کی تقاریب منعقد ہوتی ہیں۔ مولانا غلام جیلانیؒ صاحبزادہ صاحب سے مخاطب ہو کر انہیں باور کرا رہے تھے کہ بزرگوں کی تقاریب مقدم ہیں۔ اور ان میں کسی قسم کی تاخیر روا نہیں رکھی جانی چاہیے۔ ۱۵ رمضان المبارک کو حضرت مولانا محبوب عالمؒ کے عرسِ پاک کی تقریب تو مولانا غلام جیلانیؒ کی نگرانی ہی میں منعقد ہُوئی۔ مگر ۱۷ رمضان المبارک، جو کہ مولانا محمد فیضؒ کے عرس کی تقریب تھی، مولانا غلام جیلانیؒ کی تاریخ وصال بن گئی۔
اب اہلِ نظر سمجھ گئے کہ عُرسوں کی پابندی کی تاکید سے مولانا کی کیا مُراد تھی۔ گویا مولانا اپنی

Marfat.com

موت سے آگاہ تھے۔ اور احباب کو فرما رہے تھے کہ ہم رہیں یا نہ رہیں، ہمارے بزرگوں کی یاد میں منعقد ہونے والی تقاریب بروقت ہونی چاہئیں۔ چنانچہ مولانا کے وصال کے بعد آپ کے الفاظ پر پُورا پُورا عمل کیا گیا۔

۱۷ رمضان المبارک کی صبح آپ کا وصال ہُوا تو اگرچہ سب کے سب شدتِ غم سے متاثر تھے مگر مولانا کی وصیّت پر پُورا پُورا عمل کیا گیا اور حضرت مولانا محمد فیض رح کے ختم پاک کے لیے متعلقہ سامان مولانا علیہ الرحمۃ کے ایک مرید مہر معراج دین کے ہاں بھیج دیا گیا۔ دال روٹی کا اہتمام ان کے گھر پر ہی ہُوا۔ البتہ اتنی تاخیر ہوگئی کہ مولانا کی زندگی میں عرس کی یہ تقریب نمازِ مغرب سے پہلے منعقد ہوتی تھی، مگر مولانا کی وفاتِ حسرت آیات اور تجہیز و تکفین کی بنا پر یہ تقریب نماز مغرب کے بعد منعقد ہوئی۔

اِس شام مولانا علیہ الرحمۃ کے ہر مُحبّ کو یُوں محسوس ہو رہا تھا کہ خوشیوں اور مسرّتوں کا سورج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا ہے اور رنج و آلام کی شام مسلسل ان کی زندگی کا حِصّہ بن چکی ہے۔ خانقاہ کے ماحول سے آیاتِ قرآنی کی تلاوت اور ذکرِ پاک کی صدائیں اُبھر رہی تھیں۔ لوگ آپ کے محاسن کو یاد کر کر کے رو رہے تھے اور ہر غمزدہ انسان یہ سوال کر رہا تھا کہ اب میرے دل کو تسلی کون دے گا۔ میرے بہتے ہُوئے آنسو کون پُونچھے گا۔ خانقاہ کے در و دیوار سوال کر رہے تھے کہ اب عظمتِ اسلاف کی پاسداری کا حق کون ادا کرے گا؟ حقیقی زندگی یہی ہے کہ مردِ مومن تو چلا جاتا ہے مگر اس کو یاد کرنے والے مدتوں اس کے ایمان افروز تذکار سے دلوں کو آباد کیے رہتے ہیں۔ مردِ مومن اِسی عظمت کا تقاضا کرتا ہے کہ ؎

عرش پر دھومیں مچیں وہ مومن و صالح ملا
فرش سے ماتم اُٹھیں وہ طیّب و طاہر گیا

Marfat.com

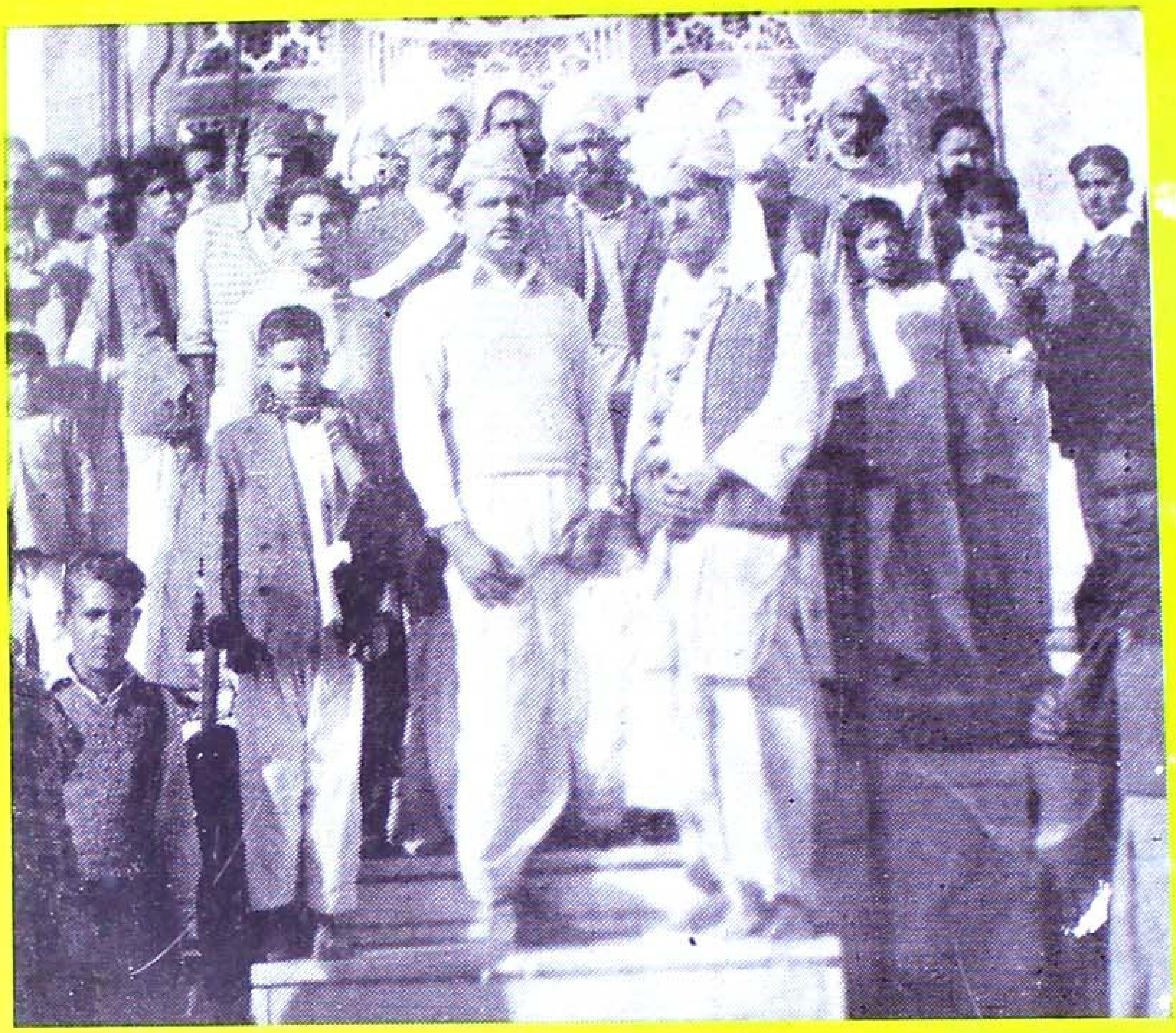

۱۹۵۳ء میں عرس حضرت میاں میر قادریؒ کے موقع پر دربار عالیہ کی سیڑھیوں پر لی گئی حضرت مولانا غلام جیلانیؒ کی ایک یادگار تصویر۔ اُن کے ساتھ مخدوم زادہ سید منظور الحسنؒ شاہ اور دیگر ارادتمندوں کے علاوہ خواجہ محمد بشیر عباسیؒ قادری نمایاں ہیں۔

عرس حضرت میاں میرؒ کے مبارک موقع پر لی گئی ایک یادگار تصویر۔ دائیں سے بائیں: سجّادہ نشین سرہند شریف۔ حضرت مخدوم سیّد سید علی سجادہ نشین دربار حضرت میاں میرؒ۔ مولانا غلام جیلانی سجّادہ نشین خانقاہ قادریہ نوریہ

Marfat.com

Marfat.com

حضرت مخدوم سید سید علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین دربار حضرت میاں میر قادریؒ

Marfat.com

Marfat.com

حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

کے

چند معاصرین

Marfat.com

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تُو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

Marfat.com

○

جہاں ہم نے مولانا غلام جیلانی کے ان خلفائے عظام اور محترم ارادت مندوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے آپ کے ہر حکم کو وجہِ صد افتخار سمجھا، وہاں ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ آپ کے چند ایسے معاصرین کا ذکر بھی کیا جائے جو آپکو از حد محبوب جانتے تھے اور جن سے آپ پُرخلوص تعلقِ خاطر رکھتے تھے۔ یہ وہ جلیل القدر شخصیات ہیں کہ جن کا کسی نہ کسی طور اس خانقاہ قادریہ نُوریہ میں آنا جانا تھا اور جو مولانا غلام جیلانیؒ کے اسلاف کی عظمت سے آگاہ اور مولانا کے محبّت آمیز روّیہ سے از حد مُتاثر تھیں۔ ویسے تو اس نوعیّت کی محترم شخصیّات کی ایک کثیر تعداد ہے لیکن ہم تاریخ کے ریکارڈ کے طور پر محض چند حضرات کے تذکرے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

حضرت قبلہ خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے حالات حضرت مولانا محبوب عالم کے نامور تلامذہ کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔ آپ باقاعدگی سے خانقاہ قادریہ نُوریہ کی رُوحانی تقاریب اور مختلف بزرگوں کے اعراس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ مولانا غلام جیلانی کو اسلاف کی نشانی سمجھتے ہُوئے

Marfat.com

نہایت محبت و خلوص سے پیش آتے۔ اس درگاہ کی حیثیت آپ کے نزدیک انتہائی مقدّس و محترم تھی۔ مولانا غلام جیلانی بھی آپ کے شایانِ شان استقبال کرتے اور عزّت و توقیر سے جگہ دیتے۔ مولانا ہمیشہ آپ کو اپنے مشوروں میں شریک رکھتے۔ اور ہر معاملے میں آپ کی رائے کو فوقیت دیتے تھے۔ حضرت صاحبزادہ میاں محمد کریم اللہ نامور شاعر اور روحانی پیشوا تھے۔ دربار قادریہ، بازار خراداں والا آپ کے دم قدم سے آباد تھا۔ اپنی جامع الصفات شخصیت کی بنا پر بہت جلد دُوسروں کے دل میں گھر کر لیتے۔ درویشی و بے ریائی کی جاذبِ فکر تصویر تھے۔

حضرت مولانا محمد حُسین اُپل رحمۃ اللہ علیہ

آپ پیشے کے لحاظ سے وکیل تھے۔ جب سلسلۂ قادریہ کی عظیم رُوحانی شخصیت، حضرت چودھری محمد امانت خانؒ رئیسِ اعظم بیگم پُور سے سلسلۂ عقیدت قائم ہُوا تو پھر دِل دُنیا سے اُچاٹ ہو گیا اور یادِ الٰہی میں دن گزرنے لگے۔ آپ نے اپنے مرشد کے جُملہ مکاتیب کو جو آپ کے نام آتے تھے ایک کتاب "میخانۂ عشق" میں جمع کر دیا ہے۔ آپ کا حلقۂ ارادت بہت وسیع تھا۔ اور آپ کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ بہت سے وکلاء بھی آپ کے ارادت مند تھے۔ آپ کے فیوض و برکات کا سلسلہ ایک بحرِ بیکراں تھا جس سے ہر کوئی فیضیاب ہوتا تھا۔

آپ رشتہ میں حضرت مولانا غلام جیلانیؒ کے ماموں تھے۔ آپ کا خانقاہ میں اکثر آنا جانا تھا۔ آپ مولانا غلام جیلانیؒ سے شفقت و محبت سے پیش آتے۔ مولانا بھی آپ کے احترام میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتے۔ آپ کو مولانا کی ذات سے خصوصی اُنس تھا اور آپ مولانا کو اپنے بیش قیمت مشوروں سے نوازا کرتے تھے۔ جب مولانا غلام جیلانیؒ نے وصال فرمایا تو اس وقت خانقاہ کے اخراجات کے سلسلہ میں کچھ قرض تھا۔ یہ وہی

Marfat.com

قرض تھا جو خانقاہ کے لنگر کے سلسلہ میں مختلف اصحاب سے لیا گیا تھا۔ مولانا کے وصال کے بعد مولانا محمد حسین اُپل کو اس قرض کے بارے میں علم ہُوا تو آپ نے حاجی عاشق حسین جیلانی سے کہا کہ مجھے قرض خواہوں کے بارے میں بتاؤ کہ مولانا غلام جیلانی کا قرض ادا کیا جا سکے۔ حاجی صاحب نے بتایا کہ کافی رقم ادا ہو چکی ہے۔ فقط چند سو روپے باقی ہیں۔ اِن شاءاللہ وہ بھی جلد ادا ہو جائیں گے۔ اس پر مولوی محمد حسین اُپل فرمانے لگے:

"یہ قرض کسی ایک شخص کا نہیں، بلکہ خانقاہ کا قرض ہے۔ یہ رقم ایک انسان پر صرف نہیں ہُوئی بلکہ اس سے لنگر شریف کا اہتمام کرتے ہُوئے مہمانوں اور مسافروں کی خورد و نوش کا اہتمام کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کی ادائیگی ہمارا فرض ہے۔ مولانا غلام جیلانی کی زندگی قوم کی امانت تھی اور قوم کو اپنا فرض پہچاننا چاہیئے۔"

چنانچہ مولانا محمد حُسین اُپل نے یہ قرض ادا کر دیا۔ آپ کے الفاظ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ مولانا غلام جیلانی کے مقام اور مرتبہ سے کس حد تک باخبر تھے۔ آپ کی زندگی دُرویشی اور اخلاصِ عمل کا نمونہ تھی۔ زندگی بھر دُوسروں کے کام آتے رہے۔ آپ کا مزار گوجرانوالہ سے جانبِ جنوب قریباً تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آپ کے متعلقین پابندی سے آپ کے سالانہ عُرس کا اہتمام کرتے ہیں۔ آپ کی اہلیہ محترمہ بھی فنافی الشیخ کے مقام پر فائز تھیں۔ مولانا محمد حسین اُپل پیرِ طریقت ہی نہیں تھے صحیح معنوں میں عالمِ باعمل بھی تھے۔ آپ کی تمام زندگی شعائرِ اسلام کے احیاء، فروغ اور مایوس دِلوں کو حرارتِ ایمانی بخشنے میں صرف ہوتی۔ تمام زندگی آپ کا معمول رہا کہ روزانہ بعد از نمازِ فجر دو گھنٹے تک قرآنِ مجید کا عام فہم زبان میں درس دیتے۔ آپ کی پھیلائی ہوئی رُوحانی، باطنی تعلیمات کی روشنی ہمیشہ پرستارانِ ایمان کے دلوں کو منوّر کرتی رہے گی۔ حق تو یہ ہے کہ:

درسِ عشقش را زبانے دیگر است
ایں معلّم را بیانے دیگر است

حضرت قبلہ صاحبزادہ محمد بشیر عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے مولانا غلام جیلانی کے ساتھ انتہائی پُر خلوص تعلقات تھے۔ دونوں طرف باہمی احترام کا درجہ تھا۔ دونوں بزرگ دونوں آستانوں کی مقدس تقاریب میں باقاعدگی سے شریک ہوتے۔ صاحبزادہ محمد بشیر عباسی خانقاہ قادریہ کے سالانہ اعراس اور دیگر تقاریب کے انعقاد میں منتظمین کی پوری پوری مدد کرتے۔ آپ عظیم رُوحانی خانوادہ کے جانشین اور حضرت قبلہ میاں محمد کریم اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ ارجمند تھے۔ آپ کو شاعری میں سیّد عابد علی عابد اور علامہ تاجور نجیب آبادی سے فارسی، اور اردو زبان میں شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ آپ دیال سنگھ کالج میں زیرِ تعلیم تھے کہ حضرت خواجہ میاں محمد کریم اللہ عباسیؒ نے رُوحانی امور کی انجام دہی کے لیے آپ کو اپنے پاس بُلالیا اور آپ کی بطورِ خاص رہنمائی کرنے لگے۔

آپ صورت و سیرت کے لحاظ سے شریعتِ مُصطفوی کی تصویر تھے۔ آپ کو دیکھ کر عظمتِ اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ آپ کی گفتگو میں نرمی، برتاؤ میں عجز، معاملات میں اخلاق، سیرت میں فقر و استغنا، ادا و آرا میں جمالِ فکر اور ذوق میں پاکیزگی دیکھ طبیعت از حد مسرور ہوتی تھی۔ آپ راقم (مصنّف) سے اس قدر شفقت فرماتے تھے کہ حدودِ تحریر سے باہر ہے۔ جب بھی آپ کی خدمت میں حاضری دی دل و دماغ کو آپ کی پاکیزہ اور علمی و تحقیقی گفتگو کی بدولت ایک نرالی دلکشی کا احساس ہُوا۔

آپ خانقاہ قادریہ نُوریہ بیرون کھیالی دروازہ میں تواتر[1] سے تشریف لایا کرتے تھے۔ آپ کے حضرت مولانا غلام جیلانیؒ سے از حد محبت آمیز تعلقات تھے۔ مولانا بھی

---

[1] اس سلسلہ میں یہ امر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ حضرت صاحبزادہ محمد کریم اللہ قادری اور حضرت صاحبزادہ محمد بشیر عباسی قادری ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن لازماً یہاں تشریف لاتے۔

Marfat.com

دل وجان سے آپ کے قدردان تھے۔ درگاہ میں حاضری صاحبزادہ صاحب کےلیے عبادت کا درجہ رکھتی تھی۔ موسموں کے شدائد سے بے نیاز برابر حاضر ہوتے۔ اس خانقاہ میں مدّتوں اکابرین کی تعلیمات اور تذکار کو بیان کرتے ہُوئے فرحت محسوس کرتے۔ اس خانقاہ میں آپ کو خاص مہمان کی حیثیت حاصل تھی۔ جب تک مولانا غلام جیلانی حیات رہے صاحبزادہ صاحب ان کی محافل کی زینت بنے تھے۔ مولانا غلام جیلانی علیہ الرحمۃ کے دل میں جب بھی آپ سے مُلاقات کی خواہش پَیدا ہوتی تو فوراً بُلا لیتے۔ صاحبزادہ صاحب بلا تامل چلے آتے۔ بعض اوقات نصف رات کا وقت ہوتا، دونوں بزرگ جاگ کر مختلف مضامین پر گفتگو کر رہے ہوتے۔

صاحبزادہ محمد بشیر عباسی قادری پنجابی، اردو اور فارسی زبان کے ممتاز شاعر بھی تھے اور شاعری میں قادری تخلص کرتے تھے۔ آپ کے کلام کا بیشتر حصّہ نعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم اور مناقبِ بزرگانِ دین کی صورت میں ہے۔ آپ کا اندازِ تبلیغ نہایت متاثر کن اور دلنشین تھا۔ آپ نے علمی وقار کے باوجود رُوحانی عجز وانکسار کے تقاضوں کو کبھی بھی فراموش نہ کیا۔ مولانا غلام جیلانیؒ کے وصال کے بعد بھی آپ حسبِ معمول باقاعدگی سے خانقاہ میں آتے رہے۔ آپ کی تاریخِ وفات ۲۶ جولائی ۱۹۸۵ء ہے۔ راقم (مصنف) نے آپ کے سانحۂ ارتحال پر ایک طویل شخصیاتی وسوانحی مضمون اور ایک منقبت میں فوری طور پر اپنے جذباتِ محبت کا اظہار کیا تھا۔[۱] منقبت کے فقط دو چار اشعار نذرِ قارئین ہیں۔ ؎

صاحبِ ایماں، غلامِ سیدالابرار رفت
سوئے منزل جانِ ملّت کارواں سالار رفت

برسرِ اہلِ طریقت سائبانِ معرفت
محورِ رُوحانیت آں مونس وغمخوار رفت

۱؎ شائع مجلّہ "الکریم"، مقامِ اشاعت دربار قادریہ بازار خراداں والا۔ گوجرانوالہ

Marfat.com

رہبرِ کامل وحیدِ عصر شیخِ بے مثال
مظہرِ شانِ ولایت صاحبِ اسرار رفت
از جمالش مطلعِ قلب و نظر پُر نُور گشت
نازشِ بزمِ طریقت صاحبِ کردار رفت
در دلِ اہل وفا اُو زندہ و تابندہ تر
شارحِ آیاتِ قرآن مطلعِ انوار رفت
از فیوضش اہلِ دل بر جادۂ حق گامزن
رُوحِ فطرت نُورِ ایماں طائعِ بیدار رفت
ترجمانِ رازہائے زندگانی نطق او
راحتِ قلبِ رضاؔ آں ابرِ گوہر بار رفت

آپ کی یادگار چار صاجزادے اور پانچ صاجزادیاں ہیں، صاجزادگان یہ ہیں:
صاجزادہ محمد شبیر کمال عباسی قادری (سجادہ نشین)، صاجزادہ عالی اختر عباسی، صاجزادہ محمد مُنیر عباسی قادری صاحب ایڈووکیٹ۔ صاجزادہ محمد ظہیر عباسی۔

مخدوم حضرت سیّد سید علیؒ شاہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ درگاہ میاں میر قادریؒ لاہور

آپ سیّد عنایت علی شاہ ولد سیّد ننھے علی شاہ کے صاجزادے تھے۔ سیّد عنایت علی کی وفات کے بعد درگاہ حضرت میاں میر قادریؒ کے سجّادہ نشین مقرر ہُوئے۔ سیّد عنایت شاہ نے ۱۹۲۴ء میں وفات پائی۔ آپ حضرت خواجہ محمد عُمر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے صاجزادے حضرت خواجہ محمد عبداللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ جب بھی گوجرانوالہ تشریف لاتے تو دربار عالیہ خراداں والا میں حاضری دے کر خانقاہ قادریہ نُوریہ کھیالی دروازہ میں بیشتر وقت قیام فرماتے۔

Marfat.com

آپ کے مولانا غلام جیلانیؒ سے تعلقات نہایت مخلصانہ بلکہ دوستانہ تھے مولانا غلام جیلانیؒ کی آپ سے محبت دیدنی تھی۔ مخدوم صاحب خانقاہ میں قیام کرتے تو چاروں طرف جشن کا سماں ہوتا۔ اسی طرح مولانا غلام جیلانیؒ جب دربار حضرت میاں میرؒ میں پہنچتے تو وہاں مخدوم صاحب کے خاص مہمان کی حیثیت سے ٹھہرتے۔ مولانا بہت کہتے کہ مخدوم صاحب! یہ شہنشاہِ ولایت کا آستانہ ہے یہاں میرے لیے اتنا تکلف کیوں فرماتے ہیں، مگر مخدوم صاحب نہ مانتے اور ہر طرح سے مولانا اور آپ کے احباب کی مہمانداری فرماتے۔ محبت و خلوص کا یہ سلسلہ دو طرفہ تھا۔ دیکھنے والے دیکھتے اور دنگ رہ جاتے۔

سر سکندر حیات خاں وزیرِ اعظم پنجاب کے عہدِ حکومت میں جب میر مقبول محمود پارلیمنٹری سیکرٹری نے اوقاف سے متعلقہ مسودہ قانون بنایا تو اس کی مخالفت میں سجادہ نشینوں نے ایک انجمن بنائی جس میں مخدوم صاحب اور نامور محقق پیر غلام دستگیر نامی بھی شامل تھے۔ ان میں سے ایک صدر تھا دوسرا سیکرٹری۔ ان حضرات نے اس دوران میں حکومت کی غلط پالیسی کے خلاف بہت سے پمفلٹ لکھے اور شائع بھی کروائے جن میں حقائق بیان کرتے ہوئے زور دیا گیا تھا کہ وہ اوقاف کو اپنی تحویل میں نہ لے۔

مخدوم صاحب اور مولانا غلام جیلانیؒ کے انتہائی خوشگوار تعلقات کے ضمن میں کئی واقعات قبل ازیں بیان ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ہم تفاصیل سے گریز کرتے ہوئے آپ کے ذکرِ جمیل کو اس پر ختم کرتے ہیں کہ ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

آپ کی وفات ۲۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ہوئی اور اندرون احاطہ درگاہ میاں میرؒ میں دفن ہوئے۔

جناب منشی طالب علی پابند

منشی طالب علی نامور صحافی، ادیب اور مدیر تھے۔ ماڑی کلاںؒ (ضلع شیخوپورہ) کے

ؒ یہیں شمس العلماء مولانا محبوب عالم کا سسرال تھا۔

Marfat.com

بہت بڑے علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ۔ آپ کے والد کا نام جناب علم الدین تھا ، جو جناب مراد بخش کے بیٹے تھے ۔ آپ ہی کے خاندان میں مولانا محبوب عالم کی شادی ہوئی تھی ۔ اسی بنا پر آپ کے حضرت مولانا محبوب عالم کے حوالے سے مولانا سے بھی نہایت ارادت مندانہ اور برادرانہ تعلقات تھے ۔ رشتہ داری بھی تھی مگر آپ نے مولانا کے احترام کو ہمیشہ مقدم جانا ۔

منشی طالب علی پابند تلاشِ معاش میں اپنے گاؤں سے لاہور چلے آئے ۔ یہاں مختلف اداروں میں کچھ وقت گزارنے کے بعد خود کو علمی و ادبی مشاغل کے لیے وقف کر دیا ۔ آپ کا شاندار کارنامہ ہفت روزہ "اخبار التعلیم" کا اجرا تھا ۔ "اخبار التعلیم" معقول ضخامت کا رسالہ تھا ۔ جس میں جملہ علمی و ادبی اور تعلیمی و تہذیبی موضوعات پر سیر حاصل مضامین نظم و نثر پیش کیے جاتے تھے ۔ غیر منقسم برِ صغیر کے نامور ادیب اور شاعر اس رسالہ کے لیے لکھتے تھے ۔ اس رسالہ نے بڑے بڑے خاص نمبر بھی شائع کیے ۔ یہ خاص نمبر ہر لحاظ سے یادگار حیثیت کے حامل تھے ۔ آج ضرورت ہے کہ اپنے دَور کے اس معروف رسالے کے جتنے شمارے دستیاب ہو سکیں ، انہیں لائبریریوں میں محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا جائے تاکہ نسلِ نو اپنے اسلاف کے علمی پس منظر سے آگاہ ہو سکے ۔

منشی طالب علی پابند جب گوجرانوالہ آ کر مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو مولانا ان سے بہت تکریم و تعظیم سے پیش آتے ۔ اس تکریم کا سبب منشی صاحب کی مولانا محبوب عالم سے قرابت داری تھی ۔ منشی صاحب جواباً ہر ممکن طریق سے مولانا کی تعظیم ملحوظ رکھتے ۔ منشی صاحب کو مولانا غلام جیلانی سے اس درجہ پیار تھا کہ جب تک مولانا غلام جیلانی حضرت میاں میرؒ کے عُرس کے سلسلہ میں درگاہ میں مقیم رہتے ۔ منشی صاحب پابندی اور تواتر سے ان کی خدمت میں حاضری دیتے اور ان کی باوقار رُوحانی مجالس میں خلوص سے شریک ہوتے ۔ عرس مُبارک کے اختتام پر جب مولانا

Marfat.com

غلام جیلانی دربارِ حضرت میاں میرؒ سے رخصت ہو کر گوجرانوالہ کو روانہ ہوتے تو پھر حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ پاک پر پیدل چل کر حاضری دیتے۔ اس روز سہ پہر کا کھانا منشی طالب علی پابند کے ہاں ہوتا۔ مولانا کے ساتھ احباب اور متعلقین کی کثیر تعداد ہوتی۔ منشی صاحب کی اس دعوت میں شادی کا سماں ہوتا۔ مولانا غلام جیلانی منشی صاحب کے اس فراخدلانہ اقدام پر بہت خوش ہوتے اور اپنی دُعاؤں سے نوازتے۔

منشی طالب علی پابند کا "اخبار التعلیم" ایک طویل عرصہ تک کشتِ علم و ادب کی آبیاری کرتا رہا۔ منشی صاحب اپنی ہمتِ مردانہ کی بدولت جوانی سے پیرانہ سالی تک مسلسل اس رسالے کے ظاہری اور باطنی حسن کو نکھار بخشتے رہے۔ منشی صاحب کی وفات عید کے روز بادشاہی مسجد میں نمازِ عید کی ادائیگی کے بعد ہوئی۔ آپ نماز ادا کر چکے تو نمازیوں کے ہجومِ کثیر کے ساتھ مسجد سے باہر نکلنے لگے۔ پاؤں پھسل گیا تو گر پڑے۔ عوام کا سیلِ بیکراں ان کے اُوپر سے گزرتا رہا اور یُوں آپ نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

منشی صاحب کی وفات کے بعد آپ کے بیٹوں نے "اخبار التعلیم" کو زندہ رکھنے کی بہت کوشش کی مگر خاطر خواہ کامیاب نہ ہو سکے۔ جب باغبان اُٹھ جائے تو گلشن مُرجھا ہی جایا کرتا ہے۔ یُوں یہ ممتاز ادبی و تعلیمی مجلّہ اپنے انجام کو پہنچا۔

ڈاکٹر فقیر محمد فقیر

پنجابی زبان کے نامور ادیب، نقّاد و محقق اور شاعر تھے۔ جون ۱۹۰۰ء میں گوجرانوالہ میں حکیم لال دین کے ہاں پیدا ہوئے۔ طبّی تعلیم کے حصُول کے بعد گوجرانوالہ میں شفاخانہ کھولا۔ پھر شعر و ادب کی وادیوں میں داخل ہوئے اور ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ آپ کا وجود پنجابی زبان کے لیے متاعِ بے بہا کی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ حقیقی معنوں میں

Marfat.com

شاعر اور قوم کے نبض شناس تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی محبت رکھتے تھے۔ سلسلہ قادریہ کے بزرگ حضرت قبلہ میاں محمد کریم اللہ عباسی قادری کے مرید تھے۔ اپنے مُرشد سے غیر معمولی عقیدت کے علاوہ دوسرے صوفیائے کرام کے بھی دل و جان سے معتقد تھے۔ حضرت میاں میرؒ سے غیر معمولی ارادت رکھتے تھے۔

حضرت مولانا غلام جیلانی سے محبت کی بدولت ڈاکٹر فقیر محمد فقیر باقاعدگی سے خانقاہ قادریہ نوریہ میں حاضری دیا کرتے تھے۔ مولانا بھی ڈاکٹر صاحب کی علمی و ادبی خدمات کے معترف تھے۔ ڈاکٹر صاحب پر مولانا کی شفقت کا اس سے قبل تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا دل جب چاہتا مولانا غلام جیلانیؒ کے پاس چلے آتے، مولانا ہمیشہ گرمجوشی سے آپ کا استقبال کرتے اور ان کی دلجوئی اور شفقت فرمانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ ڈاکٹر صاحب کو بھی مولانا کے پُرتپاک تعلقات کا احساس تھا اور مولانا علیہ الرحمۃ کے وصال تک اس میں ذرا بھر بھی کمی واقع نہ ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ کا قیام طویل سے طویل تر ہوتا جاتا اور گھنٹوں بیٹھ کر ڈاکٹر صاحب اپنی پُربہار گفتگو سے محفل کو تازگی بخشتے رہتے۔ شعر خوانی بھی ہوتی۔ جب مولانا غلام جیلانی وفات پا گئے اور ان کی نگاہِ عنایت کے فیض یافتہ عاشق حسین جیلانی، دربار مبارک شاہؒ میں آ گئے تو ڈاکٹر صاحب بھی دربار حضرت مبارک شاہ میں حاضر ہونے لگے۔ جب ڈاکٹر صاحب ستمبر ۱۹۷۴ء میں فوت ہوئے تو آپ کو حسبِ وصیت دربار مبارک شاہ کے احاطے میں ہی دفن کیا گیا۔ آپ کی لوحِ تربت پر آپ ہی کے یہ دردناک اشعار کندہ ہیں جو چشمِ بصیرت رکھنے والوں کو ذوقِ ایمان بخشتے ہیں:

نقشہ ہستی مٹایوئی بھلا کیتوئی — آہ اِک ہور تکلیف وی جری جاویں
میری قبر تے کولوں دی جان والے — ڈھیری ڈھا کے پدھر چا کری جاویں
میں نوں نام نشان دی لوڑ نا ہیں — جے کجھ آپ نوں ڈھونا اے دھری جاویں

کاہدے پتے فقیر نے عاشقاں دے　　کر دا قبر دی تہمتوں بری جاویں

ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کی متعدد تصانیف ان کے علمی مقام و مرتبہ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ معروف ادبی رسالہ "پنجابی" کی اشاعت کی صورت میں آپ نے پنجابی زبان و ادب کی لازوال خدمت انجام دی ہے۔ آپ کی تحقیقی اور شعری کتب میں مہکدے پھُل، صدائے فقیر، پاٹے گلمیں، ستاراں دن، موتے اور سنگی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کی مرتبہ کتب کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔

مفتیٔ شہر حضرت مولانا مفتی بشیر حسین قادری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا مفتی بشیر حسین کاروانِ علم　　کے رکنِ رکین تھے۔ نامور عالمِ دین، معروف خطیب، ممتاز مفتی اور عظیم مذہبی رہنما تھے۔ ۱۹۰۷ء میں منشی محمد دین کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کا لازوال کارنامہ "الجامعۃ الغوثیہ" جیسی عظیم الشان اور پرہیبت مسجد کی تعمیر ہے۔ آپ علوم القرآن والحدیث کے بہت بڑے ماہر تھے۔ خطاط بھی بلند درجے کے تھے۔ تحریکِ پاکستان سے تحریکِ ختمِ نبوت تک آپ نے ہمیشہ روشن نقوش ثبت کیے ہیں۔

مفتی بشیر حسین رشتہ میں مولانا غلام جیلانی کے بہنوئی تھے۔ آپ کو خانقاہ قادریہ نوریہ میں مدفون بزرگوں سے غیر معمولی عقیدت تھی۔ قریبی رشتہ دار ہونے اور اولیاء اللہ کی عظمتوں سے شناسا ہونے کی بنا پر مفتی صاحب اس خانقاہ کے اکابرین کا ذکر بڑے ادب و احترام سے کرتے تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر متعدد کتب بھی تصنیف کی ہیں۔ آپ کا انتقال دسمبر ۱۹۷۸ء میں ہوا۔ اس روز آپ حسبِ معمول تہجد کے لیے اُٹھے تو وضو کے وقت اچانک گر گئے، پھر آپ نے آنکھیں بند کر لیں اور اچانک مسکرانے لگے۔ اس دل نواز تبسم کی بدولت اہلِ خانہ کو یقین ہو گیا کہ آپ خالقِ حقیقی سے وصال پانے والے ہیں۔ اور یہی ہوا۔ آپ اللہ اللہ کا ورد کرتے ہوئے کچھ دیر

Marfat.com

کے بعد ہی دارِ فانی سے دارالبقا کی جانب کوچ کر گئے۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسّم بر لبِ اوست

مولانا عبدالرحمن جامی

آپ معروف خطیب اور عالمِ دین تھے۔ انہوں نے گوجرانوالہ سے اپنی خطابت کا آغاز کیا۔ اور اپنی خطابت کے بل بوتے پر لاہور کی بادشاہی مسجد کے خطیب مقرر ہُوتے اور اسی منصب پر وفات پائی۔ آپ علمِ طب سے بھی آگاہ تھے۔ مطب چلانے کے علاوہ ماہنامہ "انسان" اور ماہنامہ "خادم" کے ناموں سے دو رسالے جاری کیے۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ جب بھی فرصت میسر آتی مولانا کی بارگاہ میں حاضر ہوتے۔ ہفتہ میں کم ازکم تین چار مرتبہ ضرور حاضری دیتے۔ جب بھی آتے بڑے ادب واحترام سے بیٹھ جاتے۔ اور مولانا کی گفتگو سے فیض یاب ہونے لگتے۔ جب محفل سے اُٹھنے لگتے تو مولانا غلام جیلانی سے اپنے لیے دعا کی درخواست ضرور کرتے۔ مولانا جواب میں اپنی دُعاؤں سے نوازتے۔ جُمعہ کے روز مولانا جامی علی الصباح حاضرِ خدمت ہوتے۔ اس روز اصرار کے ساتھ حضرت مولانا کے پاؤں دباتے۔ مولانا غلام جیلانیؒ روکتے تو کہتے کہ "مجھے اس سعادت سے محروم نہ کیجیے"۔ چنانچہ آپ دیر تک مولانا علیہ الرحمۃ کے پاؤں دباتے رہتے۔ جب فارغ ہوکر اجازت طلب کرتے تو پھر حسبِ معمول دُعا کی درخواست کرتے۔ مولانا مُسکرا کر ان کے حق میں دُعا فرماتے۔ جتنک مولانا غلام جیلانی زندہ رہے جناب عبدالرحمٰن جامی نے اپنے معمول میں کمی نہ آنے دی اور تواتر سے خانقاہ میں حاضر ہوکر حضرت مولانا کی چشمِ کرم کے اُمیدوار بنتے۔ جناب جامی کی مولانا سے عقیدت مندی کا آغاز اس

Marfat.com

وقت سے ہوا تھا جب یہ ابھی غیر معروف مقرر تھے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ میری تمام ترقی حضرت مولانا کی دعاؤں ہی کا ثمر ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی کی تاریخ وفات جولائی ۱۹۷۲ء ہے۔

حضرت مولانا مولوی محمد یٰسین صاحب

حضرت مولانا غلام جیلانی سے آپ کے خصوصی تعلقات کا ذکر پہلے آچکا ہے یہاں فقط یہ تبلانا مقصود ہے کہ مولانا محمد یٰسین نے پاکستان تشریف لانے کے بعد گوجرانوالہ میں مقیم ہوتے ہی حضرت مولانا غلام جیلانی سے خصوصی محبت آمیز تعلقات استوار کرلیے تھے اور مولانا غلام جیلانی کے وصال تک دوطرفہ تعلقات کا یہ سلسلہ منقطع ہونے میں نہ آیا۔ مولانا محمد یٰسین درویش طبع، متوکل علی اللہ اور صاحب فقر و غنا ہیں۔ ایک زمانہ آپ کی عظمتوں کا معترف ہے۔ آپ نے ہری سنگھ نلوہ (راجہ رنجیت سنگھ کا سپہ سالار) کی رہائش گاہ کو مسجد، خانقاہ اور مدرسہ میں تبدیل کر کے بے شمار محروم قسمت انسانوں کے سہارے کا انتظام کردیا ہے۔ وہ نابینا انسان، وہ بے بس و لاچار، وہ خلقِ خدا کے راندے ہُوئے جب اس مقام پر پہنچتے ہیں تو انہیں یُوں محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کی تمازتوں سے نکل کر وہ دارالامان میں آگئے ہوں۔ آپ اپنے اوصاف و کردار اور صورت و سیرت کے لحاظ سے عہد ماضی کی عظمتوں کے امین نظر آتے ہیں۔ ہماری دُعا ہے کہ محبت و عقیدت کا یہ گلشن ہمیشہ مہکتا رہے۔ آپ کا وظیفہ "یَا وَدُود یَا وَدُود" ہے۔ بعض اوقات اس خانقاہ میں جائیں تو شعور میں یَا ودود، یَا ودود کے روحانی زمزمے گونجنے لگتے ہیں۔

حضرت علامہ حکیم فیضان علی چشتی نظامی

حضرت علامہ فیضان علی چشتی نظامی، پابندِ شریعت بزرگ اور تصوّف کی سربلندیوں

Marfat.com

سے آگاہ تھے۔ آپ کا تعلق ایک عظیم رُوحانی خانوادہ سے تھا۔ آپ کے والد مولانا خواجہ حکیم عبدالحق چشتی نظامی اپنے دَور کے ولیٔ کامل اور نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔ آپ اردو عربی اور فارسی کے طبع زاد شاعر تھے۔ مولانا فیضان علی چشتی بھی شاعری کے اسرار و رموز سے بخوبی آگاہ تھے۔ حکیم مولانا فیضان علی نے ۷۵ سال کی عمر میں ۱۹۸۵ء میں وفات پائی۔ آپ مولانا غلام جیلانی کے اہم معاصرین میں سے تھے۔ جب کہ آپ کے والد علامہ حکیم عبدالحق چشتی نظامیؒ کو شمس العلماء مولانا محبوب عالم کا زمانہ میسر آیا تھا۔ گویا یہ خاندان ہر لحاظ سے اس خانقاہ سے رُوحانی و فکری وابستگی رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ جب مولانا فیضان علی کے صاحبزادے اور نامور خطیب حضرت مولانا ابو طاہر عبدالعزیز چشتی نے شہر میں غیر مسلک کے ایک مدرسہ میں داخلہ لیا تو مولانا غلام جیلانیؒ نے مولانا فیضان علی سے گہرے رنج والم کا اظہار کیا۔ چنانچہ ان کے ایما پر مولانا عبدالعزیز چشتی سیالوی نے جامعہ مسجد زینت المساجد میں داخلہ لیا اور مولانا حشمت علی پیلی بھیتی اور مولانا صابر حسین جیسے اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ مولانا عبدالعزیز چشتی نے گلستان بوستان کے اسباق اپنے دادا جی سے پڑھے۔

مولانا عبدالعزیز چشتی کے نانا جی ابی دتّا صاحب کرتو شریف کے حضرت سید پیر غلام حیدر شاہ سے بیعت تھے جو حضرت محبوب عالم کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ مولانا عبدالعزیز چشتی کے والد فیضان علی تاج العلماء مولانا عمرالدین گڑھ شنکری کے مولانا محمد قاسم چشتی نظامی کے مرید تھے جبکہ مولانا عبدالعزیز چشتی کے پردادا جی حکیم قل احمد اور ان کے بھائی حکیم دل احمد تاج العلماء مولانا عمرالدین گڑھ شنکری کے مرید صادق تھے۔

مولانا حکیم فیضان علی اور مولانا حکیم خواجہ عبدالحق چشتی نظامی طبابت اور خطاطی سے خصوصی رغبت رکھتے تھے، اور پھر روحانی آبیاری کی ضرورت ہوتی تھی، اس لیے یہ بزرگ خانقاہ قادریہ نوریہ میں کثرت سے تشریف لایا کرتے۔ اس سلسلہ میں اُنھوں نے

Marfat.com

مولانا محبوب عالم اور پھر مولانا غلام جیلانی سے خصوصی رابطہ رکھا۔ مولانا قُل احمد اور مولانا دل احمد عربی اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ (ان محترم شخصیات کا کلام حضرت مولانا عبدالعزیز چشتی کے کُتب خانہ میں محفوظ ہے)۔ حضرت حکیم عبدالحق کے نمونہ کلام کے طور پر ان کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

خداوندا سراسر گریہ زشتم — ولیکن بندۂ پیرانِ چشتم
شفا بخش وز فضلِ خویش بنواز — ز رحمت کُن عطا چشتی بہشتم
مُفلسم، بے زر رسیدم سوئے تو — شیاً للّٰہ مے زنم در کوئے تو
دستِ رحمت بکشا جانب کشکول ما — باد آباد اے سخی مشکوئے تو
پڑی گرداب میں کشتی کنریا آرزو دارم — لگاؤ پار یا خواجہ نوریا آرزو دارم
مصیبت کی گھٹا چھائی اندھیری سخت لہرائی — دکھاؤ چاند سی صورت عمریا آرزو دارم
نہیں چاہتا عبدؔ زر کو، نہ دولت کو نہ حشمت کو — ترے قدموں میں ہی گزرے عمریا آرزو دارم

حضرت مولانا غلام جیلانیؒ کے الطاف و کرم کا تذکرہ کرتے ہُوئے حضرت مولانا عبدالعزیز چشتی کی پلکیں نم آلود ہو جاتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرا طالب علمی کا بہت سا دَور حضرت مولانا غلام جیلانی کی صحبت میں بسر ہوا۔ جب بھی موقع ملتا آپ کی مجلس میں آ بیٹھتا۔ مجھے دیکھتے ہی فرمانے لگتے کہ ہمارے پیارے عبدالحق کا پوتا اور ابی وقاص کا نواسا آگیا ہے اس کی ہر فرمائش کی تعمیل ہونی چاہیے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا۔ اور میں بھی مولانا کے ساتھ روٹی کھانے کے سلسلے کا آغاز کر دیتا۔ غرضیکہ یہ گھرانہ مکمل طور پر پہلے مولانا محبوب عالم اور پھر مولانا غلام جیلانی کی نگاہِ لطف و رحمت سے فیضیاب تھا۔

Marfat.com

حضرت مولانا غلام جیلانیؒ کے خلفاء اور ارادت مندانِ خاص

○

حضرت مولانا غلام جیلانیؒ کے مریدین کئی شہروں اور دیہات میں موجود تھے۔ اگرچہ آپ کی وفات کو ایک عرصہ بیت چلا ہے پھر بھی آپ کی رُوحانی مجلسوں کے فیوض سے بہرہ ور بہت سے اشخاص اب بھی موجود ہیں۔ مولانا کے سوانح انہی حضرات کی یادوں کے حوالے سے ترتیب پا سکے ہیں۔ آپ کے ارادت مندوں کے حوالے سے چند نام تحریر کیے جاتے ہیں:

مخدوم سیّد نُورالحسن شاہ گیلانی قادری

آپ مخدوم سید سید علی شاہ مرحوم، سجادہ نشین درگاہ حضرت میاں میر قادری لاہوریؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ والد محترم کی وفات کے بعد درگاہ کے سجّادہ نشین آپ ہی مقرر ہوئے۔ جوانی ہیں حضرت مولانا غلام جیلانی سے بیعت ہُوئے اور فیوض حاصل کرتے رہے۔ آپ کے والد مخدوم سیّد سید علی شاہ کے مولانا غلام جیلانی سے مراسم غیر معمولی نوعیت کے تھے، یہی مراسم ان کی اولاد کی مولانا سے بیعت کا محرک ثابت ہُوئے۔ سید نورالحسن شاہ مولانا سے اس درجہ محبت کرتے تھے کہ موقع ملتے ہی حاضری کی کوشش

Marfat.com

کرتے۔ جب حکومتِ پاکستان نے محکمہ اوقاف بنایا تو دربار حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کا چارج ۱۹۶۰ء میں آپ سے لے لیا گیا۔ اس وقت ملک امیر محمد خاں گورنر پنجاب تھے۔

مخدوم زادہ سیّد منظور الحسن شاہ گیلانی قادری

آپ مخدوم زادہ سیّد نور الحسن شاہ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ مخدوم سیّد سید علی شاہ کی پہلی اہلیہ محترمہ سے دو صاحبزادے ہوئے سیّد نور الحسن شاہ اور سیّد منظور الحسن شاہ۔ سیّد منظور الحسن شاہ بھی حضرت مولانا غلام جیلانی سے سلسلہ بیعت رکھتے تھے۔ مولانا آپ پر از حد شفقت فرماتے تھے۔

مخدوم زادہ سیّد مشکور الحسن گیلانی قادری المعروف حاجی پیر

مخدوم سیّد سید علی شاہ کی دوسری بیگم سے چار صاحبزادے ہوئے۔ ان میں سے سیّد مشکور الحسن اور سیّد ننھے شاہ مولانا غلام جیلانی سے سلسلۂ ارادت رکھتے ہیں۔ مخدوم زادہ سیّد مشکور الحسن سماجی اور تہذیبی سرگرمیوں میں خصوصی دلچسپی لیتے رہتے ہیں۔ نہایت زیرک اور معاملہ فہم ہیں۔ مولانا سے بیعت کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا اعزاز تصور کرتے ہیں۔

مخدوم زادہ سیّد ننھے شاہ گیلانی قادری

آپ مخدوم سید سید علی شاہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ مولانا غلام جیلانیؒ سے رُوحانی ارادت کا رشتہ استوار کیا جو ہمیشہ کے لیے ان کا افتخار بن گیا۔ اِن دنوں بغرضِ کاروبار امریکہ میں مقیم ہیں۔

حاجی عاشق جیلانی

آپ کا شمار حضرت مولانا غلام جیلانیؒ کے خصوصی ارادتمندوں اور خدمت گذاروں میں ہوتا ہے۔ آپ کے والد کا نام میاں محمد حسین ہے۔ آپ ابھی دودھ پیتے بچے ہی تھے کہ مولانا غلام جیلانی نے آپ کو اپنا خادم قرار دے دیا اور درگاہ میں ہی منگوا لیا۔ ننھے

Marfat.com

عاشق حسین کو چارپائی پر لٹا دیا جاتا اور جب دودھ کے لیے روتے تو ان کو والدہ کے پاس ان کے گھر بھیج دیا جاتا۔ جب سنِ شعور کو پہنچ کر یہ مولانا غلام جیلانی کی خدمت کے قابل ہوئے تو پھر خدمت گزاری کا فریضہ بعد عقیدت و احترام یوں شروع کیا کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے۔ مولانا غلام جیلانی نے درگاہ کی بہت سی ذمہ داریاں ان کو سونپ دیں۔ درگاہ کے لنگر سے لے کر مہمانوں کی مدارات تک آپ جملہ معمولات کی بجا آوری کے لیے مصروف رہنے لگے۔

عاشق حسین کے لیے مولانا غلام جیلانی شفقت و رحمت کا سائبان تھے استاد بن کر انہیں تعلیم بھی دی اور شیخِ طریقت کی حیثیت سے آدابِ طریقت سے آشنا بھی کیا۔ اپنی خدمت گزاری کے روزِ اول سے لے کر مولانا کی پاکیزہ زندگی کے آخری لمحات تک عاشق حسین نے مولانا کی خدمت اس انہماک اور دلجمعی سے کی کہ مسلسل مولانا کی خوشنودی کے حقدار ٹھہرے۔ عاشق حسین عہدِ شیر خوارگی ہی سے گھر سے جدا کر دیے گئے تھے۔ انہوں نے بھی زندگی بھر کے لیے خانقاہ ہی کو اپنی تمناؤں کا محور بنا لیا۔ مولانا غلام جیلانی ؒ نے عاشق حسین کی روحانی و اخلاقی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی، انہیں باپ جیسی شفقت سے نوازا اور اولاد جیسا مقام دیا۔

حاجی عاشق حسین مولانا غلام جیلانی کی زندگی کے اسرار و رموز کے شاہد ہیں۔ یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ مولانا کی زندگی پر حوالے کی کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے مولانا کا جلال بھی دیکھا ہے اور جمال بھی۔ آپ کو عنایات کے جواہر بھی لٹاتے دیکھا ہے اور احباب کی معاشرتی اصلاح کے لیے کوششیں کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ حضرت مولانا کی کرم فرمائیاں، عنایاتِ خسروانہ، بزم آرائیاں اور روحانی تب و تاب کو اپنی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ مولانا سے جھڑکیاں بھی کھائی ہیں اور شفقتِ بیکراں سے فیضیاب بھی ہوئے ہیں۔

Marfat.com

ان کی زندگی فقط مولانا کے لیے وقف تھی اور ان کے لیے زندگی بھر سب سے بڑا اعزاز یہی تھا کہ ان پر مولانا راضی رہیں اور واقعی ان پر تا دم نزع راضی رہے۔ انہیں مسلسل اپنی دعاؤں سے نوازتے رہے اور اپنے فیوض سے ہر آن بہرہ ور فرماتے رہے۔ عاشق حسین جیلانی نے مولانا کی خدمت گزاری اور اتباع و اطاعت کی قابلِ رشک مثال پیش کی اور اب مولانا کے وصال کے بعد مولانا کے پیغام کو زندہ رکھے ہُوئے ہیں۔

اِن دنوں عاشق حسین جیلانی حضرت مبارک شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں مقیم ہیں۔ روزانہ رُوحانی و جسمانی بیماریوں کے ستائے ہُوئے مرد و زن ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دُعا اور علاج کے خواستگار ہوتے ہیں۔ آپ مولانا غلام جیلانی رح کے سالانہ عُرس مبارک کی تقریب رُوحانی شان کے ساتھ منعقد کرتے ہیں۔ آپ کی ہر ممکن کوشش یہی ہوتی ہے کہ تمام رُوحانی اُمور کی انجام دہی میں مولانا علیہ الرحمۃ کی عملی تقلید کا کوئی پہلو نہ چھُٹنے پائے۔ حجِ بیتُ اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہو چکے ہیں، ان سے مل کر اور گفتگو کر کے حضرت مولانا غلام جیلانی کا روشن سراپا نگاہوں کے سامنے گھومنے لگتا ہے۔ مولانا کی سیرتِ پاکیزہ پر گفتگو کرنا ان کے لیے زندگی کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ جب بھی موقع ملتا ہے اپنے پیر و مُرشد کے تذکارِ دلآویز سے محفل سجا دیتے ہیں۔

میاں فضل کریم

میاں فضل کریم کا شمار مولانا غلام جیلانی رح کے مریدانِ خاص میں ہوتا ہے۔ آپ چک ۸۲ شاہکوٹ کے رہنے والے ہیں۔ والد کا نام میاں شہاب الدین ہے۔ آپ کے والد محترم خانقاہ قادریہ گوجرانوالہ سے سلسلۂ ارادت رکھتے تھے اور حضرت مولانا محبوب عالم کا چک ۸۲ آنا جانا رہتا تھا اسی بنا پر اس گاؤں کے بہت سے باشندوں کو اس خانقاہ سے نسبت حاصل

Marfat.com

تھی۔ میاں فضل کریم چھوٹی عمر میں اس خانقاہ میں آئے اور ابھی آغازِ شباب ہی تھا کہ مولانا غلام جیلانی کے گرویدہ ہو گئے۔ اور پھر ہمیشہ کے لیے آپ سے روحانی نسبت کا شرف حاصل کر لیا۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھائی چودھری محمد حسین اور ڈاکٹر غلام محمد بھی ہوتے۔ یہ دونوں بھی مولانا کے مرید تھے۔ چودھری محمد حسین کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ انھوں نے حضرت میاں محمد کریمؒ عباسی قادری کی نگرانی میں حضرت مولانا محبوب عالمؒ کا مزار تعمیر کروایا۔ یہ مزار سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اس کے لیے چودھری محمد حسین نے محنت کر کے رقم فراہم کی۔ چودھری محمد حسین خود زمیندار تھے مگر انھوں نے خون پسینے کی کمائی جمع کرنے کے لیے اُجرت پر دوسروں کی فصلوں کی کٹائی کی اور جب مطلوبہ رقم جمع ہو گئی تو مزار مولانا محبوب عالم کی تعمیر شروع ہو گئی۔

میاں فضل کریم کی زندگی مولانا غلام جیلانیؒ کے کردار کے سانچے میں ڈھل کر بسر ہو رہی ہے۔ میاں صاحب کی مولانا غلام جیلانی سے خصوصی عقیدت اور محبّت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ کو جب بھی وقت میسّر آتا مولانا کی خدمت میں حاضری کے لیے گاؤں سے چل پڑتے۔ اس وقت نہ تو سفر کی دُوری کا خیال دامن گیر ہوتا اور نہ ہی موسم کی شدّت انہیں سفر سے روکنے میں کامیاب ہوتی۔ جس طرح ممکن ہوتا چل پڑتے۔ بارہا گاؤں سے پیدل چل کر مولانا کی خدمت میں حاضری دی اور بارہا سائیکل پر آئے۔ جب گوجرانوالہ آجاتے تو پھر طویل عرصہ تک واپس جانے کا نام نہ لیتے۔ مولانا خود ہی ان کے خاندان کی مجبوریوں کا خیال کر کے انہیں واپس بھیج دیتے۔

میاں صاحب نے مولانا کی زندگی کے بہت سے ادوار دیکھے ہیں اور آپ کی عنایات سے جی بھر کر فیضیاب ہوئے ہیں۔ مولانا کی زندگی کے بہت سے واقعات میاں فضل کریم کی زبان سے عوام تک پہنچے ہیں۔ مولانا کا ذکرِ جمیل کرتے رہنا

Marfat.com

میاں صاحب کا بہت بڑا سہارا ہے۔ مولانا کا ذکر چھڑے، تو پھر میاں صاحب یادوں کے حوالے سے مولانا کی زندگی کی حقیقی تصویر دکھانے لگ جاتے ہیں۔ میاں صاحب کی عمر اس وقت ۸۰ برس کے لگ بھگ ہے اور آپ ان دنوں اپنے گاؤں میں مولانا غلام جیلانی کے فیض کو عام کرنے میں مصروف ہیں۔ سادگی وخلوص کا مُرقّع ہونے کے ساتھ ساتھ آپ اپنے شیخِ طریقت سے عقیدت ومحبت کی حسین مثال ہیں۔

چک ۸۲ کے دوسرے عقیدت مندوں میں سے ماسٹر طالب حسین کو مدّتوں حضرت مولانا غلام جیلانی کی خدمت میں حاضری دینے اور فیوض عام حاصل کرنے کا موقع ملتا رہا۔ ان کے علاوہ بھائی غلام علی، پیر سید صادق شاہ اور ماسٹر عبدالستّار بھی مولانا کے خصوصی نیاز مندوں میں شامل تھے۔

حاجی محمّد بُوٹا

حاجی محمد بوٹا دربار حضرت مبارک شاہ کے سجّادہ نشین ہیں۔ کئی پشتوں سے خانقاہِ قادریہ کے مشائخ سے روحانی طور پر منسلک ہیں۔ آپ کے دادا روشن دین حضرت مولانا نور احمد سے بیعت تھے اور مولانا نے ہی ان کی سجّادہ نشین کے طور پر دستار بندی کی تھی۔ حاجی محمد بوٹا کے والد علی شاہ حضرت مولانا محبوب عالم کے مُرید تھے اور ان کی دستار بندی بھی مولانا محبوب عالم کے دستِ مُبارک سے ہُوئی تھی۔ اس طرح حاجی محمد بوٹا حضرت مولانا غلام جیلانی سے بیعت ہیں۔ اس طرح آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ دربار حضرت مبارک شاہ کے سجّادہ نشین کے طور پر مولانا غلام جیلانیؒ نے ان کی دستار بندی فرمائی۔ حاجی محمد بوٹا مولانا غلام جیلانی کے خاص مریدوں میں شامل ہیں۔ آپ مولانا کے والا وشیفتہ ہیں۔ مولانا سے عقیدت کو اپنی زندگی کی عظیم سعادت سمجھتے ہیں۔ مولانا غلام جیلانی بھی آپ سے نہایت شفقت وعنایات سے پیش آتے تھے۔ ان کی زیرِ نگرانی حضرت مبارک شاہ

Marfat.com

کے سالانہ عُرس مُبارک کی تقریب روحانی اہتمام کے ساتھ منعقد ہوتی ہے۔

پیر محمد سالک مونگناں والے

پیر محمد سالک موضع مونگناں والے کے رہنے والے ہیں۔ والد محترم کا نام پیر محمد مالک ہے۔ اپنے والد محترم کے ہمراہ خانقاہِ قادریہ میں آکر مولانا غلام جیلانی کی خدمت میں حاضری دی تو دل نے آواز دی کہ مرکزِ آرزو یہی شخصیت ہے، اسی کے زیرِ سایہ ٹھہر جاؤ۔ آپ دل کا مدعا سمجھ گئے اور فوراً حضرت مولانا غلام جیلانی سے بیعت کا سلسلہ استوار کر لیا۔ والد محترم کی وفات کے بعد سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ آپ اسلاف کے صحیح معنوں میں جانشین ہیں۔ علوم پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ آپ منکسر المزاج اور درویش صفت شخصیت ہیں۔ حضرت مولانا غلام جیلانی پیر محمد سالک کو خاص توجّہ سے نوازتے تھے۔ آپ اپنے علاقے کے عوام میں بالخصوص اور اہلِ نظر کی نگاہوں میں بالعموم عزّت و توقیر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔

میاں مُحمّد حُسین

آپ دربار حضرت نُور باوا کے گدّی نشین تھے۔ آپ کے والد سائیں نُور باوا سے بیعت تھے۔ آپ کو جوان العمری میں حضرت مولانا غلام جیلانی کی مجلس نصیب ہُوئی تو دل میں پھر ایسی عقیدت اُبھری کہ مولانا علیہ الرحمۃ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ کُچھ دیر کے لیے دربار نور باوا جاتے اور پھر حضرت مولانا غلام جیلانیؒ کی خدمت میں دن گزار دیتے۔

امتدادِ زمانہ سے دربار نُور باوا چھن گیا تو مولانا غلام جیلانیؒ نے فرمایا کہ دربار کی فکر نہ کرو۔ دربار بہت مِل جائیں گے، اپنی باطنی اصلاح پر توجہ دو۔ چنانچہ آپ نے اپنے مُرشد کی رُوحانی محفلوں کو اپنی زندگی کا سرمایہ سمجھ لیا اور خانقاہِ قادریہ کو زندگی بھر کے لیے مرجعِ آرزو بنا لیا۔ مولانا علیہ الرحمۃ کی آپ سے شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ

Marfat.com

کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی تو ننھے شیر خوار کو خانقاہ کے لیے مانگ لیا۔ یہی ننھے شیر خوار آج کے حاجی عاشق حسین جیلانی ہیں۔ میاں محمد حسین اور ان کی بیوی نے مُرشد کا حکم سُنا تو ایک پل کے لیے بھی متفکر یا پریشان نہ ہوئے، بلکہ فوراً اپنے بچے کو مولانا کے قدموں میں ڈال دیا کہ حضور اس سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کیا سعادت ہو سکتی ہے۔ میاں محمد حسین حضرت مولانا سے عشق کی حد تک عقیدت رکھتے تھے اور اسی والہانہ عقیدت کی بنا پر رُوحانی سرفرازیوں کے حقدار ٹھہرے۔

◎

Marfat.com

خانقاہِ قادریہ نُوریہ کے مزارات کی تعمیر

اولیائے عظام کے مزارات ہمیشہ سے مرجع خاص و عام ہیں ۔ اہلِ نظر یہاں حاضری دیتے اپنے اپنے دامانِ طلب کو مرادوں سے بھرتے اور ظلماتِ عصر میں ایمان و یقین کی روشنی حاصل کرتے ہیں ۔ اِن اولیائے عظام کی تعلیمات بلاشبہ مینارۂ نُور کی حیثیت رکھتی ہیں ۔

ان کے وصال کے بعد اصحابِ عقیدت بھرپُور کوشش کرتے ہیں کہ ان کے مقاماتِ قدسیہ کے شایانِ شان مزارات تعمیر کیے جائیں ۔ ایسے مزارات جو نہ صرف ان اولیائے اللہ کی رُوحانی عظمت کی عکاسی کرتے ہوں بلکہ انہیں ایک نظر دیکھتے ہی فنِ تعمیر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہُوا محسوس ہو ۔

خانقاہ قادریہ نُوریہ کا آغاز قطبِ زمانہ حضور داتا شاہ جمال نُوریؒ سے ہُوا جو سلطانِ اقلیمِ ولایت حضرت میاں میرؒ قادری لاہوری کی عنایاتِ رُوحانی سے بہرہ وَر تھے ۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ صحیح معنوں میں حضرت میاں میر بالا پیرؒ قادری کی عظمتِ ایمانی کی تصویر تھے ۔ آپ کے وصالِ انور کے بعد خانقاہ قادریہ میں ایک چبوترا بنا کر آپ کو دفن کر دیا گیا ۔ آپ کے بعد آپ کے سلسلہ کے متعدد دُوسرے بزرگانِ عظیم بھی اسی چبوترے میں مدفون ہیں ۔

حضرت داتا شاہ جمال نوریؒ کے سلسلہ عالیہ قادریہ سے وابستہ اصحاب کی مدّتوں سے آرزو تھی کہ آپ کی رفیع المرتبت شخصیت کے شایانِ شان مزار تعمیر کیا جائے ۔ صدیاں اپنا سفر طے کرتی رہیں بالآخر سدہا برس بعد حضرت مولانا مولوی غلام جیلانیؒ کے مریدِ خاص جناب

Marfat.com

عاشق جیلانی نے اپنی پوری توجہ اس آرزو کی نذر کر دی۔ ان کے دل میں یہ آرزو اُبھری کہ چونکہ حضرت داتا شاہ جمال نوریؒ اپنے پیشوا حضرت میاں میرؒ قادری لاہوری کی تعلیمات کی عملی تفسیر تھے اس لیے آپ کا مزارِ پاک بھی حضرت میاں میرؒ ہی کے مزارِ پُرانوار کے مشابہ ہونا چاہیئے۔ یہ بہت بڑا کام تھا۔ بہت بڑے سرمائے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ فنی مہارت رکھنے والے ہنرمندوں کی ضرورت تھی۔ حضرت میاں میرؒ قادری کا مزارِ پُرانوار تو دارا شکوہ اور دُوسرے شہزادوں اور سلاطین کی عقیدت کا رہونِ منت ہے جب کہ حضرت داتا شاہ جمال نوریؒ کے مزار کی تعمیر کا بیڑا وہ اصحاب اُٹھا رہے تھے جن کا سب سے بڑا سہارا اس سلسلۂ روحانیت سے نسبت اور غیر معمولی عقیدت تھی۔ اِس مزارِ پاک کے منصوبے کو رُوحانی شکوہ عطا کرنے کے لیے اس کا سنگِ بُنیاد رکھنے کی خاطر درگاہِ عالیہ حضرت میاں میرؒ قادری کے سجّادہ نشین حضرت مخدوم پیر سیّد نُورالحسن شاہ کو زحمت دی گئی جو بطورِ خاص لاہور سے تشریف لائے۔

آپ کے مزارِ پاک کی تعمیر کے آغاز سے پہلے حضرت مولانا مولوی نور احمد کا مزارِ پاک بھی حضرت میاں میرؒ قادری کے روضہ کے مطابق بنایا گیا۔ داتا شاہ جمال نوریؒ کے مزارِ پاک کی تعمیر کے دوران میں ہر لحظہ حضرت میاں میرؒ قادری کے مزارِ عالی کے ڈیزائن اور نقشہ کو مدِّنظر رکھا گیا۔ قافلہ منزل کی جانب روانہ ہونے کا عزم کر لے تو قدرت خود بخود رہنمائی اور تائید و نصرت کے اسباب مہیا کرتی ہے۔ جناب عاشق جیلانی مسلسل اپنی امیدوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مصروفِ عمل رہے۔ اِس سلسلہ عالیہ سے وابستہ ارادتمندوں کا جس قدر بھی تعاون نصیب ہوا انہوں نے اسی کو غنیمت جانا۔ وقت گزرتا رہا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے حضرت داتا شاہ جمال نُوریؒ کا مزارِ اقدس حضرت میاں میرؒ قادری لاہوری کے عظیم الشان مزار کا ظاہری و باطنی پرتَو لیے ہُوئے اہلِ نظر کو عقیدت کے نئے اسلوب عطا کرنے لگا۔

اس سلسلہ میں عاشق جیلانی کو دربارِ عالیہ کی شایانِ شان تعمیر کے سلسلہ میں جن اصحابِ خیر اور اصحابِ عمل کا تعاون نصیب ہوا ان میں سے حاجی محمد لطیف مہر کا نام خصوصی اہمیت کا حامل

Marfat.com

ہے ۔حاجی محمد لطیف نے دامے درمے جس طرح سے عاشق جیلانی کی آواز پر لبیک کہا اس پر وہ ان کے شکرگزار اور ان کی دنیاوی واخروی ترقی اور سرخروئی کے لیے رب کریم سے دُعاگو ہیں۔

زمانہ حال مستقبل کی جانب سفر کرتا رہے گا۔خانقاہِ قادریہ میں تعمیر ہونے والے اس بابرکت اور مقدس مزارِ پاک کی ایک جھلک ارادتمندوں کے ذوقِ ایمانی کو جلا بخشتی رہے گی۔عقیدتمندوں کے ہجوم حاضری دیتے رہیں گے اور رُوحانی جمال سے بہرہ ور اسی مزارِ پاک کی چھاؤں میں خطہ پنجاب کے اس جلیل القدر ولی اللہ اور آپ کے خاندان کے دُوسرے نفوسِ قُدسیہ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے رہیں گے۔

○

Marfat.com

شیخ کامل کے بچھڑ جانے کے بعد

حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے تاریخ فقر و درویشی کا ایک باب نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور پھر آپ سا مردِ قلندر اس خاندان کو میسر نہ آسکا۔ آپ کے دو بھائی تھے اور دو بہنیں۔ بھائی مولوی غلام ربّانی اور مولوی فضل الٰہی تھے جبکہ ہمشیرگان مریم بیگم اور کلثوم بیگم تھیں۔

آپ کے وصال کے بعد آپ کے بھائی مولوی غلام ربانی خانقاہ کا انتظام سنبھالتے رہے۔ عرس اور دیگر رُوحانی تقاریب کا سلسلہ جاری رہا۔ مولوی غلام ربانی کی اولاد میں سے صاحبزادہ اقبال ربانی حضرت مولانا غلام جیلانی سے بیعت ہیں۔ آپ ایجوکیشن کے محکمہ میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔ آپ نے ابتدائی عمر کے پانچ سال مولانا غلام جیلانی کی صحبت میں بسر کیے۔ پانچویں جماعت سے دسویں جماعت تک حضرت مولانا کی زیرِ نگرانی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اپنے شیخ سے غیر معمولی محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ آپ کا کہنا ہے کہ آج میں جو کچھ ہوں اپنے شیخ طریقت کی تربیت اور دعاؤں کی طفیل ہوں۔ جناب اقبال ربانی داتا شاہ جمال نوری کے مزار کی تعمیر میں خصوصی دلچسپی لیتے رہے۔ اور اس سلسلہ میں جناب عاشق جیلانی سے ہر ممکن مالی و مادی تعاون بھی کیا جس کے لیے وہ از حد متشکر ہیں۔ مولوی غلام ربانی کے دوسرے بیٹوں میں صاحبزادہ نیاز ربانی درویش طبع تھے، جوانی ہی میں فوت ہو گئے۔ تیسرے بیٹے صاحبزادہ پروفیسر اکرام ربانی گورنمنٹ کالج لاہور میں فرائضِ تدریس انجام دے رہے ہیں۔

مولوی غلام ربانی کے بعد خانقاہ کے نظم و نسق کی ذمہ داری سے مولوی فضل الٰہی زندگی کے آخری ایام تک عہدہ برآ ہوتے رہے۔ مولوی فضل الٰہی کے پانچ بیٹے ہیں جن میں سے صاحبزادہ محمد سلیم انور صدیقی اور صاحبزادہ محمد وسیم گل صدیقی اِن دنوں خانقاہ کے انتظامی فرائض سنبھالے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

شجرۂ طیبہ قادریہ

اوّل حمد خداوند لائق　　اوہ ہے ہر فائق تھیں فائق
زمیناں تے اسماناں اندر　　اوسدا نام چیتاری دا
سرور عالم کیتا پیدا　　تاں ایہہ ہویا جہان ہویدا
دسے سد معراج بلائس　　یار د یار پکاریدا
چارے یار رسول بنائے　　سبھناں بخشی آپو اپنے پائے
ہر اک دین نبیؐ دے اندر　　تھماں وانگ کھلاری دا
اس تھیں پچھے شجرہ پاک　　خاصاں اوسدیاں بُرا افلاک
آکھ سناواں جُوں جُوں ہویا　　تنہاں بخش ستاری دا
غلام جیلانیؒ محبوب سبحانی　　اسم مسمیٰ قطب ربّانی
شمع ہدایت ارحم اکرم　　وسیلہ اوگنہاری دا
محبوبِ عالمؒ ہے عالم دا محبوب　　جس روشن کیتے کئی قلوب
اوسدا نام چیتارن والا　　وانگ عیسےٰ دم ماری دا
احمد یارؒ جدوں سی آیا　　آن جیتاں تے ڈیرا لایا
اصحابی رُتبہ ملیا اس نوں　　احمدؐ دی دلداری دا
نور احمدؒ دے پھڑے بدین　　فیض محمدؐ فی الکونین
جیہڑا ظاھر باطن اندر　　واقف ہے اسرارِ ہُدا

Marfat.com

○ حضرت شیر محمدؒ غازی — جنوں بلی ہمیشہ بازی
ہادی نور ہدایت والا — دِیوا رات اندھیاریدا
○ شاہ رحیمؒ ولی ہے کامل — جس دے ڈِٹھیاں ہوندے واصل
جس دے ول توجّہ کردا — دین دُنی وِچ تاریدا
○ شاہ کریمؒ ژولیدہ مُو — جس وچ ابراہیم خُو
مرکب فقر تصوّف اُوپر — لائق خاص اسواریدا
○ حضرت داتا شاہ جمالؒ — چودیں طبقیں ودھ کمال
اوسدا نام چتارن والا — وانگ عیسےٰ دم ماری دا
○ ہر دَم وَاصل شاہ سعیدؒ — کامل اکمل ذات وحید
اوسدا نام چتارن ہر دَم — دارو ہے بیماری دَا
○ پاک ضمیراں شاہ امیرؒ — قطب ولایت کامل پیر
بَرسے نُور الٰہی ہر دم — جیونکر ابر بہاری دا
○ شاہ ابدالؒ بیاباں والا — درجے رُتبے اندر اعلا
گمراہاں دَا ھادی ہویا — دِیوا رات اندھیاریدا
○ حضرت احمد سیّدؒ ولی — محرم راز خفی و جلی
اندر باغ حقیقت والے — کھِڑیا گُل گلزاریدا
○ حضرت عابد سیّدؒ کبیر — کل مُریداں اوسدے دہیر
کرے توجّہ جس دے اُوپر — شیطانوں اوہ نہ ماریدا
○ حضرت قاسمؒ ہے شہباز — وِچ معانی محرم راز
قادر جیلاں دے گھر اندر — بَدل گوھر باری دا

Marfat.com

موسےٰ حلبی شیخ مخدوم — واضح جنہوں سب علوم
کاشف علم حقائق اندر — ہادی کُل اسراری دا
شیخ ابو بکرؒ جو ہے مقتول — عالم وِچ فروع اصول
کامل وِچ عرفان الٰہی — وانگ رسول چتاریدا
حضرت شیخ ابو داؤدؒ — ہردم وِچ رکوع سجُود
ذات الٰہی دے وِچ دائم — عارف ہے اسراری دا
شاہ سلیمانؒ وڈا پیر — کُل مریداں اوسدے دہیر
جتنے اہل دلاں نوں خرقہ — جوں کر اَبر بہاریدا
حضرت شیخ حفصؒ ابوبکرؒ — ہادی مُرشد ہے رہبر
جِس نوں آیا خاص جناباوں — جامہ نیکو کاری دا
حضرت قرشی حسن علیؒ — اھلِ حقائق وِچ ولی
صاحبِ کشف کرامت والا — واصل حضرت باریدا
حضرت تاج الدینؒ رشید — عبدالرزاقؒ اخلاق حمید
پیا شراب معارف والا — ساقی ایزد باری دا

غوث الاعظمؒ قطب ربّانی — عبدالقادر شاہ جیلانیؒ
جِس دین نبیؐ دا زندہ کیتا — محی الدّین چتاریدا

حضرت ابو سعیدؒ مُبارک — سب علائق دُنیا تھیں تارک
کی کی تینوں آکھ سناواں — ناہیں اَنت شماری دا
حضرت قرشیؒ ابالحسن — اسم اعلےٰ ہنکار وطن
عارف واصل طالب مَولا — تارک دُنیا داری دا

Marfat.com

شیخ ابوالفرحؒ طرطوسی   جس نوں درجہ ہے قدوسی
وانگر حضرت پاک محمدؐ   قائم شب بیداری دا
حضرت عبدالواحدؒ یمنی   بیعت جس دی مکی مدنی
زمین اسمان مراتب والا   وانگ سہیل عطاری دا
حضرت شبلیؒ شیخ معلیٰ   دِتا جس نوں رب تجلی
وِچ حضور جناب الٰہی   ملیا رُتبہ باری دا
حضرت پیر جُنیدؒ بغداد   ہر دم یاد الٰہی وچ شاد
درجہ اوسنوں دِیا حضورؐں   جنّت دی سرداری دا
حضرت سرّیؒ سقطی کامل   یاد اللہ وچ ہر دم شامل
اکدم جُدا نہ ہوندا رب تھیں   واقف کل اسراری دا
حضرت کرخی شیخ معروفؒ   سبھنیں صفتیں ہے موصوف
قصد دلے وچ رکھ دا دائم   خلقت دی غم خواری دا
حضرت طائیؒ ابو داؤدؒ   ذات مبارک پاک وجود
دین شراب جو وصلت والا   کوثر جس توں واری دا
حضرت عجمی شیخ حبیبؒ   ذات الٰہی نت قریب
وصل حقیقی جس نوں ہویا   مستغرق ہو انواریدا
حضرت بصری شیخ حسنؒ   عالم علوی اوس وطن
جس تھیں ایہہ خانوادے سارے   پین شراب خماری دا
حضرت حیدرؒ شاہ مردان   شیر خُدا دا اوسدا شان
تاج ولیاں وارث نبیاں   ماحی کفر کفاری دا
حضرت نبی رسولِ کریم   لولاک جنہاں دا شان عظیم

Marfat.com

یہ شجرہ قادریہ نقل کیا ہے۔ جناب فضل احمد نے اپنے تصنیف کردہ شجرہ قادریہ کا اختتام حضرت مولانا نور احمدؒ سے رُوحانی نسبت کا اظہار کرتے ہوئے ان اشعار پر کیا ہے:

عاصی فضل احمد مسکین
دوئیں جہانیں نال یقین
حضرت نُور احمدؒ دے اَگے
سجدہ کردا زاری دَا

Marfat.com

شجرۂ شریف
سلسلہ عالیہ قادریہ

رحم کر مولائے من شانِ عطا کے واسطے
ہاتھ ہم نے ہیں اُٹھا رکھّے دُعا کے واسطے

تیری رحمت کا احاطہ کوئی کر سکتا نہیں
اشک آنکھوں میں ہیں آئے مُدعا کے واسطے

لا رہے ہیں ہم ترے دربار میں اس کو شفیع
دونوں عالم ہیں بنے جسکی رضا کے واسطے

رحمۃُ للعالمیں، وجہِ قرارِ قلب وجاں
نُورِ حق یعنی محمّد مُصطفےٰ کے واسطے

صاحبِ یٰسین وطٰہٰ، افتخارِ قُدسیاں
سرورِ عالی، شفیعِ دوسرا کے واسطے

خوار ہیں بدکار ہیں، پھر بھی مرے مولا نواز
قبلۂ حاجات، جانِ انبیاء کے واسطے

Marfat.com

شیرِ مرداں، شاہِ یزداں قوّتِ پروردگار
قوّتِ ایماں، علیؓ المرتضیٰ کے واسطے

جس کی اُلفت میں ہے مضمر اُلفتِ شاہِ عرب
مشکلیں آساں ہوں اس مردِ خدا کے واسطے

واسطہ تجھ کو حسن بصریؒ کے زہدِ عام کا
رحم کر ہم پر اسی مردِ صفا کے واسطے

ہر گھڑی ہم عاصیوں پر اپنا لطفِ خاص کر
ہاں حبیبؒ عجمی مردِ باخدا کے واسطے

وہ ابو داؤدؒ طائی صاحبِ اسرارِ حق
رحم کر ہم پر تو جانِ اغنیاء کے واسطے

حضرتِ معروفؒ کرخی، پیکرِ علم و عمل
کر دے لطفِ عام اس نورِ ہُدیٰ کے واسطے

تیری چشمِ لطف ہو بہرِ سَری سقطیؒ مدام
شیخ شبلیؒ فخرِ دیں مردِ سخا کے واسطے

صاحبِ دل جن کو عبدالواحدؒ یمنی کہیں
کشتیٔ ایمان کے اس ناخدا کے واسطے

Marfat.com

بُوالفرحؒ طرطوسی کا ہر دم سہارا ہو ہمیں

بوالحسنؒ قرشی ہاں اس مردِ ہُدیٰ کے واسطے

دینِ حق کی آبرو ہاں وہ مُبارکؒ بُوسعید

کر کرم مولائے مَن، جانِ حیا کے واسطے

پیرِ پیراں، میرِ میراں حضرتِ غوثِ جلی

شیخ عبدالقادرؒ اِسمی رہنما کے واسطے

حوصلہ جس نے دیا کہہ کر "مریدی لاتخف"

لُطف کر ہم پر اسی گردوں نوا کے واسطے

جادۂ ایماں کے راہی یعنی تاج الدینؒ سعید

حضرتِ قرشی حسنؒ سے رہنما کے واسطے

شیخ حفصِؒ بُوبکر، حسن و جمالِ معرفت

حضرتِ شاہِ سلیمانؒ مقتدا کے واسطے

حضرتِ شیخِ ابُو داؤدؒ مردِ حق شناس

اور شیخِ بُوبکرؒ سے پیشوا کے واسطے

مشکلیں آسان کر دے بہرِ موسیٰؒ جلبی شیخ

وقف جو ہر پل رہے تیری ثنا کے واسطے

Marfat.com

حضرتِ قاسمؒ کا صدقہ سب مصائب دُور ہوں
ہو کرم ہم پر اسی مردِ خدا کے واسطے

وہ ولی ابنِ ولی کہ نام احمد سیدؒ ہے
سید اکبرؒ رہنمائے اصفیا کے واسطے

واسطہ تجھ کو شہِ ابدالؒ کی تبلیغ کا
ہو عنایت پیکرِ صدق و صفا کے واسطے

رہبرِ راہِ یقیں حضرت میاں میرؒ ولی
ہو کرم اس سرگروہِ اولیا کے واسطے

ہند کے ظلمت کدوں کو جس نے روشن کر دیا
اِس ولی کی عزّ و شانِ بے بہا کے واسطے

ہے مسلّم جان و دل پر عظمتِ شاہِ سعیدؒ
چشمِ رحمت ہم پہ کر وقفِ ثنا کے واسطے

یا خدا ہر پل ہو ہم پر تیری رحمت کا نزول
حضرتِ شاہِ جمالؒ بے ریا کے واسطے

رحمتیں نازل ہوں ہم پہ از طفیلِ شاہ کریمؒ
ہو نگاہِ لطف روحِ اسخیا کے واسطے

Marfat.com

راحتِ قلبِ مسلماں حضرتِ شاہِ رحیمؒ
ہم پہ کر انعام نورِ اتقیا کے واسطے
حضرتِ شیر محمدؒ، وہ شہیدِ راہِ حق
راہِ حق پائیں اِسی عالی ادا کے واسطے
ہر دلِ تاریک کو انوار کی دولت ملے
حضرتِ فیضِ محمدؒ کی عطا کے واسطے
دو جہاں کی سرفرازی کر خداوندا عطا
نورِ احمدؒ یعنی نورِ مجتبےٰ کے واسطے
غمزدوں کے رنج و غم ہر حال میں کافور ہوں
شہ سخی احمدؒ سے فخرِ اسخیا کے واسطے
مولانا محبوبِ عالمؒ فائزِ حق الیقیں
غم مٹیں سارے ہی اس مردِ خدا کے واسطے
وہ غلامِ شاہِ جیلانیؒ وہ مردِ باکمال
جن کا ہر اک کام تھا تیری رضا کے واسطے
منزلِ ایماں ملے ہم عاصیوں کو یا خدا
پیر جیلانیؒ جمالِ اولیاء کے واسطے

Marfat.com

بندۂ عاصی رضاؔ کی ہر دُعا مقبول ہو
اے خدا اِن اولیاء و اصفیاء کے واسطے
اس کے دل کو اپنی اُلفت سے سدا معمور رکھ
ہادیٔ دیں رہبرِ ارض و سما کے واسطے

ہدیۂ ناچیز
محمد اکرم رضاؔ

Marfat.com

نذرانہ عقیدت

داتا شاہ جمال نوریؒ

داتا شہ جمالؒ سے جو آشنا ہوئے
رہرو کبھی ہوئے تو کبھی رہنما ہوئے

دوزخ کی آگ اُن کو جلائے گی کس طرح
مُرشد کے عشقِ پاک میں جو باوفا ہوئے

طوفانِ تُند و تیز کا ہم کو خطر نہیں
کشتی کے شہ جمالؒ اگر ناخُدا ہوئے

اُن کا مقام حرص و ہوا سے بلند ہے
شاہوں کے تاج و تخت کئی زیرِ پا ہوئے

وہ جانشینِ خاص میاں میرؒ جی کے ہیں
ان کے سبھی نقوش، نقوشِ بقا ہوئے

یادیں دلوں میں جنکے سمائی ہیں شاہؒ کی
رنج و الم کی قید سے وہ تو رہا ہوئے

ہاتھوں سے ان کے ہاتھ جو سجّاد مَس ہوئے
لگتا ہے دو جہان میں وہ کیمیا ہوئے

پروفیسر سجاد مرزا

Marfat.com

بحضور حضرت شاہ جمال اللہ نوری رحمۃ اللہ علیہ

نازشِ بزمِ جہاں ہیں حضرتِ شاہِ جمالؒ ہادیٔ اہلِ زماں ہیں حضرتِ شاہِ جمالؒ

حُجّتِ اہلِ طریقت، رہبرِ راہِ ہُدا بہترینِ قُدسیاں ہیں حضرتِ شاہِ جمالؒ

آپکی تنویر سے روشن قلوبِ مومنین منتہائے مومناں ہیں حضرتِ شاہِ جمالؒ

مرکزِ رُشد و ہدایت، ساقیٔ راہِ طریق پیشِ نظرِ سالکاں ہیں حضرتِ شاہِ جمالؒ

علم ظاہر علم باطن کا ہیں بحرِ بے کراں آفتابِ عالماں ہیں حضرتِ شاہِ جمالؒ

طائرانِ فقر بھی کرتے ہیں سر کو خم یہاں فقر کی شانِ عیاں ہیں حضرتِ شاہِ جمالؒ

بے بساط و خستہ حالوں کے لیے برحق کمال

خلقِ نبوی کا نشاں ہیں حضرتِ شاہِ جمالؒ

○

صاحبزادہ شبیر کمال عباسی

Marfat.com

داتا شاہ جمال نوریؒ

رہنمائے معرفت شاہ جمالِ قادری
رہبرِ فرزانہ حسن و افتخارِ رہبری

پیشوائے کاملاں آں مقتدائے اصفیا
در جہانِ اہلِ ایماں اُو را زیبد سروری

ظلمتِ حالات از تنویرِ اُو کافور شُد
جانشین و نائبِ حضرت میاں میرؒ ولی

از جمالِ علم و حکمت دہر را تسخیر کرد
شُد مُسلّم در قلوبِ مومناں چارہ گری

دولتِ عشق خدا و مصطفٰےؐ تقسیم کرد
رشتۂ مخلوق و خالق تا شود محکم قوی

سلسلۂ قادریت را بہار از اُو رضاؔ
مقتدائے سالکاں اعزازِ رُوحِ بندگی

محمد اکرم رضا

Marfat.com

نذرِ عقیدت

بحضور حضرت مولانا مولوی نُور احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

پیکرِ صبر و رضا نُور احمد قادریؒ — صاحبِ حلم و حیا نُور احمد قادریؒ
پرتوِ خلقِ نبیؐ بحرِ انوارِ علیؓ — مصدرِ جُود و سخا نُور احمد قادریؒ
انتہائے عالماں، منتہائے سالکاں — مشعلِ فقر و فنا نُور احمد قادریؒ
زینتِ بزمِ جہاں، مطلعِ راہِ صفا — معدنِ صدق و صفا نُور احمد قادریؒ
رہبرِ جن و بشر، مرشدِ اہلِ نظر — پیشوائے اسخیا۔ نُور احمد قادریؒ
غائصِ بحرِ شرع، کاملِ علمِ لدن — حُجّتِ اہلِ فنا نُور احمد قادریؒ

وہ جمالِ معرفت، فقر کے بدرِ کمال
منبعِ لُطف و عطا نُور احمد قادریؒ

○

صاحبزادہ شبیر کمال عباسی

Marfat.com

مولانا محبوب عالمؒ

منظہرِ نورِ خدا محبوب عالم قادریؒ — منبعِ جود و سخا محبوب عالم قادریؒ
مصدرِ حلم و حیا و معدنِ علم و عمل — پیشوائے اتقیا محبوب عالم قادریؒ
رازدارِ کُن فکاں سرمایہ دارِ دینِ حق — غائصِ بحرِ وفا محبوب عالم قادریؒ
عاشقِ شاہِ مدینہ طالبِ غوثِ ورے — نورِ چشمِ اولیاء محبوب عالم قادریؒ
تکیہ گاہِ بیکساں مولائے مسکین و فقیر — خوش خیر نکو ادا محبوب عالم قادریؒ
حق پناہ و کوہِ صولت عالمِ شرعِ مبیں — مشعلِ راہِ ہدیٰ محبوب عالم قادریؒ
دُرِّ دریائے حقیقت اہلِ دل اہلِ کمال — پیشرو، ہم مقتدے محبوب عالم قادریؒ
متقی و زاہد و متورع و عبدِ جلیل — صاحبِ فقر و غنا محبوب عالم قادریؒ
شہسوارِ عرصۂ امکاں نجیب باوقار — مخزنِ لطف و عطا محبوب عالم قادریؒ
بلبلِ بستانِ وحدت شمعِ بزمِ معرفت — واقفِ سرِّ ہدیٰ محبوب عالم قادریؒ

مدح سے محبوب کی قاصر ہے غیرت کی زباں
رحمۃ اللہ علیٰ محبوب عالم قادریؒ

○

حضرت صوفی محمد شریف غیرت قادری مرحوم

Marfat.com

محبوبِ عالمؒ

جہانِ معرفت کے رہنما محبوبِ عالم ہیں
ہر اک اہلِ نظر کے پیشوا محبوبِ عالم ہیں

ہے اُن کا فیضِ رُوحانی بہر سُو آج بھی جاری
غلامانِ نبیؐ کے مقتدا محبوبِ عالم ہیں

اڑایا چار جانب آپ نے ایمان کا پرچم
اندھیروں کے لیے شمعِ ہُدیٰ محبوبِ عالم ہیں

سخی احمد کی رحمت اور دُعا نورِ محمد کی
جمالِ بزمِ ہستی با صفا محبوبِ عالم ہیں

عطا کی گوجرانوالہ کو دولت نُورِ ایماں کی
شہِ نوری کی نُورانی ضیا محبوبِ عالم ہیں

ولی کامل محدث اور مفسر علمِ قرآں کے
چراغِ علم و حکمت کی ضیا محبوبِ عالم ہیں

مقامِ ان کا پرے ہے اے رضا ادراک کی حد سے
فلک کی رفعتوں کے راز داں محبوبِ عالم ہیں

محمد اکرم رضا

Marfat.com

بحضور حضرت مولانا مولوی غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حق پرست و غلامِ جیلانیؒ — مردِ مومن فقیرِ لاثانی
عارفِ بے ریا یگانۂ دہر — صاحبِ درد و سوزِ پنہانی
بے بسوں کا وہ غم رُبا یاور — مخلص و ہمدردِ نوعِ انسانی
خوانِ یغما تھا اُن کا دسترخوان — تھی فتوحات کی فراوانی
جو بھی آتا وہ پیٹ بھر کھاتا — بے تکلف تھی گویا مہمانی
اُن کے فیضِ نظر کا کیا کہنا — خادموں کو ملی درخشانی
سرفرازی ملی ہزاروں کو — ان کے دَر پر جُھکا کے پیشانی
سب نے بھر لیں ہیں جھولیاں پُریں — ہوں گلہ مندِ تنگ دامانی
جو بھی بدبیں ہوا خلاف اُنکے — اس کو حاصل ہوئی پشیمانی
آپ واصل بحق ہوئے آخر — چھوڑی دُنیا و عشرتِ فانی
اُن کے جانے سے اُٹھ گئی رونق — اہلِ حلقہ میں ہے پریشانی
اُن کے اوصاف کیا رقم کیجے — عُمر کوتاہ و قصہ طولانی
میرے لب پر دُعا حلیمؔ آئی — باغِ جنت انہیں ہو ارزانی

Marfat.com

خراجِ عقیدت (در صنعتِ توشیع)

مروّت کیش خیر اندیش نامی
ولی اللہ دَر عالم گرامی
لبش خنداں ز لطفِ نکتہ دانی
وحیدُ الدّھر در شیریں زبانی
یگانہ عاملِ و محبوبِ دوراں
غلامِ شاہِ جیلاں از دل و جاں
لبش با ذکرِ حق ہر وقت مشغول
از و شد فقر و دیں در دہر معمول
میں درویشِ والا شاں فقیرے
جہانِ معرفت را یک امیرے
یگانہ مشفقے ھم مہربانے
لطافت بر درے شیریں بیانے
الا اے من چہ گویم شانِ ایشاں
نظیرے ایں نہ دیدہ چشمِ دوراں
یگانہ صاحبِ کشف و کرامات
صدائش سُوئے حق دار و اشارات
امامِ اولیاء و پیر اقطاب
حدیثش بر لبِ ہر شیخ و ہر شاب
بیاں سازم چہ من اوصافِ عاشق
سرِ ھر مصرع گیر و یاب نامش

م و ل و ی غ ل ا م ج ی ل ا ن ی ص ا ح ب

(مولوی غلام جیلانی صاحب)

(پروفیسر ڈاکٹر قریشی احمد حسین قلعداری)

Marfat.com

حضرت مولانا غلام جیلانیؒ

صاحبِ فقر و غنا اقلیمِ دل را شہریار
یادگارِ حضرتِ محبوبِ عالم ذی وقار
سیرت و کردارِ اُو روشن مثالِ آفتاب
قلب و جانِ مضطرب از یادِ اُو یابد قرار
پیکرِ صدق و صفا وجہِ فروغِ آگہی
دَر دو عالم کامیاب و کامران و کامگار
قلبِ بسمل را محبّت بخش تعلیماتِ اُو
از نگاہِ لطفِ اُو اسرارِ فطرت آشکار
تُربتش اھلِ یقیں را مرکزِ انوارِ حق
رحمتِ ربِّ جہاں بر اُو رسد لیل و نہار
عشق و مستی فقر و فخری افتخارِ اُو رضا
ذاتِ پاکِ اُو مثالِ شمعِ ایماں تابدار

——— محمد اکرم رضا

Marfat.com

غلامِ جیلانیؒ

کتابِ معرفت را دل نشیں تفسیر جیلانی
زکردارش دلاں را شوکتِ تعمیر جیلانی
زفیضِ حضرتِ محبوبِ عالمؒ جان عالم شد
وقارِ اہلِ حکمت راحتِ دل گیر جیلانی

جمالِ علم رُوحانی، کمالِ نُورِ ایمانی
شعاعِ مہرِ حکمت صاحبِ توقیر جیلانی
برائے خاکساراں ذاتِ اُو وجہِ سکونِ دل
کاں ذاتِ پاک خاکستر را کرد اکسیر جیلانی
نشانِ منزلِ حق داد ہر فکرِ مجلّٰے را
برائے اہلِ ایماں شیخِ پُر تاثیر جیلانی
زچشمِ ظاہری گرچہ نہاں شُد مردِ حق لیکن
برائے قلب وجاں شُد صورتِ تنویر جیلانی

اکرم کوٹلوی

Marfat.com

قطعۂ تاریخ

"جمالِ فقر" کو تفسیرِ لَا اِلٰہ کہوں
"جمالِ فقر" کو خُلدِ دل و نگاہ کہوں
رضاؔ نے اس میں رقم کی ہے داستانِ وفا
میں کیوں نہ ایسی مساعی پہ واہ واہ کہوں
ہے سرخروئی کی ضامن یہ کاوشِ پیہم
رضاؔ کے واسطے میں وجہِ عزّ و جاہ کہوں
ضیا سے اس کی ہے روشن جہانِ فکر و نظر
سپہرِ علم پہ ضو بار مثلِ ماہ کہوں
برائے اہلِ یقیں ہے یہ رہبرِ منزل
قمرؔ! نہ کیوں میں اسے پھر "چراغِ راہ" کہوں
۱۴۱۰ھ

نتیجۂ فکر
جناب قمر یزدانی (پنوانہ)

Marfat.com

قطعۂ تاریخ

برطبع: "جمالِ فقر" مصنّفہ جناب پروفیسر محمد اکرم رِضا صاحب مدظلہ

فداؔ کیا خُوب تر تخلیق یہ اکرم رضا کی ہے
عجب مہرِ تصوّف کا ہے اس میں ضوفشاں جلوہ
تصدُّق ہو رہے اس پر گہر ہائے معانی ہیں
پتا رُوحانیت کا دے رہا ہے اس کا ہر نقطہ
سُلجھ جاتی ہیں اس سے گُتھیاں شرع و طریقت کی
عیاں اس سے حقیقت کا ہے ہر اک رازِ سربستہ
تڑپ ہے جس کے دل میں جلوۂ دیدارِ جاناں کی
رہِ حق و صداقت پر وہ ہوگا گامزن واللہ
سنِ طبعِ "جمالِ فقر" پر ہے اے فداؔ مجھ سے
کہا "جُوئے ریاضِ فقر" ہے ہاتف نے برجستہ

نتیجۂ فکر: ابوالطاہر فدا حسین فداؔ (مدیرِ اعلےٰ مہروماہ، لاہور)

Marfat.com

بادِ نسیمِ تصوف

پروفیسر محمد اکرم رضا کی تصانیف و مقالات اور مضامین و موضوعات میں تنوع کی پہنائیاں ضوفگن ہیں، ان کا تصنیفی اُفق دھنک رنگ ہے ——— لیکن اُن کی تحقیق و تصنیف اور تقریر و بیان کی بوقلمونیوں اور موضوعات کی نیرنگیوں پر تصوّف و رُوحانیت کا گہرا پہرہ ہے۔

وہ بہت بڑے ادیب ہیں۔ ژرف نگاہ محقق ہیں، اچھے شاعر ہیں، بہت اچھے خطیب ہیں، اور ——— بہت ہی اچھے انسان ہیں۔ مگر اُن کی یہ ساری خوبیاں طریقت و رُوحانیت سے اُن کے گہرے شغف کے زیرِ اثر ہیں۔

ان کی زیرِ نظر تالیف کی بادِ نسیم تصوّف کی منہ بند کلی کو تبسّم و تکلّم پر اکسا رہی ہے۔ اس سے خوشبوؤں کے جمالی و جلالی دھارے پھُوٹ بہے ہیں اور رُوحانیت کے ترسے ہُوئے لوگ حضرت میاں میرؒ کے شبلِ کی بہار آشنا حیاتِ پاک سے شناسائی حاصل کر کے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوں گے کہ چمنستانِ تصوّف میں بہار کبھی یُوں کھُل کر نہ آئی تھی، پھولوں نے اپنی قبائیں کبھی اس انداز میں چاک نہ کی تھیں اور اس نئے قسم کے تعطّر سے فضا جب تک آشنا نہ تھی، گویا اپنے آپ سے بیگانہ تھی۔

مُجھے یقین ہے کہ پروفیسر محمد اکرم رضا کی اس تالیفِ لطیف کے مطالعے سے، لوگ میری طرح معصیت کے ٹوکرے اور حرص و ہوا کی گٹھڑیاں اپنے سروں سے اُتار پھینکیں گے اور عرفانِ نفس اور معرفتِ الٰہی کے ان وسیلوں سے متمتع ہوں گے جن کی نشاندہی کمال حزم و احتیاط سے کی گئی ہے۔

راجا رشید محمود
ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور

Marfat.com

جمالِ فقر

اہلِ تصوّف کا ایمان افروز تذکرہ

تصوّف پر قلم اٹھانا حقیقت میں ان مردانِ حق کا تذکرہ کرنا ہے جنہوں نے بزمِ عالم کو اپنے اخلاق اور کردار سے فتح کر لیا تھا۔ یہ مردانِ حق خدا کے انعامات کے اس طرح سے حقدار بن گئے کہ جو کچھ ان کے لبوں سے ادا ہوا وہی خدا کی تقدیر بن گیا۔ اس میں اصل کمال ان صوفیائے کرام کی سیرت کا ہے۔ ان کی سیرت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کا نمونہ تھی۔ ان کا کردار قرآنِ حکیم کی تعلیمات کی تفسیر تھا، اس لیے جو بھی خدا کے ان خاص بندوں کی بارگاہ میں آتا تھا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کا ہو جاتا تھا۔

آج دُنیائے اسلام میں جس قدر بھی اسلام کی روشنی پھیلی ہوئی ہے وہ انہی اہلِ تصوف کی کوششوں کا صدقہ ہے اس لیے ان پر لکھنا دراصل اپنے روشن ماضی کو خراجِ عقیدت پیش کرنا ہے۔ معروف صاحبِ تحقیق پروفیسر محمد اکرم رضا نے ان صوفیائے کرام کا تذکرہ کیا ہے جن کے حالات زمانے کی نظروں سے اوجھل تھے۔ "جمالِ فقر" تصوف کی ایسی داستان ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شروع ہو کر حضرت مولانا غلام جیلانی پر ختم ہوتی ہے۔ اسی میں سلسلہ عالیہ قادریہ کے نہایت سربلند ولی حضرت میاں میرؒ لاہوری اور ان کے صحبت یافتہ حضرت داتا شاہ جمال نوریؒ کے حوالے سے بہت سے ایسے صوفیائے کرام کا تذکرہ ہے جو گوجرانوالہ کی زمین میں ابدی نیند سو رہے ہیں مگر جن کے پاکیزہ تذکرے آج بھی دلوں میں پُوری شان کے ساتھ محفوظ ہیں۔

پروفیسر محمد اکرم رضا نے "جمالِ فقر" میں تاریخِ تصوف کے گُم شدہ اوراق دُنیا کے سامنے

Marfat.com

پیش کیے ہیں۔ پروفیسر صاحب اس سے پیشتر "تاریخِ گوجرانوالہ" کی صورت میں اپنی تحقیقی صلاحیتوں کا اعتراف کروا چکے ہیں۔ زیرِ نظر تصنیف میں بھی انہوں نے تحقیق و جستجو کو اپنا خضرِ راہ بنائے رکھا ہے۔ ان شخصیات پر لکھنا کہ جن کے تذکرے زمانے کی نظر سے محو ہو چکے ہیں واقعی ایک نادر تحقیقی کاوش ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا نے "جمالِ فقر" میں صوفیائے عظام اور مشائخ کرام کا تذکرہ کرتے ہوئے جہاں قدم قدم پر تحقیق اور حقائق کا کھوج لگانے کی کوشش کی ہے، وہاں اپنی تحریر کو تحقیق کے نام پر خشک نہیں ہونے دیا بلکہ اعلیٰ انشاء پردازی سے کام لے کر خوبصورت تحریر کے جا بجا نمونے پیش کیے ہیں جس کی بدولت قاری کی عقیدت دو چند ہو جاتی ہے اور وہ رُوحانی دلچسپی کے ساتھ ان محسنینِ اسلام کا تذکرہ پڑھنے لگتا ہے جن کی بدولت آج برِصغیر پاک و ہند کی فضائیں توحید و رسالت کے فیوض سے آباد ہیں۔

اس ضمن میں "جمالِ فقر" کا مقدمہ "تصوف اور صوفیائے کرام" بطورِ خاص حاصلِ مطالعہ کا درجہ رکھتا ہے جس میں جنابِ رضا نے قرآنِ حکیم احادیثِ نبویؐ اور تصوف کی تمام معتبر کتب اور تذکار کے حوالے دے کر ثابت کیا ہے کہ تصوف کے اثرات دیرپا اور ہمہ گیر ہوتے ہیں اور جب بھی اُمتِ مسلمہ پر زوال آتا ہے تو سب سے پہلے اہلِ تصوف اور اہلِ فقر ہی اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے اَمنٹ کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ تحریر بجائے خود علیحدہ تصنیف کا درجہ رکھتی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ جنابِ رضا نے جس طرح خلوصِ نیت کے ساتھ یہ تصنیفِ لطیف پیش کی ہے اور تحقیق و جستجو اور ادب و انشاء پردازی کے امتزاج سے خوبصورت عبارت آرائی کی بدولت "جمالِ فقر" کے جمالِ معنوی کو آراستہ کیا ہے اس سے قارئین کے دلوں کو رُوحانی گداز کی دولت بھی میسر آئے گی اور دورِ حاضر کی ظلمتوں کو کافور کرنے کے لیے تصوف سے فیضیاب ہونے کا جذبہ بھی پروان چڑھے گا۔

جناب ظہور عالم شہید (مرحوم)،
مدیر ہفت روزہ "استقلال" لاہور

Marfat.com

گلستانِ تصوّف کا تذکرہ بہار آفریں

یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ زمانے میں اسلام تلوار کے ذریعے نہیں بلکہ مسلمان مبلغین اور محترم صوفیاء کی کوششوں سے پھیلا ہے۔ غیر مسلم مؤرخ بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے نہیں تھکتے کہ مسلمانوں کے پاس تصوّف ایک ایسی قوت ہے جو انہیں ہر حال میں سرگرمِ عمل رکھتی ہے اور اس دَور میں بھی جب کہ مسلمان قوم غلامی کی زنجیروں میں مقید ہوتی ہے صوفیائے کرام کلمۂ حق بلند کرتے، مسلمانوں کو احساسِ زیاں سے بہرہ ور کرتے، انہیں جغرافیائی اور نظریاتی آزادی کے لیے آمادہ کرتے ہیں۔

برصغیر کا شاید ہی کوئی ایسا شہر یا قصبہ ہوگا جہاں مشائخ اور صوفیاء نے اشاعتِ اسلام کا فریضہ انجام نہ دیا ہوگا۔ گوجرانوالہ شہر بھی وطنِ عزیز کا ایسا ممتاز شہر ہے جس کی سرزمین میں ایسے اولیائے کرام مدفون ہیں جنھوں نے اپنے کردار سے اسلام کی حقانیت کو اُجاگر کیا۔ ان میں حضرت داتا شاہ جمالؒ نوری کی ہستی بلند مقام کی حامل ہے جو شیخِ لاہور حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے فیضانِ نظر کی بدولت ولایت کے بلند درجہ پر فائز تھے۔ انہی کے حوالے سے معروف ادیب اور نعت گو شاعر پروفیسر محمد اکرم رضا نے "جمالِ فقر" کے عنوان سے گلستانِ تصوّف و روحانیت کے خوشہ چینوں کے لیے نادر تحقیقی تصنیف پیش کی ہے۔ تحقیق کی نئی راہیں تلاش کرنا، اور حق و صداقت کی جستجو کے نام پر تاریخِ اسلام اور دُنیائے رُوحانیت کے تابندہ ستاروں پر قلم اٹھانا پروفیسر محمد اکرم رضا کے لیے سرمایۂ نجات و سرخروئی ہے۔ تصوّف اور اہلِ تصوّف کے حوالے سے ان کے درجنوں مضامین ملک کے معروف و موقر رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

"جمالِ فقر" سلسلہ عالیہ قادریہ سے متعلق شیوخِ کرام کا ایک ایمان افروز تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ ہمیں بصیرت کی چمک اور رُوحانیت پسندی کا جذبہ عطا کرتا ہے۔ اس دَور میں جب کہ دلِ مردہ اور احساسات کے غنچے پژمردہ ہوتے جا رہے ہیں۔ گلستانِ زندگی خزاں آلود ہو چکا ہے۔ مادی تاریکیاں مسلط ہوتی جا رہی ہیں۔ اور مذہب سے بیزاری ایک فیشن بنتی جا رہی ہے۔ جمالِ فقر ایک بیش قیمت ایمانی دستاویز ہے جو مادیّت پسندی اور باطل نظریات کے خوگر دلوں کو معرفتِ خداوندی کی دولت عطا کرنے کا باعث بنے گی۔ پروفیسر محمد اکرم رضا نے تصوّف کے حوالے سے ایسی خوبصورت نثر کے نمونے پیش کیے ہیں کہ قاری بے ساختہ ان کی تاثر انگیزی میں کھو جاتا ہے۔ عبارت آرائی اپنی جگہ؛ انہوں نے اصحابِ تصوف کے حالات، سوانح اور افکار پیش کرتے ہُوئے صداقت شعاری اور تحقیقی احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا، انہوں نے شریعت کے مخالف صوفیاء کے خلاف اپنے قلم سے تلوار کا کام بھی لیا ہے اور حق گو اور باخدا صوفیائے کرام کے حضور اپنے قلم اور فکر کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے کسی بُخل سے کام نہیں لیا۔ ہمیں اُمید ہے کہ ان کی یہ تصنیف دُنیائے تصوّف میں قدر و قیمت کی نگاہوں سے دیکھی جائے گی اور اُنہوں نے جس طرح سے تصوّف اور کرامت کا اصل معیار خلقِ خدا کی اصلاح اور شریعتِ مطہرہ کی پابندی قرار دیا ہے۔ اس سے اُمتِ اسلام کو صوفیائے کرام کے حوالے سے مذہب کے بنیادی اصولوں کی پابندی کا شعور عطا ہو گا۔ میری دُعا ہے کہ ربِ کریم بفیضانِ مصطفےٰ صَلّی اللہ علیہ وسلّم پروفیسر محمد اکرم رضا کی اس ادبی، علمی اور تحقیقی کاوش کو قبول و منظور فرمائیں۔

خواجہ محمد اسلم کاشمیری
انچارج دینی ایڈیشن
روزنامہ "امروز" لاہور

Marfat.com

مُسافر نواز

جب بھی کوئی صاحبِ تحقیق گم شدہ علمی خزانوں اور ماضی کی گرد میں گم حقائق کا سراغ لگانے کے لیے منزلِ شوق کی جانب آگے بڑھتا ہے تو محدود وسائل کے ساتھ ساتھ زمان و مکان کی مسافتیں اس کا راستہ روکتی ہیں۔ ماضی کے دُھندلکوں میں جھانکتا ہے تو بے اختیار اس پر بے بسی اور کوتاہیٔ فکر و عمل کا فسوں طاری ہونے لگتا ہے۔ ایسے عالم میں بعض ایسے اصحابِ فکر ہوتے ہیں جو اس مسافر جادۂ شوق کی نہ صرف ہمت بندھاتے ہیں بلکہ تحقیق و جستجو کی دشوار گزار راہوں سے آسانی کے ساتھ گزرنے کے لیے اسے ہر ممکن تعاون اور نیک تمناؤں کے ساتھ ساتھ پُرخلوص دعاؤں سے بھی نوازتے ہیں۔ یہ مسافر نواز ہر لحاظ سے ہدیۂ تشکر کے مستحق ہوتے ہیں۔

جمالِ فقر کی تصنیف کے دوران میں تحقیق کی خار دار وادیوں میں آبلہ پائی کرتے ہوئے ہمیں ایسے بہت سے اصحابِ کرم سے واسطہ پڑا جنھوں نے نہ صرف قدم قدم پر ہماری ہمت بندھائی، بلکہ معلومات کے مآخذ اور منزلِ تحقیق کی جانب کامیابی سے سفر جاری رکھنے کے لیے ہر لمحہ ہمارا حوصلہ بھی بندھاتے رہے۔ ان کی باتیں ہماری یادوں کا افتخار اور ان کی محبت ہمارے قلم کا اعزاز ہے۔

ان میں سرفہرست محترم جناب عاشق جیلانی ہیں کہ جنھوں نے زیرِ نظر تصنیف کے آغاز سے انجام تک ہماری رہنمائی فرمائی۔ جناب پروفیسر قریشی احمد حسین قلعداری ہیں کہ جن کے مخلصانہ مشورے اور تعاون کی بدولت بہت سے مرحلے آسان ہوئے۔

Marfat.com

ان کے علاوہ جناب صاحبزادہ محمد وسیم گل صدیقی، جناب صاحبزادہ مفتی ناصر محمود فاروقی، جناب رحمت علی قریشی ہاشمی اور جناب محمد افضل قریشی الہاشمی بھی ہر لحاظ سے ہمارے ہدیۂ امتنان و تشکر کے حقدار ہیں کہ ہر مشکل مقام پر ان کی مسافر نوازی ہمیں آتش کے اس شعر کی روشنی میں آگے بڑھنے کا اسلوب عطا کرتی رہی کہ ؎

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے

ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے

ہماری دعا ہے کہ رب کریم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ان کے درجات کو سربلندی عطا فرمائے۔ آمین

سراپا سپاس

محمد اکرم رضا

Marfat.com

مآخذ و مراجع

کشف المحجوب، از ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویریؒ ۔ ناشر: اسلامک بک فاؤنڈیشن ۔ لاہور

رسالہ قشیریہ، از شیخ ابوالقاسم قشیری ناشر: ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد

فتوح الغیب، از غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی ناشر: المعارف، لاہور

مقدمہ ابنِ خلدون، از علامہ ابنِ خلدون ناشر: نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

تاریخ مشائخ چشت، از خلیق احمد نظامی

تذکرۃ الاولیاء

کتاب اللمع، از شیخ ابو النصر سراج ناشر: اسلامک بک فاؤنڈیشن ۔ لاہور

عوارف المعارف از شیخ شہاب الدین سہروردی مطبوعہ: نفیس اکیڈمی ۔ لاہور

مرج البحرین، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی ناشر: مکتبہ نبویہ ۔ لاہور

اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش ناشر: انجمن خدام القرآن ۔ لاہور

تعرف، از امام ابوبکر بن ابواسحٰق محمد بن ابراہیم ناشر: اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور

الاوراد، از حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی ناشر: اسلامک بک فاؤنڈیشن ۔ لاہور

قرآن اور تصوف، از ڈاکٹر میر ولی الدین ناشر: مکتبہ خلیل، اسلام گنج ۔ لاہور

تصوف، از ڈاکٹر محمد یوسف گورایا ناشر: محکمہ اوقاف ۔ لاہور

سکینۃ الاولیاء، از شہزادہ داراشکوہ ناشر: مکتبہ عالیہ ۔ ایبک روڈ ۔ لاہور

تاریخ جلیلہ، از مولانا غلام دستگیر نامی

حضرت میاں میرؒ، از میاں محمد دین کلیم ناشر: ضیاء القرآن پبلیکیشنز ۔ لاہور

Marfat.com

ارشاداتِ مجدد ، مرتبہ: میاں جمیل احمد شرقپوری ناشر: فرید بکسٹال، اردو بازار۔ لاہور

رُوحِ تصوف ، سید خورشید احمد گیلانی ناشر: فرید بکسٹال، اردو بازار، لاہور

شائق نامہ ، از: غلام قادر شائق (غیر مطبوعہ)

محمود نامہ ، مثنوی از: حکیم زلالی خاں تحریر کردہ: غلام قادر زیرک (غیر مطبوعہ)

جنگ نامہ امام علی الحق از: غلام غوث غلامی (غیر مطبوعہ)

مامقیمان از مولانا وصالی

مامطیعان از مولانا غلام رسول عادل گڑھی

القول القوی فی ذکر الخفی والجلی از مولانا غلام نبی علوی

سیرت الفقراء از حضرت میاں محمد بشیر عباسی قادری مرحوم

آبِ کوثر از: شیخ محمد اکرام

موجِ کوثر

رودِ کوثر

چہار باغ پنجاب از: گنیش داس وڈیرا

ذخیرہ
میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی ... لاہور پاکستان

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com